قاضی ثناء اللہ پانی پتی
اور
تفسیر مظہری کا تعارف

toobaafoundation.com

ڈاکٹر رضوان الدین خاں

اِدارہ علم و عمل
ریاضِ رضواں، لال ڈگی، علی گڑھ

© ناشر

نام کتاب : قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور تفسیر مظہری کا تعارف

مصنف : ڈاکٹر رضوان الدین خاں

سال طباعت : ۲۰۱۱ء

کمپوزنگ : محمد انصر القاسمی

صفحات : ۲۵۶

قیمت : ۲۵۰ روپے

مطبع : انٹرنیشنل پرنٹنگ پریس، عبدالقادر مارکیٹ، علی گڑھ

ناشر : ادارہ علم وعمل، ریاض رضوان
نزد سی.ایم.او. کمپاؤنڈ، لال ڈگی، علی گڑھ۔۲۰۲۰۰۲

کلاسیفیکیشن نمبر: ۲۹۷/۱۲۲۰۹۲ - ڈیوی، ۲۳، ۲۰۱۱ء

: Q7:2:fy7L27 کولن، ۶، ۱۹۶۳ء

تقسیم کار : یونیورسل بک ہاؤس،
۳/عبدالقادر مارکیٹ، (شمشاد مارکیٹ)، علی گڑھ۔۲۰۲۰۰۲

9052

Qazi Sanaullah Panipati aur Tafseer-e-Mazhari Ka Taruf

By

Dr. Rizwanuddin Khan

toobaafoundation.com

فہرست مضامین

☆	مقدمہ	۸
☆	قاضی صاحب کے حالات زندگی	۱۹
☆	شجرہ	۱۹
☆	والدین	۲۲
☆	ولادت	۳۰
☆	تعلیم	۳۲
☆	علومِ باطنی کا حصول اور قاضی صاحب کا مرتبہ	۴۰
☆	قاضی صاحب کے مشائخ طریقت	۴۷
☆	شیخ محمد عابد سنامی، رحمۃ اللہ علیہ	۴۷
☆	مرزا مظہر جان جاناں شہید، رحمۃ اللہ علیہ	۴۸
☆	منصب قضاء	۵۲
☆	عہدہ قلعہ داری کی پیش کش	۵۵
☆	قاضی صاحب کے معمولات	۵۶
☆	قاضی صاحب کے اخلاق وعادات	۵۷
☆	ایک غلط فہمی	۵۹
☆	قاضی صاحب کے رویائے مبارکہ	۶۶
☆	ثنائے مرشد بزبان مرشد	۶۷
☆	قاضی صاحب کی وفات	۶۸
☆	قاضی صاحب کے اہل وعیال	۶۹
☆	رابعہ بیگم	۶۹

toobaafoundation.com

☆ عجیبہ بیگم ۷۰

☆ مولوی احمد اللہ ۷۱

☆ محمد صبغۃ اللہ ۷۲

☆ محمد دلیل اللہ ۷۳

☆ قاضی صاحب کی بیٹیاں ۷۴

☆ قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے تلامذہ، مریدین اور مستفیدین ۷۴

☆ قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے معاصرین ۷۶

☆ شاہ ولی اللہ دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) ۷۷

☆ مولوی ثناء اللہ سنبھلی (متوفی ۱۱۹۹ھ) ۷۸

☆ مولوی نعیم اللہ بہرائچی (متوفی ۱۲۱۸) ۷۹

☆ حکیم شریف خاں (متوفی ۱۲۲۲ھ) ۸۰

☆ شاہ عبدالقادر دہلوی (متوفی ۱۲۳۰ھ) ۸۲

☆ مولوی اخوند ملا نسیم (متوفی ۱۲۳۱ھ) ۸۲

☆ شاہ رفیع الدین دہلوی (متوفی ۱۲۳۳ھ) ۸۳

☆ شاہ عبدالعزیز دہلوی (متوفی ۱۲۳۹ھ) ۸۴

☆ شاہ غلام علی دہلوی (متوفی ۱۲۴۰ھ) ۸۴

☆ مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (متوفی ۱۲۴۵ھ) ۸۵

☆ شاہ ابوسعید (متوفی ۱۲۵۰ھ) ۸۶

☆ قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی تصانیف ۸۷

☆ تصانیف کا تعارف ۹۰

☆ تفسیر مظہری ۹۰

☆ تفسیر پنج آیات: صوفیانہ انداز میں ۹۱

☆ رسالہ چہل حدیث ۹۷

toobaafoundation.com

☆ حدیث مصافحہ ومشابکہ واتخاذ سُبحہ ۱۰۲

☆ رُویۃ النبی، صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰۴

☆ رسالہ در عقائد ۱۰۸

☆ الفقہ فی المذاہب الاربعۃ ۱۱۰

☆ مالابدمنہ ۱۱۲

☆ حقیقۃ الاسلام ۱۱۳

☆ حکم سرود ومزامیر ۱۱۵

☆ حکم سماع ومسئلہ وحدت الوجود ۱۲۱

☆ مسائل ستی ۱۲۵

☆ رسالہ اخذ اُجرت برخواندن قرآن ۱۲۷

☆ فتویٰ در جواز تقلید ۱۲۸

☆ فتویٰ در بارۂ ایامِ عاشورہ ۱۲۸

☆ ارشاد الطالبین ۱۲۸

☆ الفوائد السبعہ ۱۳۱

☆ کیفیت مراقبہ ۱۳۴

☆ تذکرۃ العلوم والمعارف ۱۳۷

☆ جواب شبہات بر کلام حضرت مجدد الف ثانی ۱۳۹

☆ احقاق الحق: رد اعتراضات عبدالحق بر کلام مجدد الف ثانی ۱۴۰

☆ کتاب در وعظ ونصیحت ۱۴۲

☆ شرح حزب البحر ۱۴۳

☆ تلخیص وتشریح کتاب النجات عن طریق الغوات ۱۴۴

☆ السیف المسلول ۱۴۵

☆ رسالہ رد روافض ۱۴۷

toobaafoundation.com

☆	الشہاب الثاقب بطرد الشیطان المارد	۱۵۰
☆	حرمتِ متعہ	۱۵۱
☆	تقدیس آباء النبی، صلی اللہ علیہ وسلم	۱۵۳
☆	اللباب ہدیۃ للاصحاب	۱۵۵
☆	خُجستہ گفتار فی مناقب انصار	۱۵۸
☆	قصہ امام احمد بن حنبل وغیرہ	۱۶۰
☆	تذکرۃ الموتیٰ والقبور	۱۶۱
☆	تذکرۃ المعاد	۱۶۲
☆	التعلیقات المقالۃ الوضیہ فی النصیحۃ والوصیۃ	۱۶۳
☆	وصیت نامہ	۱۶۵
☆	مکاتیب در تصوف	۱۶۶
☆	مکاتیب متفرقہ	۱۶۷
☆	خطبات جمعہ	۱۶۷
	تفسیر مظہری کا تعارف	۱۶۸
☆	زمانہ تالیف	۱۶۸
☆	تفسیر مظہری کے مآخذ	۱۷۳
☆	تفسیر مظہری کی خصوصیات	۱۷۴
☆	علم تجوید اور اختلاف قرأت	۱۷۵
☆	صرفی ونحوی مباحث	۱۷۹
☆	لغوی مباحث	۱۸۱
☆	حروف مقطعات کی بحث	۱۸۵
☆	فقہی مسائل کا استنباط	۱۹۲
☆	نذر کے واجب ہونے کی شرطیں	۱۹۴

toobaafoundation.com

☆ نذر کو غیر ضروری چیز کے ساتھ مشروط کرنے کا مسئلہ ۱۹۵

☆ نذر کی قضا کا مسئلہ ۱۹۶

☆ گناہ کی نذر کا مسئلہ ۱۹۸

☆ نذر معلق بالشرط کا مسئلہ ۲۰۰

☆ تکلیف مالا یطاق کی نذر کا مسئلہ ۲۰۱

☆ تہجد کی نماز سنت یا نفل ہونے کا مسئلہ ۲۰۲

☆ مقدار قرأت کا مسئلہ ۲۰۳

☆ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ ۲۰۴

☆ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ ۲۰۷

☆ ہر رکعت میں قرأت کا مسئلہ ۲۱۰

☆ تفسیر مظہری میں تصوف کا عنصر ۲۱۱

☆ صوفیاء کا طریقہ اختیار کرنے کا لزوم ۲۱۲

☆ مدارج سلوک کی ترتیب ۲۱۳

☆ مدارج فنائیت ۲۱۴

☆ عمل صالح کے لیے فنائے نفس ۲۱۵

☆ فنائے قلب ۲۱۶

☆ فنائے قلب کے لیے شیخ کی وساطت ۲۱۷

☆ مراتبِ محبت ۲۱۷

☆ نفس کی ماہیت و حالت ۲۱۸

☆ تفسیر مظہری کا تنقیدی پہلو ۲۲۰

☆ تفسیر مظہری کے طباعتی مراحل ۲۲۳

☆ تفسیر مظہری کی مجلداتی تقسیم ۲۲۶

حواشی ۲۲۷

مطالعات ۲۴۹

toobaafoundation.com

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم

اسلامی تعلیمات کی جیتی جاگتی تصویر امتِ محمدیہ کے علمائے حق ہیں۔ یہ علمائے کرام نام ونمود اور شہرت کے دلدادہ نہیں ہوتے۔ وہ تو کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرِ سَبِیْل کی عملی تفسیر ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی کا مقصد، دین کی خاموش خدمت کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ لاتعداد علماء اور بزرگان دین ایسے گزرے ہیں جن کی خدمات سے دنیا والے نا آشنا ہیں۔ جب کہ ان کا علمی مقام مشہور ومعروف ہستیوں سے کہیں زیادہ ہے۔ اسی طرح کی ایک شخصیت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی ہے جو خاموش علمی خدمت کے قائل تھے۔ نظام حکومت سے منسلک ہونے کے باوجود، اعیانِ حکومت، امراء اور رؤسا سے بے نیاز رہتے تھے۔ ان کو شہرت کے مواقع میسر تھے لیکن انھوں نے ہمیشہ دنیا کو نقش برحباب سمجھا۔ علمی دنیا ان سے صرف ''مالابدمنہ''[1] کی حد تک آشنا ہے یا پھر اب ''تفسیر مظہری''[2] کی طباعت کے بعد، ایک مخصوص حلقہ ان سے واقف ہوگیا ہے۔ قاضی صاحب پر اب تک کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔ شاہ غلام علی (۱۲۴۰ھ)[3] اور شاہ نعیم اللہ بہرائچی (۱۲۱۸ھ)[4] نے مرزا مظہر جانجاناں (۱۱۹۵ھ)[5] پر جو کتابیں لکھی ہیں، ان میں مرزا صاحب کے خلفاء کے ذکر میں قاضی صاحب کا مختصر سا تذکرہ ہے۔ اسی کو تمام تذکرہ نویسوں نے نقل کیا ہے۔ لیکن قاضی صاحب کے مفصل حالات یکجا طور پر کہیں نہیں ملتے ہیں۔ میں نے قاضی صاحب سے متعلق معلومات جمع کرنی شروع کیں اور کافی مواد اکٹھا ہوگیا۔ جس میں سے انتخاب کرکے یہ کتاب تیار کی گئی ہے۔ اس

toobaafoundation.com

کتاب کو حرف آخر تو نہیں کہا جا سکتا۔ اکمل الکلام کلام اللہ۔ نہ جانے کتنی چیزیں ایسی ہوں گی جن کا مجھے علم نہ ہو سکا ہوگا۔ علمی دنیا میں کوئی چیز مکمل نہیں ہوتی۔ تاہم اس کتاب میں قاضی صاحب سے متعلق خاصی معلومات جمع کر دی گئی ہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی، جمادی الثانی ۱۱۳۸ھ مطابق جنوری ۱۷۲۶ء کو پانی پت میں پیدا ہوئے اور یکم رجب ۱۲۲۵ھ مطابق ۲ راگست ۱۸۱۰ء کو وہیں انتقال ہوا۔

قاضی صاحب کا وطن پانی پت ہے جو پنجاب کی تین تقسیموں[۶] کے بعد اب صوبۂ ہریانہ میں ہے۔ قاضی صاحب کے عہد میں وہ پنجاب میں شامل تھا اور ضلع کی حیثیت رکھتا تھا، لیکن برطانوی حکمرانوں نے ۱۸۶۶ء میں کرنال کو ضلع بنا دیا اور پانی پت کو اس کی تحصیل[۷] چوں کہ انگریزوں نے مسلمانوں سے ہندوستان کی حکومت چھینی تھی اور پانی پت نہ صرف مسلمانوں کا مرکز بلکہ سلطنت دہلی کا تاج بخش مقام رہا ہے۔ اس لیے اس شہر کی اہمیت کو کم کرنا، نئی انگریزی حکومت نے ضروری سمجھا۔ چنانچہ دس سال کے مختصر سے عرصہ میں انگریزوں نے پانی پت کی جو حالت بنا دی تھی اس کا نقشہ ''جغرافیہ پنجاب'' کے مرتب نے ۱۸۷۶ء میں اس طرح پیش کیا ہے:

> ''زمانہ سابق میں اس قصبہ میں بڑے بڑے عالم، فاضل عربی زبان کے تھے اور بڑے بڑے کتب خانے اور اپنی تصانیف چھوڑ گئے۔ ان کے بعد کوئی شخص ایسا لئیق ان کا جانشین نہ ہوا اور نہ کسی نے شوق علم کی تحصیل کا کیا اور اب تو بالکل صفائی ہوگئی''[۸]

بہر حال قاضی صاحب کے زمانے میں پانی پت ضلع تھا۔ وہیں کچہری بھی ہوا کرتی تھی اور قاضی صاحب اسی شہر میں جج کے فرائض انجام دیا کرتے تھے[۹]

پانی پت نقشہ میں 76'59E طول البلد اور 29'24N عرض البلد پر واقع ہے۔ دہلی سے انبالہ جاتے ہوئے نواسی (۸۹) کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس شہر کو ہندوستان کے مشہور سپہ سالار، ارجن نے بسایا تھا[۱۰] یہ شہر اپنی ایک خاص تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ کورو اور پانڈو کی مشہور لڑائی اسی شہر کے

toobaafoundation.com

قریب ہوئی تھی۔[۱۱] بہت سے ہندو راجاؤں نے یہاں زور آزمائی کی۔ ''مہابھارت'' میں دو جگہ اس کا ذکر ہے۔[۱۲] ایک موقع پر یدھشٹر نے دریودھن سے، امن کی قیمت کے طور پر جو پانچ مقامات طلب کیے تھے ان میں سے ایک پانی پت بھی تھا۔[۱۳] ۱۱۹۱ء میں پرتھوی راج اور شہاب الدین غوری کی مشہور فیصلہ کن جنگ بھی پانی پت کے میدان میں ہوئی تھی جس نے ہندوستان میں ہندوؤں کی حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا۔[۱۴] قاضی صاحب کی عمر ابھی تیرہ برس کی تھی کہ پانی پت میں معرکہ نادری برپا ہوا۔ ۱۱۵۱ھ مطابق ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ اور محمد شاہ کے درمیان اسی پانی پت کے میدان میں جنگ ہوئی۔[۱۵]

نادر شاہ کے واپس جانے اور محمد شاہ کے مرنے کے بعد دہلی کے تخت پر احمد شاہ بیٹھا تو پونا دربار کے پیشوا نے اپنے بیٹے بسواس راؤ اور اپنے چچازاد بھائی سداشیو بھاؤ کو تین لاکھ فوج دے کر روانہ کیا کہ دہلی کی اسلامی سلطنت مٹا دی جائے اور افغانستان کی سرحد تک ہندوستانی مسلمانوں کو نکال کر پہنچا دیا جائے۔ ادھر یہ مرہٹہ بھونچال روانہ ہوا، ادھر مسلمانوں کی سب طاقتیں جمع ہونا شروع ہوئیں۔ بالآخر ۱۷۶۱ء میں اسی پانی پت کے میدان میں معرکہ کارزار شروع ہوا اور ایسی ہولناک خوں ریزی ہوئی کہ جس کی مثال پچھلی کسی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔[۱۶] اس وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنے وطن پانی پت میں منصب قضا پر فائز تھے۔ ممکن ہے قاضی صاحب منصب قضاء پر فائز ہونے کی وجہ سے مرہٹوں کی تباہ کاریوں سے بچ گئے ہوں، لیکن ان کے اعزاء و اقرباء نہ بچ سکے۔ قاضی صاحب کے ماموں، شاکر خاں ولد نواب لطف اللہ خاں صادق، جو اس جنگ کے دوران پانی پت میں موجود تھے، انھوں نے اس جنگ کا اور پانی پت کی تباہی کا تذکرہ لکھا ہے جس میں وہ اپنی آپ بیتی لکھتے ہیں:

> ''مرہٹوں نے پانی پت کے چاروں طرف جتنے پھل دار اور عمارتی لکڑی والے درخت تھے سب کاٹ ڈالے تھے۔ ہمارے سات باغات جو دو دو سو تین تین سو بیگھے کے تھے اور پھلوں، پھولوں سے

toobaafoundation.com

50936
1071.063
0002935

> لدے ہوئے تھے، سب تباہ کر دیئے اور اس کی لکڑیوں سے مورچے اور دم دمے بنا لیے۔ اپنی ایندھن کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے انھوں نے مکانات تباہ و برباد کر دیئے اور ان کے دروازے، شہتیر اور تختے سب جلا ڈالے۔ بزرگوں کے مقبروں سے سنگ مرمر نکال کر آگ کے بڑے بڑے الاؤ میں تپا کر چونا بنالیا جس سے اپنی بندوقوں کے لیے چقماقی کٹوریاں تیار کیں۔ توپوں کے گولوں سے ہمارے شہر کے مکانات مسمار کر دیئے، ہم کو جبریہ ہمارے مکانات سے نکال دیا۔ شہر کے مختلف مقامات پر پتھروں اور اینٹوں کے انبار لگا دیئے۔ ان ملعون کتوں کی آمد کے بعد شریف لوگوں نے قلعہ میں پناہ لی جو کبھی مغل گورنروں کی قیام گاہ تھی اور اب اس کی صرف ایک سرائے کی حیثیت رہ گئی تھی، جس میں صرف ایک کمرہ نیچے اور ایک کمرہ اوپر تھا۔ اس چھوٹی سی جگہ میں کھانے، سونے، بیت الخلاء اور دیگر حوائج ضروریہ کی تکالیف کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے''۔[17]

مرہٹوں کی ہار کے بعد نادر شاہ نے قتل عام شروع کر دیا۔ جب یہ خبر پھیلی کہ یہ سلسلہ قاضی صاحب کے محلّہ تک پہنچ گیا ہے تو محلے کے لوگ ہتھیار لے کر باہر نکل آئے اور سب نے مل کر طے کیا کہ کچھ بھی ہو ہم لوگ قاضی صاحب کے ساتھ رہیں گے چاہے مارے ہی کیوں نہ جائیں۔ لیکن خدا کے فضل و کرم سے ایسے پُر آشوب وقت میں قاضی صاحب مامون و محفوظ رہے اور ان کے مکان تک قتل و غارت کی نوبت نہ آئی۔[18]

ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ تاریخ نے پانی پت کو سلطنت دہلی کا تاج بخش مقام، راجاؤں کی زور آزمائی کا مرکز اور شاہی جنگوں کی آماجگاہ کی حیثیت سے شہرت دی ہے۔ اور تاریخ نے پانی پت کے اس پہلو کو نظر انداز کر دیا جس کا تعلق اخلاقیات

toobaafoundation.com

اور روحانیات سے تھا جب کہ ہندوستان کے مذہبی مزاج کے لحاظ سے اس کا تذکرہ نہایت ضروری تھا۔ صوفیاء اور علماء چوں کہ شہرت کے دلدادہ نہیں ہوتے اس لیے انھوں نے اپنے آپ کو پردۂ خفا ہی میں رکھنا مناسب سمجھا۔ اسی وجہ سے ان کے علوم ومعرفت کے چرچے عام نہ ہو سکے۔ البتہ بعض عقیدت مندوں نے اپنی والہانہ محبت کی بنا پر ان بزرگوں کے کمالات کا بیان اس مبالغہ آرائی سے کیا ہے کہ حقیقت اسی میں گم ہو کر رہ گئی۔

پانی پت نے بکثرت اولیاء، علماء اور بزرگان دین پیدا کیے ہیں۔ بوعلی شاہ قلندر (متوفی ۷۲۴ھ)، شمس الدین ترک پانی پتی (متوفی ۷۱۵ھ)، شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء (متوفی ۷۶۵ھ) جیسی برگزیدہ ہستیاں اسی پانی پت کے درخشاں ستارے ہیں۔ قاضی صاحب کے زمانے میں نہ صرف ان بزرگوں بلکہ ان کے بعد کے بہت سے بزرگوں کی درگاہیں مرجع خلائق بنی ہوئی تھیں۔

سرزمین پانی پت بڑی مردم خیز رہی ہے۔ بڑے بڑے علماء وفضلاء اور مشائخ اس شہر میں پیدا ہوئے ہیں۔ یہاں اسلامی علوم وفنون کے زبردست چرچے رہے ہیں۔ یہاں قال اللہ وقال الرسول کی گونج سنائی دیتی رہی ہے۔ شمالی ہند میں دہلی کے علاوہ اگر کہیں تشنگانِ علم کو سیرابی ہو پاتی تھی تو وہ مقام پانی پت ہی تھا۔ فن تجوید میں تو پانی پت، دہلی پر بھی سبقت لے گیا تھا۔ خود قاضی ثناء اللہ پانی پتی تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ''در سلسلہ آباء فقیر تعلیم وتعلم علوم ظاہر بیشتر ماندہ۔ مشہور است کہ حضرت مخدوم جلال الدین، قدس سرہ، پسر خود خواجہ ابراہیم گفتہ بودند کہ در نسلِ تو ہمیشہ علماء خواہند بود۔ ببرکت قولِ ایشاں بفضل الٰہی علم ظاہر در نسلِ ایشاں تا الیوم منقطع نشدہ''[۱۹]

قاضی صاحب کی حویلی کے سامنے مسجد میں ایک شاندار مدرسہ تھا۔ جس میں علوم عقلیہ ونقلیہ کی اعلیٰ تعلیم ہوتی تھی اور روحانی تربیت بھی۔ دور دراز سے

toobaafoundation.com

طلبا آ کر علوم ظاہری و باطنی حاصل کرتے تھے۔

قاضی صاحب اور ان کے آباء واجداد نے اسی مدرسہ میں تعلیم بھی حاصل کی اور معلّمی کے فرائض بھی انجام دیئے۔

یہ سلسلہ قاضی صاحب کی اولاد میں بھی باقی رہا۔ علاوہ ازیں تقسیم ہند تک پانی پت نے نہ جانے کتنے علماء، فضلا اور قراء پیدا کیے ہیں۔ شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالؔی اور قاری عبدالرحمٰن پانی پتی جیسی نا قابلِ فراموش شخصیتیں اسی پانی پت کی پیداوار ہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی، شہر پانی پت کے قاضی ہونے کے اعتبار سے نظام حکومت سے منسلک تھے۔ ملک میں افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ مغلیہ حکومت کمزور ہو چکی تھی۔ شاہان مغلیہ عیش وطرب میں مشغول تھے۔ ایرانی اور تورانی امراء میں رسہ کشی ہو رہی تھی۔ شیعوں نے اقتدار پر خاصا قبضہ جما رکھا تھا۔ سکھ اور مرہٹے طوفان برپا کیے ہوئے تھے۔ روہیلے، شاہانِ مغلیہ کی طاقت برقرار رکھنے کے لیے تن من دھن سے لگے ہوئے تھے۔ پانی پت پر سکھوں کے تسلط کا روہیلوں نے ہی صفایا کیا تھا۔

قاضی صاحب کی حیات میں پانچ بادشاہ سریر آرائے سلطنتِ ہند ہوئے:

۱۔	محمد شاہ رنگیلا	:	۱۱۳۱۔۱۱۶۱ھ = ۱۷۱۹۔۱۷۴۸ء
۲۔	احمد شاہ	:	۱۱۶۱۔۱۱۶۷ھ = ۱۷۴۸۔۱۷۵۴ء
۳۔	عالمگیر ثانی	:	۱۱۶۷۔۱۱۷۳ھ = ۱۷۵۴۔۱۷۵۹ء
۴۔	شاہ عالم ثانی	:	۱۱۷۳۔۱۲۲۱ھ = ۱۷۵۹۔۱۸۰۶ء
۵۔	اکبر شاہ ثانی	:	۱۲۲۱۔۱۲۵۳ھ = ۱۸۰۶۔۱۸۳۷ء

ان تمام بادشاہوں کا شیوہ عیش پرستی اور کاہلی تھا۔ ایرانی امراء نے مزید تعاون کر کے اپنا اقتدار بڑھایا۔ اور تورانی امراء کی طرف سے بدگمان کر دیا۔ شاہ عالم کے دور میں مرہٹوں کا تسلط ہو گیا۔ بادشاہ نے خفیہ طور پر انگریزوں سے مدد طلب کی۔ انگریزوں اور مرہٹوں کے درمیان متعدد لڑائیاں ہوئیں۔ آخر کار ۱۲۱۸ھ میں حکومت

toobaafoundation.com

انگریزوں کے ہاتھ میں آ گئی۔

حالات سے متاثر ہو کر قاضی صاحب نے اپنے عہدے سے دست بردار ہونے کا ارادہ کیا لیکن ان کے پیر و مرشد، مرزا مظہر جانجاناں نے ان کو اس ارادہ سے روکا اور منع کیا کہ اگر تم نے استعفیٰ دیا تو تم جیسے ماہ شریعت کے فیضانِ نور اور آفتاب طریقت کی ضیا پاشیوں سے یہ لوگ، جو خواہشات و بدعات کے بحرِ ظلمات میں مستغرق ہیں، محروم ہو جائیں گے۔[۲۰]

شیعی عقائد کو ہندوستان میں کافی فروغ ہو چکا تھا اور مذہبی سہولتوں سے متاثر ہو کر سنّی مسلمان شیعیت اختیار کرنے لگے تھے۔ قاضی صاحب نے رد شیعیت پر چار کتابیں لکھیں: السیف المسلول، الشہاب الثاقب، رد روافض اور حرمتِ متعہ، قاضی صاحب کے علاوہ اس زمانہ میں رد شیعیت پر اور بھی متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ شیخ کلیم اللہ شاہجہاں آبادی، شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز نے بھی اس موضوع پر لکھا۔

سرکاری عہدے پر فائز ہونے کے اعتبار سے قاضی صاحب کا تعلق اعیان حکومت، انتظامی امور اور عوام سب سے تھا۔ معاشرے کی حالت سے پوری طرح واقفیت تھی جو انتہائی زوال پذیر تھا۔

مسلمانوں کی مذہبی اور اخلاقی قدریں اپنے انحطاط کی انتہا کو پہنچ گئی تھیں۔[۲۱] توہمات اور بدعات نے توحیدِ خالص کا تصور مسخ کر دیا تھا۔ جادو، ٹونے، تعویذ، گنڈے اور عملیات پر کامل اعتقاد تھا۔ قرآن کی تعلیمات کی خلاف ورزی کی جاتی۔ مزارات سے مرادیں طلب کی جاتی تھیں۔ فحاشی کا بازار گرم تھا۔ بدترین افعال کھلے بندوں عمل میں آتے تھے۔[۲۲] محمد شاہ کے دربار میں مذہب پر مضحکہ خیز نکتہ چینیاں ہوتی تھیں۔ شراب کے نشہ میں احادیث پر قہقہے اڑائے جاتے تھے۔ مذہبی نقلیں ہوتی تھیں جن میں اللہ اور رسول کی توہین کی جاتی تھی۔[۲۳] شاہی قلعہ تو عیش گاہ بنا ہوا تھا ہی، امراء کے محلات بھی عیاشی کے مراکز بنے ہوئے تھے۔ اس پر طرہ یہ کہ لوگ امرد پرستی میں بھی مبتلا ہو گئے تھے۔[۲۴] شراب نوشی اور بدکاری ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ تمام ذہنی

toobaafoundation.com

صلاحیتیں کھانوں، عورتوں اور کپڑوں پر صرف کرتے تھے۔[۲۵]

تصوف کی آڑ لے کر بے شمار نام نہاد اور دنیادار صوفیوں نے کشف وکرامات کو روزی کمانے کا ذریعہ بنا رکھا تھا اور طرح طرح سے لوگوں کو اپنے جال میں پھنسا کر خوب لوٹتے تھے۔[۲۶]

اور بعض بعض تو اس بہانے خوب عیاشی کرتے۔[۲۷] ہر ایک اپنے آپ کو قوم کا مذہبی رہنما سمجھتا تھا۔ شاہ ولی اللہ نے ایسے لوگوں سے بچنے کی ہدایت کی۔[۲۸] قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے بھی ہر کس وناکس کے ہاتھ میں ہاتھ دینے سے منع کیا ہے اور بیعت سے پہلے یہ دیکھنے کی ہدایت کی ہے کہ آیا شیخ، شریعتِ مستقیم اور کتاب وسنت پر عمل پیرا ہے یا نہیں۔[۲۹]

علماء بھی صوفیا سے دو ہاتھ آگے تھے۔ انھوں نے اسلامی تعلیمات کو تو فراموش کر دیا تھا اور دولت کے حصول کو زندگی کا مقصد بنا رکھا تھا۔ رشوت خوری میں انھیں کوئی عار نہ تھا۔ اس زمانہ کے قاضی مختلف انداز سے نذرانے وصول کرتے اور رشوت لے لے کر فیصلے کرتے یہاں تک کہ صدر الصدور بھی اس میں ملوث تھا۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

> ''اگر کسے نزد صدر الصدور می رود، صدر الصدور را نہ ملاحظہ دستور العمل است، نہ ملاحظہ اجازت بادشاہ، نہ دریافت استحقاق۔ ہر کس کہ رود، دو روپیہ می دہد اورا نوشتہ می دہد۔ اگر طرف ثانی می رود از وہم دو روپیہ گرفتہ نوشتہ می دہد۔ نوشتہ اورا چہ اعتبار''۔[۳۰]

علماء نے اشاعت دین کو چھوڑ کر لوگوں کو غیر ضروری باتوں میں مشغول کر کے اپنا اقتدار جما رکھا تھا۔ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

> "فلم تظهروا الشعائر وامرتم الناس ان يشغلوا بالزوائد"
>
> (ترجمہ: تم نے دینی شعائر تو پھیلائے نہیں اور لوگوں کو ضرورت

toobaafoundation.com

سے زائد باتوں میں مشغول کر دیا"۔[۳۱]

یہی حال تعلیم کا تھا۔ انھوں نے طلبا کو منطق و فلسفہ کی موشگافیوں میں الجھا رکھا تھا۔

"واما مااشتغلتم به ومايغتم به فليس من علوم الآخرة انما هي من علوم الدنيا"۔

(ترجمہ: یعنی وہ علوم جن کی تعلیم میں تم مشغول ہو اور جو تمہارے دل و دماغ پر چھائے ہوئے ہیں وہ آخرت میں کوئی فائدہ پہنچانے والے علوم نہیں ہیں بلکہ یہ تو صرف دنیوی علوم ہیں)۔[۳۲]

عوام اپنے آقاؤں کی نقل کیا کرتے تھے۔ چنانچہ بادشاہوں اور امراء کی بے راہ رویوں کا اثر عوام پر بھی ہوا۔ قلعہ معلیٰ اور امراء کی حویلیوں میں رقص و سرود، عیش و عشرت، بدکاریوں اور بداخلاقیوں کے مہلک جراثیم عوام کے جھونپڑوں تک میں اپنا کام کرتے تھے عوام اپنی حیثیت کے مطابق، نشہ بازی، بدکاری اور سطحی قسم کے لہولعب میں مشغول رہتے تھے۔ طوائفوں کے چکلے اور شراب کی بھٹیاں خوب آباد تھیں۔[۳۳]

مذہبی نقطۂ نظر سے عوام کے ذہن پر بدعات اور توہمات کا ایسا غلاف چڑھا ہوا تھا کہ وہ حق و باطل کی تمیز ہی نہیں کر پاتے تھے۔ ہندوانی رسومات مسلمانوں میں اس طرح داخل ہوگئی تھیں کہ مسلمان ان کی ادائیگی بھی اپنا مذہبی فریضہ خیال کرتے تھے۔[۳۴] اسلام کی اصلی صورت مسخ ہو چکی تھی اور مسلمان ہندوستانی ماحول مین رنگ کر رہ گئے تھے۔ شاہ ولی اللہ عام مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اے بنی آدم! تمہارے اخلاق خوابیدہ ہیں۔ حرص و آز تم پر غالب ہے۔ شیطان کے پنجہ میں گرفتار ہو۔ مرد عورتوں کا حق مار رہے ہیں۔ تم نے حرام کو مزیدار اور حلال کو بدمزہ بنا رکھا ہے..... تم اپنی خواہشات کو نکاح کے ذریعہ پوری کیا کرو چاہے کئی شادیاں کرنی پڑیں..... اے بنی آدم! تم نے ایسے رسوماتِ فاسدہ اختیار کر رکھے ہیں جن سے دین کی صورت بدل گئی ہے۔ تم یوم عاشورہ پر جمع ہو کر

toobaafoundation.com

بے کار کام کرتے ہو۔ شب برات کے روز کھیل کود کے لیے جمع ہوتے ہو..... رسومات نے تمہاری زندگی تنگ کر رکھی ہے۔ تقریبات میں افراط سے کام لیتے ہو..... نمازیں تم ضائع کرتے ہو۔ دنیا کمانے کے دھندوں میں تم کو نماز کا وقت نہیں ملتا۔ دراصل تم کو اللہ کا خوف نہیں ہے۔ کہانی قصوں میں اپنا وقت گنواتے رہتے ہو..... تمہارے طور طریقے غلط ہیں..... یہ تمام باتیں لوگوں کے عقل و تدبر کی خرابی کی وجہ سے ہیں''۔[۳۵]

ملک میں جو سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی ابتری پھیلی اس سے کون متاثر نہ ہوتا۔ قاضی صاحب نہ صرف معاشرے کے ایک فرد تھے بلکہ نظام حکومت سے بھی منسلک تھے۔ اس ہنگامی دور میں انھوں نے اپنے فرائض منصبی انتہائی دیانت دارانہ طور پر انجام دیئے۔ اور اصلاح خاص و عام کے لیے قلمی جہاد بھی جاری رکھا۔ مختلف دینی موضوعات پر قلم اٹھایا اور اعلیٰ درجہ کے مثالی کارنامے پیش کیے۔ مرزا مظہر جانجاناں نے 'علم الہدیٰ' اور شاہ عبدالعزیز نے 'بیہقی وقت' کہہ کر پکارا۔ معاصرین میں تقویٰ و دیانت کا مجسمہ اور شریعت و طریقت کا نور کہلائے۔

قاضی صاحب کی بیشتر تصانیف دہلی میں شاہ زید ابوالحسن صاحب کے پاس ملیں۔ انھوں نے از راہ کرم وہ مخطوطات نہ صرف مطالعہ کے لیے دیئے بلکہ ان کی نقل کرنے یا فوٹو کرانے کی اجازت بھی دے دی۔ ایک مخطوطہ دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں ملا ایک مخطوطہ اور چند مکتوبات بہرائچ میں ملے لیکن نہ تو ان کو نقل کرنے کی اجازت ملی نہ فوٹو اسٹیٹ کرانے کی۔ اتفاقاً اسی مخطوطہ کی ایک نقل جو قاضی صاحب کی حیات ہی میں کی گئی تھی، خدا بخش لائبریری پٹنہ میں مل گئی۔ حیدرآباد میں جامعہ نظامیہ کے کتب خانہ میں ایک فائل ملا جس سے تفسیر مظہری کی طباعت کے سلسلہ میں کافی معلومات دستیاب ہوئیں۔

اس کتاب میں زبان سادہ اور عام فہم استعمال کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

toobaafoundation.com

خیالات کا تسلسل باقی رکھنے اور عبارت میں ربط قائم رکھنے کا بھی حتی المقدور اہتمام کیا گیا ہے۔

رضوان الدین خاں
۱۵/مارچ ۱۹۸۵ء

چھبیس سال بعد اس کتاب کے چھپنے کی نوبت آئی ہے۔ حجم کم کرنے کی خاطر مسودہ میں ایک تہائی کی کمی کردی گئی ہے۔ کتاب کی اشاعت میں جن لوگوں نے ہمت افزائی کی ہے، ان سب کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ خصوصاً جناب ایل. کے. ہمدم اور جناب این. آر. فاروقی صاحب جن کی نگرانی میں یہ حسن طبع سے آراستہ ہوئی۔

مولوی محمد انصر القاسمی صاحب نے صحت کے ساتھ کمپوزنگ میں جو سعیٔ بلیغ کی ہے وہ قابل صد ستائش ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ ۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ

رضوان الدین خاں
یکم رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ
۲/اگست ۲۰۱۱ء

toobaafoundation.com

قاضی صاحب کے حالات زندگی

جس طرح انسان کی زندگی کائنات کا سب سے پوشیدہ راز ہے، اسی طرح انسانی شخصیت کو سمجھنا اور کسی کے حالات زندگی پر حق وصداقت کا دعویٰ کرنا دشوار ہے۔ ظاہر بین نگاہ، مشاہدات کی بنا پر حقانیت کا اعلان نہیں کر پاتی۔ حتی کہ خود نوشت سوانح نگار کا بھی، شعوری یا غیر شعوری طور پر، قبائح کی پردہ پوشی کرنا بعید از قیاس نہیں اور محاسن کو انکساری کے طور پر نظر انداز کر جانا عین ممکن ہے۔ تاہم قاضی صاحب کی تحریروں اور ان کے تذکرہ نویسوں کے بیانات سے جو کچھ مستنبط ہوتا ہے اس کو یکجا کر کے ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

شجرہ:

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا سلسلۂ نسب حضرت عثمان غنیؓ تک پہنچتا ہے اور عثمان غنیؓ کا نسب نامہ سرکار دو عالم، صلی اللہ علیہ وسلم، سے ملتا ہے۔ یہ دونوں نسب نامے اس طرح ہیں:

۱۔ حضرت محمد مصطفیٰ، صلی اللہ علیہ وسلم، بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی۔[۳۶]

۲۔ حضرت عثمان غنیؓ بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی۔[۳۷]

قاضی صاحب کا شجرہ اس طرح ہے:

۱۔ حضرت عثمان غنیؓ ۲۔ خواجہ عمر عثمان

toobaafoundation.com

۳۔حسام الدین خواجہ عبداللہ الکبیر۔
۴۔علیم الدین خواجہ عبدالعزیز۔
۵۔علاء الدین خواجہ عبداللہ ثانی۔
۶۔رکن الدین خواجہ عبدالرحمٰن اکبر۔
۷۔قطب الدین خواجہ عزیز الکبیر۔
۸۔ضیاء الدین خواجہ ولید۔
۹۔فخر الدین خواجہ خالد۔
۱۰۔زین الدین خواجہ عبدالعزیز السرخسی۔
۱۱۔شہاب الدین خواجہ عبدالرحمٰن ثانی۔
۱۲۔نجم الدین خواجہ عبداللہ۔
۱۳۔شمس الدین خواجہ عثمان۔
۱۴۔صدر الدین خواجہ علی۔
۱۵۔خواجہ ابوبکر۔
۱۶۔بدر الدین۔
۱۷۔خواجہ محمد۔
۱۸۔خواجہ اسماعیل۔
۱۹۔خواجہ عیسیٰ۔
۲۰۔خواجہ یعقوب۔
۲۱۔خواجہ محمود۔
۲۲۔شیخ محمد جلال الدین کبیر الاولیاء۔
۲۳۔خواجہ ابراہیم۔
۲۴۔خواجہ احمد۔
۲۵۔شیخ خواجہ محفوظ۔
۲۶۔شیخ حبیب اللہ۔
۲۷۔شیخ مفتی عبدالسمیع۔
۲۸۔شیخ خلیل اللہ۔
۲۹۔شیخ عبدالقدوس۔
۳۰۔شیخ عبدالہادی۔
۳۱۔مولوی ہدایت اللہ۔
۳۲۔مولوی حبیب اللہ۔
۳۳۔مولوی محمد ثناء اللہ۔[۳۸]

شاہ ابوالحسن زید فاروقی نے قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے مختصر احوال میں ان کا جو نسب نامہ تحریر کیا ہے اس میں شیخ خواجہ محفوظ اور شیخ حبیب اللہ کے درمیان شیخ حسین عرف ہمنا کا نام بھی تحریر کیا ہے۔ نیز شاہ صاحب نے اپنے ایک مکتوب بنام عبدالحمید قریشی میں قاضی صاحب کا جو نسب نامہ تحریر کیا ہے اس میں بھی شیخ حسین عرف ہمنا کا نام موجود ہے۔ لیکن مولوی نعیم اللہ بہرائچی نے ''بشارات مظہریہ'' میں قاضی صاحب کا خود نوشت نسب نامہ جو نقل کیا ہے اس میں شیخ حسین عرف ہمنا کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

قاضی صاحب کے مورث اعلیٰ میں نمبر ۶ پر ذکر کیے گئے بزرگ، خواجہ

toobaafoundation.com

عبدالرحمٰن مدینہ منورہ سے ہجرت کر کے گازرون میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ بنی عباس نے بنی امیہ پر غلبہ حاصل کر لیا تھا۔ اور بغداد میں خلافت عباسیہ کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔ خواجہ عبدالرحمٰن بھی بنی امیہ کی مقتدر ہستیوں میں سے تھے۔ بنی امیہ کے باقی ماندہ افراد کی طرح یہ بھی ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے اور گازرون نامی قصبے میں جا کر آباد ہو گئے۔[۳۹]

گازرون نام کے دو قصبے ایک ایران میں اور دوسرا افغانستان میں آج بھی پائے جاتے ہیں، جنوبی ایران میں شیراز سے تقریباً ساٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک قصبہ گازرون ہے اور گازرون نام کا ایک چھوٹا سا قصبہ یا گاؤں افغانستان میں بھی پایا جاتا ہے۔[۴۰]

یہ معلوم نہ ہو سکا کہ خواجہ عبدالرحمٰن گازرونی کس گازرون سے تعلق رکھتے تھے۔ گازرون میں ان بزرگوں نے نہایت عزت و اقتدار کے ساتھ زندگی گزاری اور وہاں آنے سے پہلے بھی خلافت بنی امیہ کے دور میں یہ بزرگ صاحب منصب و اقتدار رہے تھے۔[۴۱]

شجرہ میں نمبر ۱۱ پر ذکر کیے گئے بزرگ شہاب الدین خواجہ عبدالرحمٰن ثانی، سلطان محمود غزنوی کی فوج میں قاضی لشکر کے عہدے پر فائز تھے۔ ۱۰۰۱ء میں سلطان محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان آئے اور یہیں رہنا پسند فرمایا۔ حکومت کی طرف سے ان کو پانی پت کا پورا علاقہ اور اس کے گرد و نواح میں بہت بڑی جاگیر عطا کی گئی۔ پانی پت کو انھوں نے اپنا مستقل وطن بنا لیا اور امیرانہ زندگی بسر کرنے لگے۔[۴۲] تا آنکہ آٹھ سو سالہ نشیب و فرازِ زمانہ کے بعد بھی قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی زندگی میں امارت و ثروت کے آثار پائے جاتے تھے۔

قاضی صاحب کے تقریباً تمام مورث اعلیٰ علم و عمل کا نمونہ تھے۔ اور علوم ظاہر و باطن میں کمال رکھتے تھے۔ دنیوی اعتبار سے قاضی صاحب کے تمام مورث اعلیٰ صاحب جاہ و ثروت رہے ہیں۔ علمی اور عملی اعتبار سے ان کو دو گروہوں میں تقسیم

toobaafoundation.com

کیا جا سکتا ہے۔ پہلے گروہ کے لوگ جن کا زمانہ مغلیہ دور حکومت سے پہلے کا ہے، ان میں زیادہ تر صوفی اور زاہد و عابد بزرگ ہوئے ہیں، جن کا مسلک فقر و توکل اور آداب شریعت و طریقت کی مکمل پابندی رہا ہے۔ اسی وجہ سے شاہانِ وقت اور اعیانِ حکومت بھی ان کے ارادتمند رہے۔ اطراف و اکناف کے معززین ان کے ساتھ رشتہ داریاں قائم کرنے کو باعث افتخار سمجھتے تھے۔ دوسرے گروہ کے لوگ جن کا زمانہ مغلیہ دور حکومت کا ہے، ان میں بڑے بڑے علماء، فقہاء، قضاء اور مفتی پیدا ہوئے۔ جن میں مفتی عبدالسمیع سے لے کر قاضی ثناء اللہ پانی پتی تک اپنے اپنے زمانہ کے مشہور و معروف افراد گزرے ہیں۔[۴۳]

والدین:

قاضی صاحب کے والد کا نام مولوی حبیب اللہ تھا۔ ان کا شمار پانی پت کے رئیسوں میں ہوتا تھا۔ وہ علوم ظاہر و باطن میں یگانہ روزگار تھے۔ عالم باعمل اور صوفی منش تھے۔ وہ شیخ محمد عابد سنامی (۱۱۶۰ھ) کے مرید تھے۔ شیخ نے اپنے پیر شیخ عبدالاحد کی اجازت کے بعد سب سے پہلے جس شخص پر توجہ دی تھی وہ مولوی حبیب اللہ ہی تھے، جنھوں نے شیخ کی خدمت میں رہ کر نسبت مجددیہ حاصل کی تھی۔ شیخ سنامی نے مولوی حبیب اللہ کے والد، مولوی ہدایت اللہ (قاضی صاحب کے جد امجد) سے علوم ظاہری حاصل کیے تھے۔ مولوی ہدایت اللہ نے خاندان عبدالقدوس گنگوہی سے نسبت چشتیہ حاصل کی تھی۔[۴۴]

مولوی حبیب اللہ پانی پت میں قاضی تھے اور ان کے والد مولوی ہدایت اللہ کو بھی حکومت نے قضاۃ کے عہدے پر مامور کیا تھا۔ خود قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنے وصیت نامے کی نوع دیگر میں لکھتے ہیں:

"فقیر و برادرِ فقیر و پدرِ فقیر و جدِ فقیر بخدمت قضاء مبتلا شدند"۔[۴۵]

مولوی حبیب اللہ کا انتقال غالباً شیخ سنامی کی حیات ہی میں ہو گیا تھا جس

toobaafoundation.com

کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ قاضی صاحب تعلیم سے فارغ ہو کر شیخ محمد عابد سنامی سے بیعت ہوئے تھے۔ شیخ صاحب آخر عمر میں جب پانی پت گئے تھے تو فرمایا تھا کہ:

''عمر آخر است، فقیر این بار تخصیص برائے ادائے حقوق شما ہر دو برادران، یعنی مولوی فضل اللہ و مولوی ثناء اللہ، کہ بنظر صاحبزادگی بذمہ ما فقیر واجب الادا است آمدہ ام''۔[۴۶]

اس میں قاضی صاحب کے والد کا کہیں ذکر نہیں ہے جب کہ وہ بھی شیخ سنامی سے بیعت تھے۔ شیخ محمد عابد سنامی کا انتقال ۱۸ رمضان المبارک ۱۱۶۰ھ کو ہوا تھا۔[۴۷] شیخ کے انتقال کے بعد قاضی صاحب مرزا مظہر جانجاناں سے بیعت ہوئے تھے۔ مرزا صاحب کے جتنے خطوط قاضی صاحب کے نام ملتے ہیں ان میں کہیں قاضی صاحب کے والد کا ذکر نہیں ہے، جب کہ قاضی صاحب کی والدہ کا ذکر بیشتر خطوط میں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی حبیب اللہ کا انتقال قاضی صاحب کی آغاز جوانی ہی میں ہو گیا تھا۔

قاضی صاحب کی والدہ کا نام بادشاہ بیگم تھا۔[۴۸] وہ نواب شمس الدولہ لطف اللہ خاں صادق کی بیٹی تھیں۔[۴۹] نواب لطف اللہ خاں صادق ولد عبدالرزاق، پانی پت کے انصاری شیخ زادوں میں سے تھے۔ اپنے زمانے کے مشہور عالم و فاضل اور امراء میں ان کا شمار ہوتا تھا اورنگ زیب کے زمانے میں وہ پیدا ہوئے تھے۔ وہ اعظم شاہ کے اتالیق بھی رہے تھے۔ مختلف اوقات میں وہ مختلف عہدوں پر مامور رہے۔ وہ ملتان کے صوبہ دار اور کابل کے ناظم بھی رہے۔ جہاندار شاہ کے عہد میں وہ معتوب ہوئے، یہاں تک کہ ان کا مکان بھی ضبط کر لیا گیا تھا۔ لیکن فرخ سیر کے زمانے میں نہ صرف بحالی ہوئی بلکہ دہلی کے منتظم اعلیٰ اور خالصہ (مرکز کے زیر اہتمام علاقہ) کے نگراں اعلیٰ مقرر ہوئے۔ محمد شاہ کے عہد میں قلعہ معلیٰ کا انتظام بھی ان کے سپرد ہوا اور 'شمس الدولہ متہور جنگ' کے خطاب کے ساتھ ساتھ شش ہزاری منصب بھی عطا ہوا۔ یعنی چھ ہزار سپاہی اپنی ذاتی فوج میں رکھنے کے مجاز ہوئے۔ نادر شاہ کی آمد کے بعد

toobaafoundation.com

نواب صاحب پھر مورد عتاب ہو گئے تھے مگر احمد شاہ کے عہد میں بحال ہو گئے اور خطاب میں لفظ 'صادق' کا اضافہ بھی ہوا۔ ممکن ہے یہ 'صدق' ہی عتاب کا سبب بن کر ان کو آزمائش میں ڈالا کرتا ہو۔ بہر کیف 'صادق' ہونے کے باوجود وہ دہلی کے قلعہ دار اور متواتر تین بادشاہوں کے دیوان رہے تھے۔ انھوں نے پانی پت کی زیبائش میں بہت دلچسپی لی تھی اور کافی دل کھول کر روپیہ خرچ کیا تھا۔ انھوں نے لاہوری دروازہ بنوایا اور بہت سی مسجدیں تعمیر کرائی تھیں۔

نواب لطف اللہ خاں کے والد عبدالرزاق، اورنگ زیب کی فوج میں کسی بڑے عہدے پر فائز تھے۔ عبدالرزاق، خواجہ ناصر کی بارھویں پشت میں تھے۔ خواجہ ناصر کی شادی شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء کی لڑکی 'فردوسیہ' سے ہوئی تھی۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، شیخ جلال الدین کی گیارھویں پشت میں تھے۔ خواجہ ناصر کے والد خواجہ ملک علی جو سلطان علاء الدین کے لشکر میں ہندوستان آکر پانی پت میں مقیم ہوئے تھے، خواجہ عبداللہ، پیر ہرات، کی اولاد میں تھے اور یہ سلسلہ نسب حضرت ایوب انصاری تک پہنچتا ہے۔ نواب لطف اللہ خاں صادق کے بڑے بھائی معین الدولہ دلیر دل عبداللہ خاں کو سہ ہزاری منصب ملا ہوا تھا۔ اور وہ کئی سال تک کابل کے ناظم بھی رہے۔ ان کے دوسرے بھائی، شیر افگن سرفراز خاں ذکریا، نادر شاہ کے حملہ کے وقت لاہور کے حاکم تھے۔ اور الہ آباد کی فوج داری کے عہدے پر بھی سرفراز رہے تھے اور تیسرے بھائی شکر اللہ خاں، بہادر شاہ کے عہد میں مالوے کے ناظم تھے، شش ہزاری منصب ملا ہوا تھا اور ڈھائی لاکھ روپے سالانہ تنخواہ ملتی تھی۔

نواب لطف اللہ خاں صادق کے سات لڑکے تھے۔ عنایت خاں، محمد فاخر خاں، شاکر خاں، ہدایت اللہ خاں، محمد ناصر الدین خاں، جمیل الدین اور محمد ابراہیم۔ بڑے لڑکے عنایت خاں کو محمد شاہ کے دربار میں بخشی اور نائب خانساماں کے عہدے ملے ہوئے تھے اور راسخ الاعتقاد کا خطاب ملا ہوا تھا۔ ۸۴ ہزار روپے سالانہ تنخواہ ملتی تھی۔ عنایت اللہ کے لڑکے عزت خاں کو بھی اتنی ہی تنخواہ ملتی تھی۔ عزت خاں، فیل خانہ کا

toobaafoundation.com

افسر تھا۔ بعد کو وہ ملازمت چھوڑ کر اپنی جایداد کا انتظام دیکھنے کے لیے، بنارس و پٹنہ چلا گیا تھا۔ پٹنہ میں ۱۸۰۲ء میں اس کا انتقال ہو گیا تھا۔[۵۰]

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی والدہ بادشاہ بیگم بڑی عابدہ و زاہدہ اور امیر زادی تھیں۔ قاضی صاحب کے پیر و مرشد، مرزا مظہر جانجاناں، ان کو بجائے ہمشیرہ خیال کرتے تھے۔ مرزا صاحب نے اپنے خط میں ان کو اس طرح مخاطب کیا ہے:

''بعد حمد و صلوٰۃ از فقیر جانجاناں، ہمشیرۂ مہربان بیگم صاحب سلمہا الرحمٰن مطالعہ نمایند کہ فقیر تا اواخر جمادی الاخریٰ در دہلی مع توابع بخیریت است۔ وخط ایشان رسید و مسرت رسانید۔ اللہ تعالیٰ محظوظ و محفوظ دارد''۔[۵۱]

مکاتیب میرزا مظہر، مرتبہ عبدالرزاق قریشی، میں مرزا صاحب کے ۱۴۷ خطوط ہیں جن میں ایک خط قاضی صاحب کی والدہ کے نام ہے۔ ۱۳۰ خطوط قاضی صاحب کے نام ہیں۔ ایک خط قاضی صاحب کی اہلیہ کے نام ہے اور ۹ خطوط قاضی صاحب کے لڑکوں کے نام ہیں۔ ان خطوط میں ۷۰ جگہ قاضی صاحب کی والدہ کا ذکر آیا ہے۔ ۳۶ خطوں میں ان کو سلام لکھا ہے۔ باقی خطوط میں دیگر خانگی معاملات کے ذیل میں ان کا تذکرہ ہے۔

درج ذیل خطوط میں قاضی صاحب کی والدہ کی دہلی آمد اور دہلی میں موجودگی کا ذکر اس طرح ہے:

''والدۂ ماجدۂ شما رسیدند و مزاج ایشاں دریں جا با اعتدال آمدہ۔ در خانہ فقیر آمدہ بودند۔ از طرف خرچ شما تشویش دارند''۔

(مکتوب ۴۹، ص: ۶۹)

''عبدالاحد کہ ہمراہ بیگمی صاحب آمدہ..... بیگمی صاحب راہوائے دہلی موافق آمد۔ مزاج ایشاں خوب است۔ تشویش از طرف خرچ شما دارند۔ و بفقیر خانہ از دیروز وارد شدہ اند''۔ (مکتوب ۶۶، ص: ۹۴)

toobaafoundation.com

''وبیگمی صاحب نیز بخیریت اند'' (مکتوب ۸۷، ص:۱۲۹)

''امروز بیگمی صاحب اینجا وارد شدند'' (مکتوب ۸۹، ص:۱۳۳)

''از شورش کفار سکھ و آشوب جنگ با قلعہ، خاطر فقیر و والدۂ شما خیلی مشوش است''۔ (مکتوب ۹۱، ص ۱۳۶)

''اما خاطر والدۂ ماجدۂ شما و فقیر سخت مشوش است''

(مکتوب ۹۲، ص: ۱۳۷_۱۳۸)

''بیگمی صاحب معہ قافلۂ اولا در سیدند'' (مکتوب ۱۰۵، ص:۱۵۸)

''والدہ شما در مقدمۂ رہن دوکان مواخذہ کردہ بودند، بحیلہ در گزرانیدہ شدہ'' (مکتوب ۱۰۵، ص ۱۵۸)

''خط بوالدۂ ماجدۂ شما رسانیدہ شد'' (مکتوب ۱۰۶، ص:۱۶۱)

''والدۂ ماجدۂ شما و ہر دو برادر زادہ بخیر اند'' (مکتوب ۱۰۸، ص:۱۶۳)

''والدۂ ماجدۂ شما بخیر اند'' (مکتوب ۱۱۳، ص:۱۶۷)

ذیل میں دو ایسے خطوط کے اقتباسات دیئے جا رہے ہیں جن میں سے ایک میں مرزا صاحب کی اہلیہ کا قاضی صاحب کی والدہ سے بہت خوش ہونے اور دوسرے میں بدگمان ہونے کا ذکر ہے۔

''الحمد للہ مردم محل[۵۲] از شما و والدۂ شما سخت راضی اند'' (مکتوب:۴، ص:۵)

''از گریختن سہیا کنیز، مردم محل گمان بد در حق بیگمی صاحب دارند و ایشاں این معنی را دریافتہ۔ گاہ شکایت می کنند و گاہ می گویند کہ من ہم تلاش او می کنم'' (مکتوب ۲۷، ص:۳۸)

مرزا صاحب نے ایک جایداد کے فروخت کے سلسلہ میں قاضی صاحب کو لکھا تھا کہ:

''در مقدمۂ ملک اندرون بمیاں بہرام بخش جیو تاکید نمایند کہ اگر بیگم جیو و والدہ میاں احمد اللہ خریداری کنند، بہتر وگرنہ بدست

toobaafoundation.com

چودھریان بفروشند"۔ (مکتوب ۵۸، ص:۸۱)

انسانوں کے درمیان جبلی ناہمواری کا پایا جانا ایک فطری امر ہے۔ چنانچہ اس طبعی مزاج کی جھلکیاں ساس بہو کے تعلقات میں بھی کبھی کبھی جلوہ نمائی کیا کرتی ہیں۔ قاضی صاحب کے مکان میں بھی گاہے گاہے یہ جراثیم رینگتے نظر آتے ہیں جس کا راز مرزا صاحب کے خط کی طباعت نے افشاں کر دیا جس میں لکھا ہے کہ:

"بعد حمد وصلوٰۃ معلوم نمایند کہ والدۂ شما مخالفتی کہ با مستورۂ شما دارند مخفی نیست ودریں ایام بنابریں کہ مبلغی در وجہ دستک معہود دادہ اند وشفقتی زیادہ برایام دیگر بتقریب تیمار داری بکار بردہ اند وامتنان درطینت ایشان محمر است، براعتماد آنکہ شما حمایت مستورۂ خود نمی توانید کرد، زبان مطاعن دراز کردہ اند وآن بی کس باوجود آں خدمتہای پرستارانہ کہ دریں مرض کردہ، این اجر وجزا دیدہ۔ چون مزاج محرور دارد، بجان آمدہ است۔ اگر صبر می کند، ہلاک می شود واگر مقابلہ نماید فتنہ بیدار می گردد۔ مع ہذا نیک وبد او بعلاقۂ نسبت طریقہ وفرط محبت او با فقیر وحقوق خدمت او تعلق بہ فقیر دارد۔ واذیت او اذیت فقیر است۔ فکری باید کرد کہ راہ ایں دل آزاری بستہ شود وکار بملال نکشد۔

ع درخانہ اگر کس است یک حرف بس است۔

چوں رعایت طرفین ضرور است ہر چہ کنند بغور کنند" (مکتوب ۴۰، ص:۵۵)

ایک خط میں مرزا صاحب نے قاضی صاحب کی والدہ کی برہمی کا ذکر اس طرح کیا ہے؟

"اعزہ نا انصاف بیگم جیورا بشور آوردہ اند۔ فقیر بعد مراجعت از تھانیسر تسکین ایشاں کردہ وقرار بریں دادہ کہ تا رسیدن مولوی صاحب حرکت موحش ننمایند پس زود باید رسید" (مکتوب ۶۴، ص:۹۲)

قاضی صاحب کی والدہ ماجدہ اپنے پوتے، دلیل اللہ کی شادی خواجہ حلال خور

toobaafoundation.com

کی لڑکی سے کرنا چاہتی تھیں۔ اور قاضی صاحب کی بیگم، عجیبہ خانم، اپنے بیٹے کی شادی اپنی ایک عزیزہ، بی بی عصمت کی لڑکی سے کرنے کی خواہش مند تھیں۔ مرزا صاحب کی تمنا بھی یہی تھی کہ دلیل اللہ کی شادی خواجہ حلال خور کی لڑکی سے ہو کیوں کہ وہ خوبصورت حسین اور سلیقہ مند تھی۔ اس ضمن میں بھی مرزا صاحب کے خطوط میں قاضی صاحب کی والدہ کا ذکر آیا ہے۔

''ظاہراً بیگمی صاحب وصلت برخوردار دلیل اللہ باصبیہ خواجہ حلال خور مقرر کردہ اند۔ وشمارا برائے ایں مقدمہ معہ آن برخوردار طلبیدہ اند''۔ (مکتوب ۶۹، ص: ۹۹۔۱۰۰)

''ظاہراً بتقریب وصلت برخوردار دلیل اللہ، بیگمی صاحب شمارا اینجا طلبیدہ اند''۔ (مکتوب ۷۱، ص: ۱۰۲)

''وجہ تحریر آن ست کہ امروز بیگمی صاحب اینجا وارد شدند واز مضمون تحریر شما کہ بگفتۂ بہوجیو دروصلت دلیل اللہ باصبیۂ خواجہ حلال خور تردد ی بخاطر شما راہ یافتہ، گریہ ہا وشکوہا نمودند کہ بلاتوقف بعد شہرت قرار داد نسبت خفت نمایاں بہ بیگمی صاحب عاید خواہد شد۔ احتمال نزاع فیما بین بیگمی صاحب و بہوجیو مخفی نیست ودرین امر حقی بجانب بیگمی صاحب ہم ہست کہ زبانیٔ ایشاں معلوم می شود کہ از شما پرسیدہ این رسم کردہ اند۔ ونیز حقی بجانب بہوجیو است کہ بی بی عصمت وراثت با بہوجیو دارد۔ لیکن بقطع نظر از رعایت طرفین، خیر وشر صاحب معاملہ یعنی دلیل اللہ منظور باید داشت۔ دختر خواجہ حلال خور بسیار جمیل وخوش سلیقہ است ودختر بی بی عصمت برخلاف آن شنیدہ می شود۔ آن برخوردار را بعد اظہار ہردو دختر مخیّر باید داشت۔ نجات شما از شکایت طرفین دریں است''۔

(مکتوب ۸۹، ص: ۱۳۳)

toobaafoundation.com

''وبیگمی صاحب نسبت دلیل اللہ بادختر خواجہ حلال خود مقرر کردہ اند۔ واز تردد خاطر شما در تقرر این نسبت از خط شما معلوم نمودہ، بسیار طول اند۔ ظاہرا بہوجیو بادختر بی بی عصمت نسبت پسر مقرر کردہ اند۔ وظاہراً بیگمی صاحب این نسبت بگفتہ شما کردہ بودند۔ دریں صورت برہم زدن این نسبت حقی بایشاں عاید می شود۔ پس نجات شما در شکایت طرفین دریں است کہ احوال ہر دو دختر بر صاحب معاملہ یعنی دلیل اللہ ظاہر باید کرد۔ ہر کرا او قبول نماید بہتر است۔ دختر خواجہ حلال خور جمیلہ وخوش سلیقہ واز طرف امہات سیدہ است وحال دوئی مخفی نیست۔ (مکتوب ۹۰، ص: ۱۳۵)

''وبنویسند کہ در مقدمہ بہو درمیان بیگمی صاحب و بہو عجیبہ جیو چہ معاملہ است'' (مکتوب ۹۵، ص: ۱۴۱)

والحمدللہ کہ میانہ والدۂ ماجدہ شما و بہوجیو در مقدمہ مستورۂ دلیل اللہ نزاع واقع نشدہ''۔ (مکتوب ۹۷، ص: ۱۴۶)

''وفیما بین والدۂ ماجدۂ شما و بہوجیو کہ بابت مستورہ دلیل اللہ نزاع واقع نشد، مقام شکر است''۔ (مکتوب ۹۸، ص: ۱۴۷)

''وظاہراً والدۂ او ازو و مستورۂ او انحرافی دارد۔ سبب چیست؟ شاید بمخالفت قدیم کہ باوالدۂ شما دارند وایں بہو از خویشانِ والدۂ شما ست، خواہد بود''۔ (مکتوب ۹۹، ص: ۱۴۰۔۱۵۰)

مرزا صاحب کا خط نمبر ۱۱۳ در مکاتیب میرزا مظہر مرتبہ عبدالرزاق قریشی (ص: ۱۶۷) دہلی سے ۴ ربیع الاول کا لکھا ہوا ہے جس میں تحریر ہے کہ: ''والدہ ماجدہ شما بخیر اند'' اس کے بعد کسی خط میں ان کا ذکر نہیں ہے بلکہ مرزا صاحب کے خط نمبر ۸۱ در کلمات طیبات (ص ۶۷) مورخہ ۲۹ جمادی الاول کے خط میں ان کے انتقال کی خبر ہے۔ مضامین کے سیاق وسباق اور خطوط کی ترتیب کے مطابق اغلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۹۲ھ ہوگا جو تقویم کے مطابق جمعرات ۲۵ جون ۱۷۷۸ء ہوتا ہے۔[۵۳] بہر کیف

toobaafoundation.com

قاضی صاحب کی والدۂ ماجدہ دہلی میں تھیں کہ فرشتہ اجل کو لبیک کہا اور اپنے مولائے حقیقی سے جاملیں۔ مرزا صاحب کو جوں ہی ان کے انتقال کی خبر ملی، فوراً حکیم شریف[۵۴] خاں کو پرچہ لکھ کر معلوم کیا کہ: ''معلوم شد کہ تجہیز جنازہ بادشاہ بیگم یعنی والدۂ حضرت مولوی ثناء اللہ صاحب کردہ روانۂ پانی پت خواہند نمود۔ اطلاع باید دارد کہ نماز جنازہ کجا خواند۔ اگر مسجد جامع بیارند ایں ضعیف ہم داخل ثواب نماز گردد کہ از حرارت ہوا تاب حرکت نہ دارد۔ و جماعہ کثیر دریں مسجد داخل این حسنہ خواہد شد[۵۵]'' اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو لکھا کہ ''سانحہ دریں ایام اینست کہ امروز کہ بست ونہم جمادی الاولی است بعد زوال سکھی صاحب یعنی والدہ شما رحلت نمودند۔ ہمیں وقت یک سریہ آمد وخبر داد۔ حکیم شریف خاں صاحب تدبیر تکفین وتجہیز نمودہ روانہ پانی پت خواہند نمود۔ اگر میسر شود فقیر برای نماز جنازہ خواہم رفت۔ واین وقت ہر چہ از ختمہائے تہلیل و قرآن مجید واستغفار حاضر بود بنام آن مرحومہ گزرانیدہ شد۔ خدا تعالیٰ رحمت کناد و باوجود ضعف ربط بآن مرحومہ حالتی برمن گذشت کہ در تحریر نمی آید۔ انا للہ وانا الیہ راجعون[۵۶]'' اور یہ خط مرزا صاحب نے بادشاہ بیگم کے تابوت کے ساتھ قاضی صاحب کو بھیج دیا تھا[۵۷]۔ اس کے بعد مرزا صاحب نے ۳؍جمادی الآخر کو قاضی صاحب کو لکھا کہ ''واز افسوس واقعہ والدہ مرحومہ چہ نویسم کہ تحریر بر فقیر وبال است''[۵۸]۔ پھر ۱۱؍جمادی الآخر کو مرزا صاحب نے ایک اور خط میں قاضی صاحب کو لکھا کہ: ''وغم والم واقعہ بیگمی صاحب در تحریر نمی آید وعلاوہ آن اندیشہ غمہای شما است۔ ازین واقعہ خدا شمارا محفوظ از مکروہات دارد کہ نیک وبد شما بعینہٖ نیک وبد فقیر است۔ خدا می داند ووجود شما باعتقاد فقیر عزیز ترین موجودات است''[۵۹]۔

۲۹؍جمادی الاول ۱۱۹۲ھ مطابق ۲۵؍جون ۱۷۷۸ء بروز جمعرات بوقت دوپہر بعد زوال دہلی میں ان کا انتقال ہوا اور ان کو پانی پت لے جا کر دفن کیا گیا۔

قاضی صاحب کی ولادت:

قاضی صاحب کے سال پیدائش کے سلسلہ میں مختلف تحریریں ملتی ہیں۔

toobaafoundation.com

''تفسیر مظہری'' عربی مطبوعہ لاہور کے ترجمۃ المؤلف کے ذیل میں تحریر ہے:

"ولد رحمه الله تعالى فى ١١٤٣ھ أو قبله بسنة أو سنتين بفانى فت"

''تفسیر مظہری'' عربی مطبوعہ دہلی کے سرورق پر تحریر ہے:

"ولد رحمه الله فى سنة ثلاث وأربعين بعد الف و مائة من الهجرة أو قبله بسنة أو سنتين بفانى فت"

قاضی سجاد حسین صاحب، صدر مدرس مدرسہ عالیہ، فتح پوری دہلی نے لکھا ہے:

''حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی قدس سرہٗ کے خاندان میں تقریباً ۱۱۴۳ھ میں پیدا ہوئے''[۶۰]

مولانا محمد فاروق بہرائچی مرحوم اپنے ایک مضمون ''سلسلہ عالیہ مجددیہ اور علم حدیث'' میں رقم طراز ہیں:

''حضرت قاضی صاحب ایک مکتوب میں جس کو آپ نے اہلیہ محترمہ حضرت شاہ نعیم اللہ بہرائچی کو تحریر کیا ہے لکھتے ہیں کہ: اس وقت میری عمر ۸۱ سال کی ہے، یہ مکتوب ۱۲۱۸ھ و ۱۲۲۶ھ کے درمیان میں لکھا گیا ہے۔ کیوں کہ ۱۲۱۸ھ تاریخ وصال شاہ نعیم اللہ ہے اور ۱۲۲۶ھ آپ کی تاریخ وصال ہے۔ اس حساب سے آپ کی پیدائش ۱۱۴۰ھ اور ۱۱۴۷ھ کے درمیان ہوئی ہے''[۶۱]

مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی اپنے مضمون ''آراضی ہند کی شرعی حیثیت'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

قاضی محمد ثناء اللہ بن مولوی حبیب اللہ بن مولوی ہدایت اللہ عثمانی پانی پتی کی ۱۱۳۸ھ میں پیدائش ہوئی''[۶۲]

مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی نے لکھا ہے:

toobaafoundation.com

"..... آپ کی وفات غرہ رجب ۱۲۲۵ھ میں ہوئی..... آپ کی عمر شریف ستاسی سال کی تھی۔ اس حساب سے آپ کی ولادت ۱۱۳۸ھ ہونی چاہیے"۔[۶۳]

تفسیر مظہری کے مدیران کے ماخذ کا کوئی سراغ نہیں ملتا ہے اور نہ ان کی عبارتوں سے وثوق کا اظہار ہوتا ہے۔ نہ ہی کسی حتمی تاریخ کی تعین ہوتی ہے۔ قاضی سجاد حسین صاحب کا ماخذ تفسیر مظہری کا دہلی ایڈیشن معلوم ہوتا ہے۔ مگر وہ بھی لفظ "تقریباً" کا استعمال کرتے ہوئے پہلو بچا کر نکل گئے ہیں۔ مولوی محمد فاروق بہرائچی نے قاضی صاحب کے جس خط کا ذکر کیا ہے اس کی کوئی تاریخ متعین نہیں کی ہے بلکہ آٹھ نو سال کے عرصہ پر پھیلا کر قاضی صاحب کا سن پیدائش ۱۱۴۰ھ سے ۱۱۴۷ھ کے درمیان تصور کرلیا ہے۔ مولانا نور الحسن راشد اور مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی نے قاضی صاحب کا سن پیدائش ۱۱۳۸ھ لکھا ہے۔ یہی بات اقرب الی الصواب ہے۔ اس لیے کہ مولوی نعیم اللہ بہرائچی کا انتقال ۵/صفر ۱۲۱۸ھ کو ہوا ہے۔ قاضی صاحب نے مولوی نعیم اللہ بہرائچی کی اہلیہ کو ۱۲۱۸ھ میں تعزیتی خطوط لکھے ہیں جن میں زندگی کی بے ثباتی اور اپنی ضعیفی کا ذکر کیا ہے اور اپنی عمر ۸۱ سال لکھی ہے۔ چھ ساڑھے چھ سال کے بعد ۱۲۲۵ھ میں ۸۷ سال کی عمر میں قاضی صاحب نے انتقال فرمایا۔ ۱۲۲۵ھ میں سے ۸۷ کی تخفیف سے ۱۱۳۸ھ نکل آتا ہے۔

یہ امر متفق علیہ ہے کہ قاضی صاحب کی پیدائش پانی پت میں ہوئی ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی تعلیم:

قاضی صاحب کی تعلیم اور ان کے اساتذہ کے بارے میں تذکرہ نویسوں اور مؤرخوں کے بیانات بہت متضاد ہیں۔ قاضی صاحب کے معاصرین میں مولوی نعیم الدین بہرائچی، جن کا انتقال ۱۲۱۸ھ میں قاضی صاحب کی زندگی ہی میں ہوگیا تھا۔ اور جن کا قاضی صاحب سے قریب ترین تعلق تھا، انھوں نے اپنی کتاب "بشارات مظہریہ" میں

toobaafoundation.com

جس میں قاضی صاحب کے مجمل حالات زندگی سب سے پہلے سپرد قلم ہوئے ہیں، اور قاضی صاحب کے حالات کے بارے میں یہ کتاب اولین ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے، قاضی صاحب کے علوم ظاہری کے حصول کے بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ البتہ قاضی صاحب کے اسلاف کا علوم ظاہری سے بہرہ ور ہونے کا ذکر ضرور ہے۔ جس کو انھوں نے قاضی صاحب ہی کی ایک تحریر سے اس طرح نقل کیا ہے:

''در سلسلۂ آباءِ فقیر، تعلیم وتعلم علومِ ظاہر بیشتر ماندہ، مشہور است کہ حضرت مخدوم جلال الدین قدس سرہٗ، پسر خود خواجہ ابراہیم گفتہ بودند کہ در نسل تو ہمیشہ علماء خواہند بود۔ ببرکت ایشاں بفضل الٰہی، علم ظاہر در نسلِ ایشاں تا الیوم منقطع نشد''۔[۶۴]

مولوی نعیم اللہ بہرائچی کے بعد قاضی صاحب کا ذکر شاہ غلام علی دہلوی نے اپنی کتابوں میں جستہ جستہ کیا ہے۔ شاہ غلام علی کا بھی قاضی صاحب سے بہت قریبی تعلق تھا۔ شاہ غلام علی نے اپنے علم ومشاہدے اور بشارات مظہریہ سے استفادہ کرتے ہوئے مرزا مظہر جانِ جاناں کے دو تذکرے مرتب کیے ہیں ان تذکروں میں قاضی صاحب کا بھی ذکر ملتا ہے۔ ان میں پہلا تذکرہ 'کمالات مظہری' کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں شاہ غلام علی صاحب نے قاضی صاحب کی تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں قاضی صاحب ہی کے بیان نقل کیے ہیں:

''می فرمودند، اللہ تعالیٰ مرا رائے صایب در فقہ وحدیث عطا فرمودہ است۔ در علم لغت شاگردم استاد خود را، ودر علوم دقیقہ ومتعلقات فلاسفہ را بتاملِ مطالعہ دریافتہ ام۔ دریں علوم مرا حاجت باستاد نیست''۔

''می فرمودند، ہژدہ سالہ بودم کہ از تحصیل علم ومقات ایں طریقہ فراغت یافتم''۔[۶۵]

شاہ غلام علی کا دوسرا تذکرہ 'حالات ومقامات حضرت شمس الدین حبیب اللہ جناب مرزا جان جاناں مظہر شہید قدس سرہٗ ہے جو پہلے تذکرہ کے بنسبت زیادہ مفصل

toobaafoundation.com

ہے۔ گویا وہ ''کمالات مظہری'' کا ترمیم و تنقیح اور اضافہ شدہ ایڈیشن ہے۔ یہ کتاب پہلے مطبع احمدی سے ۱۲۶۹ھ میں چھپی اور پھر مطبع مجتبائی، دہلی سے ''مقامات مظہری'' کے نام سے ۱۳۰۹ھ شائع ہوئی۔ اس کتاب میں شاہ غلام علی، قاضی صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ہژدہ سالہ بودند کو فراغ از تحصیل علمِ ظاہر و خلافتِ طریقہ یافتہ باشاعتِ علم و فیضِ باطن پر داختند وہدایت وارشاد رارواجے بخشیدہ''۔ ۶۶؎

لیکن انھوں نے قاضی صاحب کے کسی استاد کا ذکر نہیں کیا ہے۔ جس سے انھوں نے علم ظاہر حاصل کیا ہو، بلکہ خود قاضی صاحب کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے صرف زبان وادب کی کتابیں تو ضرور کسی استاد سے پڑھی ہیں۔ باقی علوم انھوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنیاد پر ذاتی مطالعہ سے حاصل کیے تھے۔

اس کے بعد ''خزینۃ الاصفیاء'' میں قاضی صاحب کے کچھ حالات ملتے ہیں۔ یہ کتاب ۸۱۔۱۲۸۰ھ کی تالیف ہے۔ اس میں بھی قاضی صاحب کی تعلیم کے بارے میں صرف ایک جملہ ملتا ہے:

''ہژدہ سالہ بود کہ فراغ از تحصیل علمِ ظاہر و خلافت طریقہ یافتہ باشاعتِ علم و فیض باطن پرداخت''۔ ۶۷؎

نواب صدیق حسن خاں (متوفی ۱۳۰۷ھ) نے مزید معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ لکھتے ہیں:

''ہژدہ سالہ بودند کہ از تحصیل علم ظاہر فراغ یافتہ۔ درایام تحصیل سی صد و پنجاہ کتب سوائے کتب تحصیلہ بمطالعۂ خود آوردند... در حدیث، سماع و روایت از ولی اللہ محدث دہلوی داشتند''۔ ۶۸؎

لیکن انھوں نے ان معلومات کے مآخذ کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ ایک نامعلوم المؤلف کتاب ''الروض المطور فی تراجم علماء شرح الصدور'' میں بھی قاضی صاحب

toobaafoundation.com

کا ذکر ملتا ہے جو نواب صدیق حسن خاں کے بیان کا من وعن اردو ترجمہ ہے۔[۶۹]

مولوی فقیر محمد جہلمی اپنی کتاب ''حدائق الحنفیہ'' (زمانہ تالیف: ۱۲۹۵ھ تا ۱۲۹۷ھ) میں لکھتے ہیں:

''حدیث کو شاہ ولی اللہ دہلوی سے سنا اور روایت کیا... اٹھارہ سال کی عمر میں تمام علوم ظاہری سے فراغت پا کر علم طریقت کا شیخ محمد عابد سے اخذ کیا''۔[۷۰]

محمد حسن نقشبندی مجددی مظہری نے اس سلسلہ میں صرف اتنا لکھا ہے:

''اٹھارہ سال کی عمر میں تحصیلِ علوم ظاہری و باطنی سے فارغ ہوئے''۔[۷۱]

مولوی محمد عبدالشکور عرف رحمان علی (متوفی ۱۳۲۵ھ) ابن حکیم شیر علی اپنی کتاب ''تذکرہ علمائے ہند ملقب بہ تحفۃ الفضلاء فی تراجم الکملاء'' میں رقم طراز ہیں کہ:

''بعمر ہفت سالگی حفظِ قرآن شریف نمودہ، تا زمانِ شانزدہ سالگی از تحصیل علوم فراغ یافتند، و در ایام تحصیل، سی صد و پنجاہ کتاب سوائے کتبِ درسیہ بمطالعہ خود آوردند''۔[۷۲]

تذکرہ علمائے ہند کے آخر میں مآخذ کی فہرست ہے جو ۳۸ کتابوں پر مشتمل ہے۔ ان میں دو کتابیں ایسی ہیں جن میں قاضی صاحب کے حالات ہیں۔ ایک 'خزینۃ الاصفیا' اور دوسری حدائق الحنفیہ' مولوی رحمان علی نے قاضی صاحب کے سات سال کی عمر میں، قرآن شریف حفظ کر لینے کا تو ذکر کیا ہے لیکن کسی استاد کا نام نہیں بتایا۔

مولانا سید حکیم عبدالحئ (متوفی ۱۳۴۱ھ) لکھتے ہیں:

"ولد ونشأ ببلدة 'پانی پت' وحفظ القرآن وقرأ العربية أياماً على اساتذة بلدته ثم دخل دهلى وتفقه على الشيخ ولى الله بن عبدالرحيم العمرى الدهلوى، وأخذ الحديث عنه و قرأ فاتحة الفراغ وله ثمانى عشر سنة"۔[۷۳]

toobaafoundation.com

مولوی محمد فاروق بہرائچی کا ایک مضمون بعنوان ''سلسلہ عالیہ مجددیہ اور علم حدیث'' جون ۱۹۲۹ء میں اعظم گڑھ سے رسالہ ''معارف' میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں قاضی صاحب کو شاہ ولی اللہ دہلوی کا شاگرد ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔ متعلقہ اقتباسات ملاحظہ ہوں:

''آپ دراصل حضرت ولی اللہ، رحمۃ اللہ علیہ، کے شاگرد تھے۔ تصنیف وتالیف اور حقائق ومعارف مجددیہ کے بیان میں آپ حضرت شاہ ولی اللہ کے تلانذہ میں سب سے فائق ہیں... حضرت شاہ ولی اللہ، رحمۃ اللہ علیہ، کی مجتہدانہ شان اگر آپ کے کسی شاگرد میں نمایاں ہے تو وہ صرف آپ کی ذاتی گرامی ہے... اس کا ثبوت کہ آپ شاہ ولی اللہ، رحمۃ اللہ علیہ، کے شاگرد ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، رحمۃ اللہ علیہ، کے ایک خط سے ہوتا ہے جس کو حضرت شاہ صاحب نے حضرت مرزا صاحبؒ کو لکھا ہے۔ صاحب ''بشارات مظہریہ'' نے اسے نقل فرمایا ہے اور ''کلمات طیبات'' میں بھی وہ شائع ہو گیا ہے۔ اس میں قاضی صاحب کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے، کہ ''مصابیح'' اور ''صحیحین'' فی الحال آپ کے زیرِ درس ہیں اور کتب ستہ بلکہ متداولہ کی تکمیل کی غرض سے میرے پاس ہیں، اس کے بعد جناب کی خدمت میں احرام صحبت باندھیں گے''[۱۴۲]

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ مولوی فاروق صاحب نے آخر میں حوالہ کے طور پر ''بشارات مظہریہ'' کا ذکر کیا ہے۔ یہ پورا خط تو ''کلماتِ طیبات'' میں ہے اور شاہ ولی اللہ کے خطوط میں سب سے پہلا خط ہے۔ بشارات مظہریہ میں صرف اتنا حصہ نقل کیا ہے:

''مولوی ثناء اللہ مصابیح وصحیحین استماع نمودند ومستعد کتب ستہ بلکہ عشرہ متداولہ اند۔ ہمیں توجہ ہمت سامی توقع است کہ اُمنیت بظہور

toobaafoundation.com

رسد و بعد از آں احرام صحبت شریف بندند"۔

یہ الفاظ "بشارات مظہریہ" میں مولوی ثناء اللہ سنبھلی کے حالات کے ذیل میں درج ہیں نہ کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے حالات کے ضمن میں۔ صاحب "بشارات مظہریہ" مولوی نعیم اللہ بہرائچی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور مولوی ثناء اللہ سنبھلی دونوں سے کافی قریب رہے ہیں اور یہ تینوں مرزا مظہر جان جاناں کے خلفاء میں سے ہیں۔ بلکہ مرزا صاحب کے وصال کے بعد مولوی نعیم اللہ بہرائچی نے قاضی ثناء اللہ پانی پتی سے استفادہ بھی کیا ہے اور قاضی صاحب کے پاس طویل مدت تک رہے ہیں۔ چنانچہ مولوی نعیم اللہ بہرائچی کا بیان قوی تر اور زیادہ صحت پر مبنی ہے۔ مزید برآں شاہ غلام علی "مقامات مظہری" میں مولوی ثناء اللہ سنبھلی کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"علم ظاہر تحصیل نمودہ علم حدیث و قرآن از خدمت شاہ ولی اللہ محدث رحمۃ اللہ علیہ فرمودند"[۵]

اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا ذکر کرتے ہوئے "کمالات مظہری" میں وہ قاضی صاحب ہی کے الفاظ دہراتے ہیں کہ:

"می فرمودند اللہ تعالیٰ مرا رائے صائب در فقہ و حدیث عطا فرمودہ است۔ در علم لغت شاگردم استاد خود را و در علوم دقیقہ و متعلقات فلاسفہ را بتامل مطالعہ دریافتہ ام۔ این علوم مرا حاجت باستاد نیست"[۶]

شاہ ابوالحسن زید فاروقی نے ۱۳۵۷ھ میں قاضی صاحب کا کچھ مختصر حال لکھا تھا۔ جس میں یہ جملہ بھی ہے: "حضرت ایشاں علم ظاہر از حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی خواندند"[۷] شاہ زید صاحب کا ماخذ کیا ہے؟ اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

تفسیر مظہری (عربی) کے لاہور ایڈیشن کے ترجمہ المؤلف میں لکھا ہے:

"وفرغ من تحصيل العلم الظاهر وهو ابن ثمانية عشر سنة ... وكان تحت مطالعته فى ايام تحصيله

toobaafoundation.com

کتباً کثیرۃ یبلغ عددھم قریباً من ثلاث مائۃ وخمسین... وکان سماعہ وروایتہ من الشاہ ولی اللہ المحدث الدھلوی"[۷۸]

ترجمہ کا ماخذ"الروض المطور"بیان کیا گیا ہے۔

تفسیر مظہری (عربی) مطبوعہ دہلی کے سرورق پر یہ عبارت درج ہے:

"فحفظ القرآن، وعمرہ سبع سنین واشتغل بعدہ بأخذ العلوم النقلیۃ والعقلیۃ فتبحر فیھا، ثم ارتحل إلی دھلی فلزم العلامۃ البحر الفھامۃ مولانا الشاہ ولی اللہ المحدث الدھلوی فسمع الحدیث منہ بتمامہ وکمالہ وتفقہ فیہ"[۷۹]

وقائع عبدالقادر خانی کا اردو ترجمہ "علم وعمل" کے نام سے مولوی معین الدین[۸۰] مرحوم ومغفور نے ۱۹۴۰ء اور ۱۹۵۰ء کے درمیان کیا تھا۔ یہ ترجمہ کراچی سے دو جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ اس پر حواشی محمد ایوب قادری نے لکھے ہیں۔ عبدالقادر خاں (پیدائش: ۱۷۸۰ء۔۱۱۹۵ھ/متوفی: ۱۸۴۹ء۔۱۲۶۵ھ) نے یہ وقائع ۱۸۳۱ء میں کتابی شکل میں لکھے تھے جو کتب خانہ حبیب گنج میں محفوظ ہیں۔ اس کتاب میں پانی پت اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

"قاضی ثناء اللہ، علم فقہ، سیر، حدیث اور تفسیر میں بہت مشہور ہوئے ہیں اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے ہم عصر تھے اور ہمارے زمانے تک رہے"[۸۱]

اس پر محمد ایوب قادری نے حاشیہ میں یہ اضافہ کیا ہے:

"سات سال کی عمر میں حفظ قرآن سے فارغ ہوئے اور پندرہ سال کی عمر میں تمام علوم کی تحصیل سے فارغ ہو گئے[۸۲]

حاشیہ نگار نے "خزینۃ الاصفیاء" اور "تذکرہ علمائے ہند" سے استفادہ کیا ہے۔

toobaafoundation.com

قاضی صاحب کی تصانیف میں ''مالابدمنہ'' نہ جانے کتنی بار چھپ چکی ہے کیوں کہ یہ کتاب ایک زمانے سے عربی مدارس کے درس میں شامل ہے۔ متعدد ایڈیشن ایسے نکلے ہیں جن میں قاضی صاحب کا مختصر تعارف چھپا ہے۔ اس کا ایک ایڈیشن مطبع رزاقی، کانپور سے ۱۳۱۸ھ میں شائع ہوا جس کو اصل نسخہ دستخطیٔ مصنف سے مقابلہ کر کے اور مولوی حافظ محبّ اللہ پانی پتی کے اضافی حواشی کے ساتھ شائع کیا گیا تھا۔ اس کے آخر میں ''خلاصہ حال حضرت مصنف'' بھی ہے۔ ممکن ہے یہ خلاصہ مولوی محبّ اللہ پانی پتی کا تیار کردہ ہو۔ اس میں قاضی صاحب کے تحصیل علم سے متعلق یہ الفاظ درج ہیں:

''بعمر ہفت سالگی حفظ قرآن شریف نمودہ تا زمان شانزدہ سالگی از تحصیل علوم فراغ یافتند ودرایام تحصیل سی صد وپنجاہ کتاب سوائے کتب تحصیلہ بمطالعۂ خودرا آورند''۔[۸۳]

''مالابدمنہ' کا تحشیہ قاضی سجاد حسین، صدر مدرس، مدرسہ عالیہ فتح پوری، دہلی نے بھی کیا ہے جو مصنف کا تعارف کراتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''صرف سات سال کی عمر میں پورا قرآن پاک قاضی صاحب نے اپنے سینے میں محفوظ کرلیا۔ سولہ سال کی عمر میں قاضی صاحب ایک عالم باعمل تھے اور صرف یہی نہیں کہ درسی کتابوں سے فراغت حاصل کی، اور دہلی پہنچ کر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے محدث سے حدیث کی تکمیل کی بلکہ محقق مصنّفین کی تقریباً ساڑھے تین سو کتابوں کا مطالعہ فرمالیا''۔[۸۴]

ڈاکٹر محمد سالم قدوائی اپنے پی ایچ.ڈی کے مقالہ میں لکھتے ہیں:

''قرآن مجید حفظ کیا اور اپنے شہر کے علماء سے تھوڑے عرصے تک عربی کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اس کے بعد دہلی گئے اور شاہ ولی اللہ سے کسبِ علم کیا۔ حدیث کی سند لی۔ اٹھارہ سال کی عمر

toobaafoundation.com

میں فراغت حاصل کی"۔[۸۵]

مولانا نور الحسن رشاد کاندھلوی اپنے مضمون "آراضی ہند کی شرعی حیثیت" جو قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے فتوے پر مشتمل ہے، اس میں قاضی صاحب پر حاشیہ کے ضمن میں یہ جملہ لکھتے ہیں:

"حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) سے علوم ظاہر اخذ کیے، ۱۶ سال کی عمر میں تعلیم سے فارغ ہو گئے۔[۸۶]

ان سب تفصیلات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی صاحب شاہ ولی اللہ صاحب کے شاگرد نہیں تھے بلکہ شاہ صاحب کے خط سے یہ مغالطہ ہوا۔ اور درحقیقت تذکرہ نویسوں نے مولوی ثناء اللہ سنبھلی کے بجائے قاضی ثناء اللہ پانی پتی سمجھ لیا اور اس طرح تذکرہ نگاروں نے قاضی صاحب کو شاہ صاحب کا شاگرد قرار دے دیا جب کہ "بشارات مظہریہ" سے یہ بات پوری طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ شاہ صاحب کا یہ خط مولوی ثناء اللہ سنبھلی کے بارے میں تھا۔

راقم الحروف کا خیال یہ ہے کہ قاضی صاحب نے اپنے گھر کے مدرسہ ہی میں تعلیم حاصل کی تھی۔ قاضی صاحب کے گھر کے سامنے ایک مسجد تھی[۸۷] جس میں طالبان علمِ ظاہر و باطن کی تعلیم و تربیت ہوتی تھی۔ قاضی صاحب کے آباء و اجداد نے اس مدرسہ میں پڑھا اور پڑھایا تھا۔ خود قاضی صاحب نے بھی اس میں پڑھا اور پڑھایا اور قاضی صاحب کے لڑکوں نے بھی اس میں معلّمی کے فرائض انجام دیئے۔[۸۸] شیخ محمد عابد سنامی نے اسی مدرسہ میں قاضی صاحب کے جدامجد سے ظاہری علوم حاصل کیے تھے۔[۸۹] البتہ تفسیر مظہری کے مطالعہ سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ قاضی صاحب نے قرآن پاک مع تجوید، شیخ المقری قاری صالح مصری اور شیخ القراء شیخ عبدالخالق سے پڑھا۔[۹۰]

علومِ باطنی کا حصول اور قاضی صاحب کا مرتبہ:

قاضی صاحب کے والد مولوی حبیب اللہ اور قاضی صاحب کے بڑے بھائی مولوی فضل اللہ دونوں حضرات، حضرت شیخ محمد عابد سنامی سے بیعت تھے۔[۹۱] قاضی

toobaafoundation.com

صاحب بھی، علوم ظاہری کے حصول سے فراغت کے بعد، شیخ محمد عابد سنامی کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے اور سلسلہ چشتیہ میں بیعت ہوئے[۹۲] مولوی نعیم اللہ بہرائچی سے روایت ہے کہ قاضی صاحب نے فرمایا کہ:

''حضرت شیخ (محمد عابد سنامی) در آخر حیات در پانی پت تشریف آوردہ فرمودند کہ عمر آخر است فقیر این بار بتخصیص برائے ادائے حقوق شما ہر دو برادران یعنی مولوی فضل اللہ و مولوی ثناء اللہ سلمہما اللہ تعالیٰ، کہ بنظر صاحبزادگی بذمہ ما فقیر واجب الادا است، آمدہ ام۔ بعد ازاں ما ہر دو برادران راذکر طریقہ، علیہ مجددیہ انفاق فرمودہ بہ شاہجہاں آباد مراجعت نمودند''[۹۳]

قاضی صاحب کے باطن میں ذوقِ خداطلبی ظاہر ہوا اور دل کی حکومت پر مسلط ہو گیا۔ تائید ایزدی شامل حال ہوئی اور اس ذوق کی تسکین کا سامانِ مہیا کر دیا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ قاضی صاحب کو تلاشِ معاش کے سلسلہ میں اکثر دہلی قیام کرنا ہوتا تھا۔ وہ اپنے نانا نواب لطف اللہ خاں صادق کے توسط سے کوئی شاہی منصب حاصل کرنے کی فکر میں تھے۔ قاضی صاحب نے دہلی کے قیام کو رائیگاں نہ جانے دیا بلکہ شیخ کی خدمت میں بھی حاضری دیتے رہے اور شیخ سے یہاں تک مستفید و مستفیض ہوئے کہ بقول خود: ''تا بولایت صغریٰ کسب نمودم''[۹۴]

ولایت صغریٰ کی تعریف بھی قاضی صاحب کے الفاظ میں یہ ہے:

''وصول بمرتبہ ظلال ولایت صغریٰ و ولایت اولیا نام دارد''[۹۵]

حضرت مرزا مظہر جانجاناں بھی حضرت شیخ محمد عابد سنامی سے بیعت تھے اور مسند ارشاد پر جلوہ افروز تھے۔ جب حضرت شیخ کے وصال کا وقت قریب آیا تو انھوں نے قاضی صاحب اور ان کے بڑے بھائی، دونوں کی باطنی تربیت کی تکمیل کے لیے حضرت مرزا صاحب کو وصیت کی اور قاضی صاحب کے خاندان کے استحقاق اور حقوق قدیمانہ سے متنبہ و مطلع کر دیا[۹۶] ادھر قاضی صاحب نے حضرت شیخ کے وصال کے

toobaafoundation.com

بعد حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں عرضی بھیجی کہ:

''شاہان چہ عجب گر بنوازند گدارا کہ بندہ شاہ شمائم وثنا خواں شما''۔[۹۷]

چنانچہ حضرت مرزا صاحب اپنے پیرومرشد کے امر جلیل القدر کے بموجب اور بایمائے طلبِ قاضی صاحب، پانی پت تشریف لے گئے اور حضرت مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاء کے مزارِ مبارک کی زیارت کی۔ دورانِ مراقبہ حضرت مخدوم صاحب نے قاضی صاحب کی باطنی تعلیم وتربیت کی سفارش کی۔ چنانچہ زیارت کے بعد، بقول قاضی صاحب:

''ایشاں ماہردو برادران راطلبیدہ از وصیت حضرت شیخ کہ در وقت انتقال. واز سفارشِ حضرت مخدوم جلال کہ بوقتِ زیارت مزارِ خود برائے تعلیم وتربیت مانمودہ بودند، آگاہ ساختند، وفرمودند کہ من برائے ہمیں کارآمدہ ام۔ بعدازاں ماہردو برادران برائے سلوک طریقہ بجان ومال بخدمت حضرت ایشاں رجوع نمودیم''۔[۹۸]

قاضی صاحب سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت مرزا صاحب کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے اور بہت جلد تمام منازلِ سلوک طے کرلیں۔ شاہ غلام علی لکھتے ہیں:

''بردستِ حضرتِ ایشاں (مرزا صاحب) درنقشبندیہ بیعت کردند ومقاماتِ ایں طریقہ دراندک مدت رسیدہ، خلافت واجازتِ تلقینِ طریقہ یافتند''۔[۹۹]

خود قاضی صاحب کا بیان ہے کہ:

''ہژدہ سالہ بودم کہ از تحصیل علم ومقامات ایں طریقہ فراغت یافتم۔ تعلم علم وکسبِ فیوض طریقہ می کردم''۔[۱۰۰]

باوجود اس فراغت کے ذوق کی تسکین نہ ہوتی تھی اور خوب سے خوب تر کی تلاش ہر دم جاری رہتی تھی۔ چنانچہ ۳۵ سال تک اکتسابِ فیض باطن میں مشغول رہے۔ خود فرماتے ہیں:

toobaafoundation.com

''تا سی و پنج سال از وطن خود بخدمتِ آنحضرت مشرف شدہ ام و آنحضرت در پانی پت آمدہ بخانہ فقیر تشریف می داشتند واستفادہ انوارِ صحبتِ مبارک می نمودم۔ بحالِ من بسیار عنایت می فرمودند''۔[۱۰۱]

اسی ''استفادۂ انوارِ صحبت مبارک'' کا ثمرہ تھا کہ قاضی صاحب ''نسبت'' اور ''ضمنیت'' میں اپنے پیرومرشد کے ساتھ برابر کے شریک ہوگئے تھے۔ حضرت مرزا صاحب کا بیان ہے کہ:

''نسبت ایشاں بانسبت فقیر در طول ورفعت مساوی است لیکن درعرض وپہن اندک متفاوت''۔[۱۰۲]

اور شاہ غلام علی نے حضرت مرزا صاحب کا بیان اس طرح نقل کیا ہے:

''حضرت ایشاں در بارہ حضرت قاضی ثناء اللہ فرمودند کہ درنسبت باطن ماوشما ہیچ تفاوت نیست''۔[۱۰۳]

نیز قاضی صاحب کے متعلق مرزا صاحب یہ بھی فرماتے ہیں:

''ایشاں ضمنی فقیر اند وفقیر ضمنی حضرت شیخؒ است''۔[۱۰۴]

بروایت مولوی نعیم اللہ بہرائچی، قاضی صاحب خود ضمنیت کے معنی کی تحقیق کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ:

''ضمنیت از مقامات طریقہ نیست۔ ضمنیت عبارت است از مناسبت قومی۔ شخصے را از اولیاء اللہ بابزرگترے از خود، ولی باشد بزرگتر یا نبی وبقسمے کہ بہ نسبت آن مناسبتِ قویہ وہر فیضے کہ از مبدأ فیاض بر متضمن، بالکسر، فایض شود، بے اختیار متضمن، بالفتح، در آں شریک شد، پس ضمنیت اکرم الرسل، صلی اللہ علیہ وسلم، را ضمنیت کبریٰ گویند۔ وضمنیت دیگرے را از اولیاء ضمنیت صغریٰ گویند۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ را ضمنیت کبریٰ متحقق بود کہ درحق اورسول اکرم، صلی اللہ علیہ وسلم، فرمودہ: مَاصَبَّ اللّٰہ

toobaafoundation.com

فِی صَدْرِی اِلَّا صَبَّهُ فِی صَدْرِ اَبِیْ بَکْرٍ ۔ وحضرت محمد سعید خازن الرحمۃ نامدار بزرگوار خود حضرت مجدد الف ثانی، رضی اللہ عنہما، ضمنیت داشتند ۔ وامیر خسرو را با سلطان المشائخ نظام الدین ضمنیت بود۔ وحضرت پیرومرشد ایشاں شہید رضی اللہ عنہ فقیر حقیر محمد ثناء اللہ را بضمنیت خود بشارت دادہ بودند"۔[۱۰۵]

قاضی صاحب اپنے ایک طویل مکتوب کے آخر میں جو مقامات مجددیہ سے متعلق شاہ غلام کو لکھا تھا، ضمنیت کے معنی لکھتے ہیں اس میں کچھ الفاظ کی تبدیلی بھی ہے اور مزید کچھ تفصیل بھی۔ لکھتے ہیں:

"ضمنیت از مقامات سلوک نیست بلکہ ضمنیت عبارت است ازاں کہ یک ولی در ضمنِ دیگرے باشد پس ہر کمالیکہ متضمن، بروزن فاعل، را بہم رسد بے اختیار متضمن، بروزن مفعول، درآں شریک باشد چنانچہ ماہی کلاں ماہی خود را رشکم گیرد و ہر جا کہ ماہی کلان سیر کند ماہی خورد ہم بے اختیار دراں سیر شریک باشد۔ پس ضمنیت یک ولی اگر ولی دیگر را دست دہد آں را ضمنیت صغریٰ گویند و ہر کرا ضمنیت بارسول اکرم دست دہد او را ضمنیت کبریٰ گویند۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ را ضمنیت کبریٰ بود ولہذا رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، فرمود: مَاصَبَّ اللّٰہ فِی صَدْرِی اِلَّا صَبَّهُ فِی صَدْرِ اَبِیْ بَکْرٍ ۔ رسول فرمود کہ من وابوبکر دو سواریم در مسابقت اسپ، من سبقت کردہ۔ حضرت شیخ محمد عابد ضمنیت کبری داشتند و حضرت شیخ مرزا صاحب رضی اللہ عنہ مارا بضمنیت خود بشارت دادہ بودند نہ بضمنیت کبریٰ، لیکن چوں آنحضرت ضمنیت کبریٰ داشتند وایشاں شہید در ضمن اوشان بودند ضمنیت کبریٰ بتوسط لازم می آید وایشاں شہید ایں عاصی را بضمنیت خود بشارت دادہ بودند"۔[۱۰۶]

toobaafoundation.com

اسی لیے تو نہ جانے کتنی بار حضرت مرزا صاحب نے قاضی صاحب کے بارے میں یہ کہا تھا کہ:

''نیک و بد ایشاں بعینہٖ نیک و بد فقیر است''۔[۱۰۷]

''نیک و بد شما بعینہٖ نیک و بد فقیر است، خدا می داند''۔[۱۰۸]

اور اسی نسبت و ضمنیت کا فیض تھا کہ مرید و مرشد ایک جان دو قالب نظر آتے تھے۔ مولوی نعیم اللہ بہرائچی حضرت مرزا صاحب کا بیان نقل کرتے ہیں کہ:

''روزے حضرت ایشاں فرمودند کہ از مخصوصانِ مانوسِ فقیر بر روئے زمین یافتہ نمی شود کہ پاس دو پاس باوے صحبت داشتہ آید، خفگی و دل تنگی درمیان نیاید، مگر ذاتِ بابرکات حضرت مولوی ثناء اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ، سالہا اگر با فقیر صحبت و اختلاط دارد اصلاً حالِ ظاہر، و نسبت باطن فقیر متغیر نگردد''۔[۱۰۹]

یہی تو وہ محبت اور لگاؤ تھا جس نے حضرت مرزا صاحب کی زبان مبارک سے نکلوایا تھا کہ:

''وجودِ ایشاں باعتقاد فقیر عزیز ترین موجودات است''۔[۱۱۰]

جب فرشتے قاضی صاحب کی تعظیم و تکریم کرتے تھے تو مرزا صاحب کا یہ اعتقاد کیوں نہ ہوتا۔ مرزا صاحب ہی کا بیان ہے کہ:

''ایشانِ ملکی صفات اند و ملائکہ کرام تعظیم و تکریم ایشاں می کنند''۔[۱۱۱]

اسی سلسلے میں شاہ غلام علی ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ:

''روزے فقیر (غلام علی) بحضور (مرزا صاحب) حاضر بودم و حلقۂ ذکر و مراقبہ منعقد بود ایشاں (قاضی صاحب) درآمدند۔ فرمودند، شما چہ عمل می نمائید کی ملائکہ بجہت تعظیمِ شما جا خالی نمودند''۔[۱۱۲]

مولوی محمد حسن نقشبندی مجددی مظہری نے بھی لکھا ہے کہ:

''حضرت قاضی صاحب، حضرت مرزا صاحب کی مجلس میں آنے کو

toobaafoundation.com

ہوتے تو مرزا صاحب پہلے ہی سے ان کے واسطے اپنے قریب جگہ خالی کرادیا کرتے تھے کہ اسی اثناء میں یہ آجاتے اور اس جگہ بیٹھ جاتے۔ ایک روز کسی نے حضرت مرزا صاحب سے کہا کہ کیا آپ کو ازروئے کشف ان کے آنے کی خبر معلوم ہوجاتی ہے کہ آپ ان کے واسطے جگہ خالی کرادیتے ہیں۔ فرمایا: نہیں بلکہ جب میں دیکھتا ہوں کہ فرشتے تعظیماً کھڑے ہونے لگتے ہیں تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ قاضی صاحب آرہے ہیں اور میں ان کے واسطے جگہ خالی کرادیتا ہوں"۔[۱۱۳]

سبحان اللہ! کیا مقام تھا ان بزرگوں کا۔

حضرت مرزا صاحب، قاضی صاحب سے بے حد متاثر تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ:

"از اجتماع انوارِ کمالات ظاہری و باطنی وضیاء صحِ صلاح وتقویٰ ایشاں، دلم ستیز مہابت می گردد"۔[۱۱۴]

شاہ غلام علی نے مرزا صاحب کا ایک قول یوں نقل کیا ہے:

"در دل مہابتِ ایشاں می آید"۔[۱۱۵]

حضرت مرزا صاحب کو اپنے تمام خلفاء میں قاضی صاحب سب سے زیادہ عزیز تھے۔ مرزا صاحب فرمایا کرتے تھے:

"اگر خدائے تعالیٰ بروزِ قیامت از بندہ پرسد کہ در درگاہِ ما تحفہ چہ آوردی۔ عرض کنم ثناء اللہ پانی پتی"۔[۱۱۶]

یہی حال قاضی صاحب کا تھا کہ وہ مرزا صاحب کو اپنا باپ، دادا، مربی اور خاندانی بزرگ سمجھتے تھے۔ مولوی نعیم اللہ بہرائچی کو ایک خط میں قاضی صاحب نے لکھا تھا:

"وایں فقیر، سوائے علاقہ، پیری ومریدی، از صغرسن چوں در کنف تربیت آنجناب پرورش یافتہ، پدر وجد واستاد ومربی سوائے آنجناب نداشتم"۔[۱۱۷]

toobaafoundation.com

قاضی صاحب کے مشائخ طریقت

۱۔ شیخ محمد عابد سنامی رحمۃ اللہ علیہ:

شیخ محمد عابد سنامی، شیخ عبدالاحد کے خلیفہ، جانشین اور قائم مقام تھے۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ بکثرت عبادت وریاضت کیا کرتے تھے۔ بیس ہزار مرتبہ کلمہ، ایک ہزار مرتبہ نفی واثبات بحبس دم، ایک منزل قرآن کی تلاوت اور ایک ہزار مرتبہ درود شریف ان کا روزانہ کا وظیفہ تھا۔ تہجد کی نماز میں سات مرتبہ سورہ یٰسین پڑھتے تھے۔ پیدل حج کر کے آئے تھے۔ ان کی خانقاہ اہل اللہ کا مرکز بنی رہتی تھی۔ تقریباً دوسو علماء ان کے حلقے میں موجود رہتے تھے۔ خاص طور سے جمعہ کے روز زبردست اجتماع ہوتا تھا۔ بے شمار لوگوں نے ان سے فیض حاصل کیا۔[۱۱۸]

شیخ محمد عابد سنامی نے تفسیر وحدیث اور فقہ کی تعلیم پانی پت میں مولوی ہدایت اللہ سے حاصل کی تھی جو قاضی صاحب کے جدامجد تھے اور شیخ نے سب سے پہلے جس کو مرید کیا وہ قاضی صاحب کے والد مولوی حبیب اللہ تھے۔[۱۱۹]

قاضی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شیخ آخر عمر میں ایک بار پانی پت تشریف لائے اور فرمایا کہ عمر اب آخر ہے میں اس بار خاص طور سے تم دونوں بھائیوں، یعنی مولوی فضل اللہ اور مولوی ثناء اللہ، کے حقوق کی ادائیگی کی خاطر، جو باعتبار صاحبزادگی کے میرے ذمے ہیں، یہاں آیا ہوں۔ اس کے بعد ہم دونوں بھائیوں کو طریقہ عالیہ مجددیہ کے ذکر کی تعلیم دی اور دہلی واپس تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ کی

toobaafoundation.com

برکت سے میرے باطن میں خدا طلبی کا ذوق پیدا ہو کر میرے دل کی حکومت پر مسلط ہو گیا۔ تلاش معاش کے سلسلے میں نانا جان، نواب لطف اللہ خاں صادق، کے یہاں دہلی میں اکثر رہنا ہوتا تھا تو حضرت سے مستفید ہوتا رہتا تھا یہاں تک کہ میں نے ولایت صغریٰ تک ان سے اکتساب کیا۔ جب حضرت شیخ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو ہم دونوں بھائیوں کی تعلیم وتربیت کے لیے مرزا مظہر جان جاناں کو وصیت کی اور غائبانہ طور پر ہمارے استحقاق حقوق قدیمانہ سے ان کو مطلع کیا۔[۱۲۰]

حضرت شیخ محمد عابد سنامی کا انتقال ۱۸؍رمضان المبارک ۱۱۶۰ھ/ ۱۲؍ستمبر ۱۷۴۷ء کو ہوا۔[۱۲۱]

۲۔ مرزا مظہر جان جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ

مرزا صاحب کا سلسلہ نسب اٹھائیس واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچتا ہے۔[۱۲۲] جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب میں ۱۱؍رمضان المبارک کو مرزا صاحب کی ولادت ہوئی۔ سن ولادت ۱۱۱۰ھ یا ۱۱۱۱ھ یا ۱۱۱۳ھ ہے۔[۱۲۳] مرزا صاحب کا بچپن آگرہ میں گزرا اور ابتدائی تعلیم وتربیت بھی وہیں ہوئی۔ لیکن دہلی کو انھوں نے اپنی قیام گاہ بنایا۔ ان کی خانقاہ جامع مسجد کے قریب کوچہ امام میں تھی۔[۱۲۴] آپ کے اساتذہ میں قاری عبدالرسول اور حاجی محمد افضل سیالکوٹی قابل ذکر ہیں۔[۱۲۵] مرزا صاحب فقہ وحدیث، سیر وتواریخ میں مہارت رکھتے تھے۔ فن سپہ گری میں بھی ان کو کمال حاصل تھا۔ شعر گوئی کی طرف بچپن ہی سے مائل تھے۔ فارسی شعراء کی صف میں ان کا مقام اعلیٰ وارفع ہے۔ تربیت باطن کے لیے سب سے پہلے مرزا صاحب، سید نور محمد بدایونی (متوفی ۱۱۳۵ھ) سے نقشبندیہ سلسلہ میں بیعت ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد چند دیگر مشائخ سے استفادہ کیا اور آخر میں انھوں نے شیخ محمد عابد سنامی سے بیعت کی اور قادریہ، سہروردیہ اور چشتیہ سلاسل کی تعلیمات حاصل کیں۔[۱۲۶]

مرزا صاحب نے اپنی زندگی طریقت کی اشاعت، لوگوں کی اصلاح اور

toobaafoundation.com

تربیت باطنی کے لیے وقف کردی تھی۔ چنانچہ بے شمار لوگوں نے ان سے استفادہ کیا۔ ان کے بہت سے خلفاء ہوئے۔ مرزا صاحب ترویج طریقت کی خاطر دہلی چھوڑنے پر آمادہ رہتے تھے اور اکثر قاضی صاحب کے پاس پانی پت میں اسی مقصد سے مقیم رہا کرتے تھے۔ پانی پت سے ماہ صفر ۱۱۸۸ھ میں مرزا صاحب نے سید موسیٰ خاں[۱۲۷] کے خط میں دہلی چھوڑنے کی جو وجہ لکھی وہ یہی ہے کہ وہاں طالبان خدا کم ہیں۔ لکھتے ہیں:

''سببِ ترکِ اقامت در دہلی آنست کہ طالبان خدا در شہر کمترند ودر قصبات بیش تر۔ اسباب تنعم وتجمل کہ سرمایۂ غفلت است در شہر بسیار تر می باشد ودر دہات وقریٰ کمتر''۔[۱۲۸]

پانی پت میں طالبان خدا کا ہجوم اور ان کا ذوق اس کثرت سے ہوتا تھا کہ مرزا صاحب دن میں چار مرتبہ حلقہ تعلیم وتربیت کیا کرتے تھے۔ اسی خط میں لکھتے ہیں:

''ہر روز چہار وقت حلقہ می شود۔ صبح ونصف النہار وشام و (وقت) خفتن مردمان حاضر می شوند، از علماء وسادات، طائفہ طائفہ از مقامات گزشتہ اجازت یافتہ ببلا درخصت مراجعت می یابند''۔[۱۲۹]

مرزا صاحب ہمہ وقت ترویج طریقہ، طاعات وعبادات میں مصروف رہتے اور اپنے ہر ہر عمل کو سنت کے مطابق ڈھالتے۔ اتباع سنت ہی کی خاطر مرزا صاحب نے قاضی صاحب سے ایک ایسی کتاب لکھنے کی فرمائش کی جو سیرت نبوی کو احادیث کی روشنی میں پیش کر سکے۔ چنانچہ قاضی صاحب نے شیخ محمد بن یوسف الصالحی کی کتاب ''سبیل الہدی والرشاد'' کی تیسری جلد کی تلخیص ''اللباب ہدیۃ للاصحاب'' کے نام سے تیار کر کے پیش کی تھی۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی تحریر جو کلمات طیبات میں چھپی ہے مرزا صاحب کی عظمت کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: ان کی جو قدر ہم لوگ جانتے ہیں، وہ آپ لوگ کیا جانیں۔ ہندوستانیوں سے تو ہم خوب واقف ہیں

toobaafoundation.com

ہیں، عرب کی بھی ہم نے سیر کی ہے اور دیگر ممالک کا حال بھی سنا اور پڑھا ہے مرزا صاحب نے شریعت وطریقت اور کتاب وسنت کی راہ جس طرح ہموار اور قائم کی ہے اور طالبانِ حق کی تعلیم میں جو سعی بلیغ کی ہے اس کی مثال دنیا کے کسی ملک میں نہیں پائی جاتی ہے۔ چند قدیم بزرگوں کے علاوہ ہر زمانے میں ان جیسا تو کوئی کم ہی ہوا ہے جب کہ اس فتنہ وفساد کے زمانے میں تو کوئی سوال ہی نہیں ہے۔[۱۳۰]

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے حضرت مرزا صاحب کے اوصاف اس طرح بیان کیے ہیں:

"قبلۂ اہل کمال، مخلص حضرت ذوالجلال، قدوۂ اولیائے عصر، خلاصۂ اصفیائے دہر، دریگانہ ایجاز معنی گوہر شاہوار، درگاہ سبحانی، درعلومِ ظاہر مثل شمس اظہر، ودر حقائق باطن مثل جان ارفع واستر۔ دو اسم مبارکش گواہند بریں مدعا۔ شب وروزش دو شاہد برکمال تقویٰ۔ ای کتاب ہمہ دانی وای تاویل متشابہات قرآنی وای منبع سنت پیغمبری وای مظہر انوار سروری

اے مراچوں مصطفیٰ من چون عمر
از برائے خدمت بندم کمر
اے لقائے تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل قال
ترجمانی ہرچہ مارا در دل است
دستگیرے ہر کہ پایش درگل است
تاقیامت گربگویم ایں کلام
صد قیامت بگزرد ایں نا تمام

پیر مرشد برحق، خداوند نعمت، حبیب اللہ، نائب رسول اللہ، مَنْ اُعْطِیَ مَکَاناً عَلِیًّا و لَمْ یَجْعَلْ لَهُ مِن قَبْلُ سَمِیًّا حضرت

toobaafoundation.com

مرزا جانجاناں حنفی مذہباً ومجددی مشرباً وشمس الدین لقبا مُدَّ اللّٰہُ تَعَالٰی ظِلَالَ جَلَالِہٖ وَکَمَالِہٖ وَقَدَّ سَنَا اللّٰہُ بِبَرَکَتِہٖ وَاَفْضَالِہٖ۔[۱۳۱]

۶، ۷ محرم ۱۱۹۵ھ مطابق ۲، ۳ جنوری ۱۷۸۱ء کی درمیانی شب میں کچھ لوگ زیارت کے بہانے مرزا صاحب کے پاس آئے۔ ایک شخص نے ان پر پستول سے فائر کیا اور سب فرار ہو گئے۔ گولی سینہ پر بائیں جانب، دل کے پاس لگی۔[۱۳۲] زخم کھانے کے بعد تین دن تک مرزا صاحب زندہ رہے۔ ضعف بڑھتا گیا، آخر تیسرے روز جمعہ کے دن بوقت مغرب ۹، ۱۰ محرم کی درمیانی شب میں روح مبارک نے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرمایا۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ میں پانی پت میں تھا۔ حضرت کے انتقال کی خبر سنی، بیقرار اور پریشان ہو گیا۔ اور بے ساختہ زبان پر آیا اُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ ۔ پھر بعد میں جب تاریخ وفات لکھنے کا خیال آیا تو جیسے ہی اس آیت کا حساب لگایا تاریخ نکل آئی۔ حالاں کہ شعر گوئی میں مجھ کو مہارت نہیں ہے تاہم دو قطعے تاریخ موزوں کیے ہیں جو اگرچہ شعراء کے نزدیک بلیغ نہیں ہیں۔

قطعہ اولی:

آنحضرتِ میرزاے مظہر — جان جاناں حبیب اللہ
شمس دین بود وقطب ارشاد — فرزند رشید حضرت شاہ
در وصفِ کمال او زبان لال — دستِ عقل وخیال کوتاہ
آن تابع سنت پیمبر — انگشتِ شہادت ید اللہ
غواص بحار بطن معنی — از رمز مقطعات آگاہ
ز اطراف جہاں مرید حق را — بُد عقبہ عالیش گزر گاہ
از دست نظیر ابن ملجم — زخمی برداشت برنہیگاہ
از حب رسول ویار غار — کینہ نگرفتہ زاں علی جاہ

toobaafoundation.com

آن شب کہ صباح بود عاشورہ　　با ابن رسول گشت ہمراہ
تاریخ شہادتش ازاں شد　　اولئک مع الذین انعم اللہ
۱۱۹۵ء

قطعہ ثانیہ:

آن قبلۂ اربا تُقیٰ عاش حمیدا　　واں قدوۂ اصحاب رضا مات شہیدا
مجموعۂ ہردو وصفِ سال وفاتش　　مظہر رضی اللہ لقد کان سعیدا
عاش حمیداً مات شہیدا [۱۳۳]
۱۱۹۵ء

منصب قضاء:

قاضی صاحب منصب قضا پر کب فائز ہوئے اس کا کوئی واضح ثبوت تو کہیں دستیاب نہیں ہوتا البتہ اتنا اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ وہ احمد شاہ (۱۷۴۸ء۔۱۷۵۴ء) کے دورِ حکومت میں اس عہدے پر فائز ہو گئے تھے۔ کیوں کہ جب قاضی صاحب تحصیل علم سے فارغ ہوئے تو اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی خود قاضی صاحب کا بیان ہے:

''ہژدہ سالہ بودم کہ از تحصیل علم و مقامات ایں طریقہ فراغت یافتم'' [۱۳۴]

قاضی صاحب کا سن فراغت ۱۷۴۴ء تھا کیوں کہ قاضی صاحب کی پیدائش ۱۷۲۶ء کی تھی۔ یہ محمد شاہ (۱۷۱۹ء۔۱۷۴۸ء) کی حکومت کا زمانہ تھا اور معرکہ نادری ۱۷۳۹ء میں برپا ہو چکا تھا [۱۳۵] قاضی صاحب کے نانا، شمس الدولہ مہتور جنگ نواب لطف اللہ خاں، جو شش ہزاری منصب دار اور خالصہ و قلعہ معلیٰ کے منتظم اعلیٰ تھے، اپنی حق گوئی و بے باکی کی پاداش میں مورد عتاب ہو گئے تھے۔ مگر احمد شاہ کے عہد میں نہ صرف اپنے عہدوں پر بحال ہوئے بلکہ خطاب میں لفظ ''صادق'' کا بھی اضافہ ہوا [۱۳۶] غالباً یہ وہی زمانہ ہوگا جب کہ قاضی صاحب نے اپنے نانا کے توسط سے منصب شاہی کے حصول کی کوشش کی تھی۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں:

toobaafoundation.com

''بعلاقہ روزگار و منصب بادشاہی کہ بتوسط لطف اللہ خاں صادق کہ پدرِ مادرِ فقیر بودند، بیشتر استقامت در دہلی میں افتاد''۔[۱۳۷]

منصب قضا کے علاوہ قاضی صاحب کا کسی اور عہدے پر فائز ہونے کا کوئی سراغ نہیں ملتا ہے اس لیے اغلب یہی ہے کہ وہ احمد شاہ کے عہد میں ابتداء ہی سے قاضی کے عہدے پر فائز ہو گئے تھے۔

قضاء کے نشیب و فراز سے قاضی صاحب بہت اچھی طرح واقف تھے۔ انھوں نے اسی ماحول میں آنکھ کھولی تھی۔ ان کے بھائی ان کے والد اور ان کے دادا سب کے سب قاضی تھے۔ جیسا کہ خود قاضی صاحب نے اپنے وصیت نامے کی نوع دیگر میں لکھا ہے:

''فقیر و برادر فقیر و پدر فقیر و جد فقیر بخدمت قضاء مبتلا شدند''۔[۱۳۸]

چنانچہ یہ منصب ان کے لیے انتہائی موزوں بھی تھا اور چوں کہ اس زمانے میں متدین علماء کی کمی تھی اس لیے حکومت نے ان کو قاضی کے عہدے پر فائز کیا۔[۱۳۹] چنانچہ انھوں نے اس عہدے کا ایسا حق نبھایا کہ ناعاقبت اندیش قاضیوں کی رسومِ متعارفہ کا ان کی شان سے کبھی ظہور نہ ہوا بلکہ ایک بار ایسا ہوا کہ ان کے دفتر کے ایک اہل کار نے، جس کے پاس ان کی مہر رہتی تھی، کسی سے کچھ رشوت لے کر اس کی دستاویز پر مہر لگا دی۔ قاضی صاحب کو اس بات کا علم ہوا تو اس اہل کار کو سخت سزا دی اور جس سے جو کچھ اس نے لیا تھا وہ اس کو واپس کر دیا۔[۱۴۰] قاضی صاحب کی عدالت حق اور دیانت کے ساتھ انصاف کے لیے مشہور تھی۔ کسی قسم کے لالچ یا کسی کی حق تلفی کا وہاں گزر نہ تھا۔ یہ بات مشہور تھی کہ منصب قضا کا صحیح حق ادا کرنا قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی خصوصیت ہے۔[۱۴۱] قاضی صاحب نے معاملات اور فیصلوں میں احتیاط بھی حد درجہ کمال کو پہنچا دی تھی۔ 'مہر قضا' کو کبھی کسی کے سپرد نہ کرتے تھے چاہے ان کے لڑکے یا عزیز ہی کیوں نہ ہوں بلکہ ہمیشہ اپنے ازار بند میں باندھے رہتے تھے تاکہ کوئی اس کا غلط استعمال نہ کر سکے۔[۱۴۲]

toobaafoundation.com

قاضی صاحب نے جس حسن وخوبی کے ساتھ پانی پت میں انصاف برپا کیا تھا اس کی مثال اس دور میں کہیں نہیں ملتی۔ عوام ان کے احکام اور اعلانات کو دل و جان سے تسلیم کیا کرتے تھے۔ مولوی نعیم اللہ بہرائچی اپنی آنکھوں دیکھا حال یوں بیان کرتے ہیں:

''ایں چنیں اجراء وانفاذ احکامِ شریعت، از برکتِ وجودِ شریفِ ایشاں (قاضی صاحب) کہ در قصبہ پانی پت باوجود غلبہ کفار مرہٹہ موجود است در ممالکِ دیگرِ اسلام بالفعل یافتہ نمی شود۔ بایں طور آدابِ خدمتِ قضا را گزاردن کارِ ہر کس نیست۔ بنابریں انگشتِ اعتراض برصفحۂ مستندِ قضا کہ منافیِ طریقِ صوفی گری می نماید نمی رسد۔ فقیر (نعیم اللہ) چہل روز در خدمت وصحبتِ شریف در پانی پت ماندم۔ انفاذِ حکم واعلامِ ایشاں بر دلہائے خلائق مؤثر یافتم''۔[۱۴۳]

قاضی صاحب کا عہد، تاریخ کا ایک ایسا پُر آشوب اور مکروہات سے بھرا ہوا دور تھا کہ قاضی صاحب جیسے دین دار، دیانت دار اور صوفیانہ مزاج رکھنے والے شخص پر قضا کا منصب کبھی کبھی ایک بارِ گراں گزرتا ہوگا۔ ممکن ہے اسی وجہ سے انھوں نے ایک بار اس عہدے سے مستعفی ہونے کا ارادہ بھی کرلیا تھا۔ لیکن ان کے پیر ومرشد حضرت مرزا مظہر جانجاناں نے یہ کہتے ہوئے ان کو استعفیٰ دینے سے باز رکھا کہ اگر تم نے استعفیٰ دیا تو تم جیسے ماہِ شریعت کے فیضانِ نور اور آفتاب طریقت کی ضیا پاشیوں سے یہ لوگ، جو خواہشات وبدعات کے بحرِ ظلمات میں مستغرق ہیں، محروم ہوجائیں گے۔[۱۴۴]

تاہم قاضی صاحب نے اس منصب کو کما حقہ نبھانے کی کوشش کی۔ پھر بھی انھیں ہمیشہ یہ خیال دامنگیر رہا کہ وہ اپنے منصب کا پورا حق ادا نہیں کر پا رہے ہیں۔ جیسا کہ وہ اپنے وصیت نامے کی نوعِ دیگر میں رقم طراز ہیں:

''ہر چند آنچہ می یابد حقِ ایں خدمت از ما ادا نہ شدہ، خصوصاً ازیں فقیر پُر تقصیر کہ بیشتر عمر در زمانۂ فاسد تر یافتہ ازیں جہت نادم

toobaafoundation.com

ومستغفرم، اما بحول اللہ وقوتہ طمع ازیں خدمت نہ کردہ ام واز اکثر ابنائے روزگار نوعی بخوبی کردم الحمدللہ علی ذالک۔ ازیں جہت از فضل الٰہی امید مغفرت دارم مقصودِ اصلی درنیت فقیر ہمیں است، اما ببرکتِ ہمیں عمل، جملہ مسلمانان بلکہ ہنود ہم ہر کسے کہ ملاقات کردہ معززِ داشتہ وغنیمت شمردہ، وگرنہ علماء بہتر ازمن موجوداند کسے نمی پرسد واز باطن کسے دیگراں راچہ خبراست۔ ایں دلیل است برآنکہ اگر مصلحت دینی را بردنیا مقدم داشتہ شود دنیا ہم ازوے روگرداں نمی شود۔

مصرعہ: دہد یزداں مراد متقی

پس ازفرزندانِ من کسے کہ خدمتِ قضا اختیار کند، طمع وخاطر داریٔ ناحق رادخل ندہد وبروایت معتبر مفتیٰ بہ عمل نماید"۔[۱۴۵]

عہدہ قلعہ داری کی پیش کش:

پانی پت میں ایک قلعہ تھا جو کبھی انتہائی بارونق تھا۔ مغل بادشاہ یہاں آرام کیا کرتے تھے اور یہ قلعہ کبھی مغل گورنروں کی قیام گاہ بھی تھا۔ لیکن قاضی صاحب کے زمانے میں اس کی یہ حیثیت باقی نہ رہی تھی بلکہ شاہی قیام گاہ کے بجائے اس کی حیثیت ایک سرائے کی سی ہوگئی تھی۔[۱۴۶] بہادر سنگھ، ایک گروہ بند سکھ، نے اس قلعہ پر قبضہ جمار کھا تھا۔[۱۴۷] پانی پت کے بعض انصاری صاحبان عہدۂ قلعہ داری کے خواہاں اور اس کے حصول کے لیے کوشاں تھے۔[۱۴۸] شرفائے پانی پت، شہر کے کسی علاقے پر بھی سکھوں کی اجارہ داری پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے ایک مشترکہ عرضی دہلی بھیجی جس میں قاضی صاحب کو قلعداری کا عہدہ سپرد کرنے کی درخواست کی گئی تھی۔[۱۴۹] پانی پت کے علاقہ سے متعلق امور اس وقت نواب مختار کے سپرد تھے۔ رائے کیول رام اور لالہ ہرپرشاد کی معرفت وہ عرضی نواب صاحب کی خدمت میں پیش ہوئی۔[۱۵۰] رائے کیول رام، محکمۂ اخبار وڈاک کے افسرِ اعلیٰ تھے۔ اور ان کے

toobaafoundation.com

لڑکے لالہ ہر پرشاد بھی اسی محکمہ کے ایک عہدے دار تھے۔ پنجاب کی طرف کا کام ان ہی دونوں کے ذمے تھا۔ ایک بار رائے کیول رام کو سکھوں سے گفت وشنید کے لیے بھی سرکاری سفیر بنا کر سرہند بھیجا گیا تھا۔ لالہ ہر پرشاد اکثر پانی پت آتے جاتے رہتے تھے۔ قاضی صاحب سے یہ دونوں اچھی طرح واقف تھے اور مرزا صاحب کے بڑے عقیدت مند تھے۔[۱۵۱] ان دونوں نے پانی پت کے تمام حالات اور قاضی صاحب کے اوصاف نواب صاحب کو تفصیل کے ساتھ بتا دیئے۔ نواب صاحب نے قاضی صاحب کے نام پانی پت کی قلع داری کی سند لکھ دی۔ وہ لوگ یہ سند لے کر مرزا صاحب کے پاس آئے اور ایک قاصد کے ہاتھ یہ سند پانی پت بھیج دی گئی۔ ایک ہفتہ کے بعد قاصد واپس آیا اور محمد جمیل اور امر اللہ چودھری کی مہر لگا ہوا یہ جواب لے کر آیا کہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پت میں آج کل موجود نہیں ہیں، کیرانہ گئے ہوئے ہیں۔ بہادر سنگھ قلعہ پر قابض ہے اور جنگ پر آمادہ ہے۔ چنانچہ نواب مختار نے پھر ایک سند مزید احکام واستقلال کے ساتھ قاضی صاحب کے نام لکھی اور قبضہ دلانے کے لیے راؤ شیوناتھ کے پاس سونی پت بھیجی۔[۱۵۲] اس کے بعد کیا ہوا؟ اس کا کچھ سراغ نہ مل سکا۔

قاضی صاحب کے معمولات:

قاضی صاحب نے اتباع سنتِ نبوی کو اپنی زندگی کا خاص معمول بنا لیا تھا یہاں تک کہ آپ تقلیل طعام وتکثیر صیام سنت کے طور پر کیا کرتے تھے۔ مولوی نعیم اللہ بہرائچی لکھتے ہیں:

> ''وتمام عادات شریف از تقلیل طعام وتکثیر صیام وغیرہ بطور سنت سنیہ''۔[۱۵۳]

روزانہ تہجد کی نماز میں ایک منزل قرآن پاک کی پڑھنا ان کا معمول تھا اور اس معمول کی پابندی میں اتنی شدت تھی کہ سفر میں بھی اس میں کوئی فرق نہ آتا تھا۔ ''بشارات مظہریہ'' میں لکھا ہے:

toobaafoundation.com

''تلاوتِ قرآن حضرت مولانا بطور منزل فمی بشوق در صلوٰۃ تہجد در سفر وحضر بیشتر معمول است''۔[۱۵۴]

نیز سو رکعات نماز ادا کرنا آپ کا روزانہ کا وظیفہ تھا۔ شاہ غلام علی نے لکھا ہے:

''ایشاں یک منزل قرآن مجید در تہجد وصد رکعت نماز وظیفہ داشتند''۔[۱۵۵]

نیز شاہ غلام علی ہی مقامات مظہری میں اس طرح لکھتے ہیں:

''اوقات بطاعت وعبادت معمور دارند۔ صد رکعت نماز وظیفہ مقرر نمودہ یک منزل قرآن در تہجد می خوانند''۔[۱۵۶]

قاضی صاحب روزانہ کچہری میں بیٹھتے تھے اور نہایت دیانت داری اور غیر جانب داری سے مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔ اس کام سے جو وقت بچتا تھا اس میں تصنیف وتالیف اور تعلیم علوم ظاہر وباطن میں مصروف رہتے تھے۔ قاضی صاحب جمعہ کا خطبہ بہت مختصر دیا کرتے تھے اور اس میں سلاطین وقت کا کوئی ذکر نہیں ہوتا تھا۔

قاضی صاحب کے اخلاق وعادات:

قاضی صاحب اسلامی اخلاق کی زندہ تصویر تھے۔ ان کی عادتیں کتاب وسنت کے عین مطابق تھیں۔ تقویٰ ودیانت کے اعتبار سے مولوی نعیم اللہ بہرائچی نے ان کو ''روح مجسم'' لکھا ہے۔[۱۵۷] اور مرزا صاحب نے ''نورِ مجسم دین ودیانت'' لکھا ہے۔[۱۵۸] وہ اپنے ہر عمل میں سنت نبوی کی پیروی کیا کرتے تھے اور اسی کی تلقین بھی فرماتے تھے۔ وصیت نامے میں اس طرح لکھتے ہیں:

''باید دانست کہ اکمل الاکملین از نوع بشر بلکہ از ملائکہ ہم، سید المرسلین محمد مصطفیٰ است، صلی اللہ علیہ وسلم، ہر کس ہر قدر بآن سرور شابہت بہم رساند در باطن وظاہر وصفات جبلی وکسبی وعلم واعتقاد وعمل در عادات وعبادات، آں کس را ہماں قدر کامل باید دانست''۔[۱۵۹]

قاضی صاحب ہر معاملے میں انتہائی احتیاط اور غور وفکر سے کام لیا کرتے تھے۔ احتیاط کا یہ عالم تھا کہ مہر قضا ہر وقت اپنے ازار بند میں باندھے رکھتے تھے تاکہ

toobaafoundation.com

کوئی اہل کار اس کا غلط استعمال نہ کر سکے۔ غلطی کے امکان کو کم سے کم کرنے کے لیے قاضی صاحب اس قدر غور و فکر سے کام لیا کرتے تھے کہ اکثر معاملات میں تاخیر ہو جایا کرتی تھی۔ مرزا صاحب نے اس کو قاضی صاحب کے معمول میں شمار کیا ہے۔ اور ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:

''چوں تاخیر ہمہ امور معمول بکار شما است''۔[۱۶۰]

قاضی صاحب انتہائی درگزر سے بھی کام لیا کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے مخالفین سے کبھی انتقام نہیں لیا۔ ایک بار قاضی صاحب کے مخالفین نے خود شرمندہ ہو کر ان سے مصالحت کر لی تو مرزا صاحب نے خوش ہو کر جو خط لکھا اس میں یہ جملہ بھی ہے:

''شما را پیش ازیں ہم انتقام منظور نبود''۔[۱۶۱]

قاضی صاحب بہت رحم دل واقع ہوئے تھے۔ حتی المقدور یتیموں اور بیواؤں کی سرپرستی کیا کرتے تھے۔ ان کے وصیت نامے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے بیٹے و بیٹیوں کی اولاد کی سرپرستی کے علاوہ قاضی صاحب اپنے بھائی مولوی فضل اللہ کی اولاد کی سرپرستی بھی کیا کرتے تھے۔ مرشد اول شیخ محمد عابد سنامی کی صاحبزادی کی پرورش قاضی صاحب نے اپنے ذمے لے رکھی تھی۔[۱۶۲] مرزا صاحب کے انتقال کے بعد ان کی اہلیہ کا قیام مستقل قاضی صاحب کے یہاں رہتا تھا۔[۱۶۳] مرزا صاحب کی بیگم کی متبنّیٰ شاہ علی مرحوم کی لڑکی، بی بی امنہ کی شادی کا اہتمام قاضی صاحب نے کیا اور ان کے ایک ماؤف الدماغ لڑکے میاں مداری کی پرورش بھی قاضی صاحب نے کی تھی۔[۱۶۴]

قاضی صاحب، قاضی ہونے کی وجہ سے اقتدار کی کرسی پر فائز اور حکومت سے منسلک ہونے کے باوجود گوشہ نشین طبیعت رکھتے تھے اور امراء سے الگ تھلگ رہتے تھے۔ قاضی صاحب کے اس مزاج سے سب لوگ خوب واقف تھے۔ ایک مرتبہ نواب ارشاد علی خاں سنبھلی[۱۶۵] بسولی تشریف لے گئے تو وہاں نواب محبّ اللہ خاں[۱۶۶] سے دوران گفتگو قاضی صاحب کا ذکر آیا۔ نواب محبّ اللہ نے استدعا کی کہ کیا

toobaafoundation.com

ہی اچھا ہو کہ ایک مرتبہ قاضی صاحب بسولی تشریف لائیں اور ہمیں مہمان نوازی کا موقع عطا کریں۔ نواب ارشاد علی خاں، قاضی صاحب کے مزاج شناس تھے، بولے قاضی صاحب کا آنا تو مشکل ہے صرف ایک شکل یہ ہوسکتی ہے کہ حضرت مرزا صاحب یہاں تشریف لائیں اور قاضی صاحب ان کے ہمراہ ہوں، تب تو ان کا یہاں آنا ممکن ہوسکتا ہے۔[۱۶۷]

ایک غلط فہمی:

''کلمات طیبات'' میں مرزا مظہر جانجاناں کے خطوط کے نام سے ان کے خطوط کے اقتباسات چھپے ہیں۔ مؤلف کتاب ابوالخیر محمد بن احمد مرادآبادی نے مرزا صاحب کے مختلف خطوط کے اقتباسات کو یکجا کر کے ایک مکتوب قرار دے دیا ہے۔ اور اصل الفاظ میں ردوبدل بھی ہوگیا ہے۔

''کلمات طیبات'' میں سے مرزا مظہر جانجاناں کے خطوط کا اردو ترجمہ ڈاکٹر خلیق انجم نے ''مرزا مظہر جانجاناں کے خطوط'' کے نام سے شائع کیا ہے۔ مقدمے میں مرزا صاحب کی وسیع القلبی اس طرح بیان کی ہے:

> ''مرزا صاحب اتنے وسیع القلب اور انسان دوست تھے کہ کبھی کسی انسان کا دل دکھانا اور اسے معمولی سی تکلیف بھی پہنچانا پسند نہیں کرتے تھے، بلکہ حد تو یہ تھی کہ اگر کسی انسان کا زہد وتقویٰ کسی دوسرے آدمی کی تکلیف کا باعث ہو تو وہ ایسے زہد سے دامن بچانا پسند کرتے تھے۔ قاضی ثناء اللہ صاحب کو ایک خط میں لکھتے ہیں:
> میرے بھائی عجیب بات ہے پانی پت کا ہر شخص تمہاری شکایتوں سے بھرا ہوا آتا ہے۔ معلوم نہیں تم کیا کرتے ہو، اگر تمہاری سچائی اور دیانت لوگوں کی تکلیف کا سبب ہے تو ایسی راستی سے باز آؤ''۔[۱۶۸]

toobaafoundation.com

اسی طرح عبدالرزاق قریشی نے اپنی کتاب ''میرزا مظہر جانجاناں اور ان کا کلام'' میں ارشاد و ہدایت کی بحث میں لکھا ہے کہ:

''اپنے ارشد مریدین، قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو تنبیہ فرماتے ہیں کہ: برادرِ من عجب کاریست کہ ہر واحد از مردم پانی پت لبریز شکایت شما می آید، معلوم نیست چہ عمل از شما واقع می شود، اگر راستی و دیانت شما باعث ازارِ مردم است، از آن راستی بگذارید''۔[۱۶۹]

اس اقتباس سے اطہر عباس رضوی کو موقع مل گیا اور قاضی صاحب کو اس طرح بدنام کیا:

"The Mirza was not pleased, however with Thana Allah's hard line in promoting Sunni puritanism. In a letter the Mirza wrote:

Dear brother ! All the visitors from Panipat strongly complain about you. I have no knowledge of your behaviour. If your truthful speaking and integrity are troublesome, abandon such honest speech. You should try to tolerate the mistakes of others to please them, and to preserve their honour, for your behaviour defames the sufi discipline and the sufi pirs.[۱۷۰]

toobaafoundation.com

یہاں رضوی صاحب نے ایک تیر سے دوشکار کیے۔ قاضی صاحب کے ساتھ ساتھ مرزا صاحب کی شخصیت کو بھی مجروح کیا اور یہ ثابت کرنا چاہا کہ گویا مرزا صاحب نے راستی سے باز رہنے کی تلقین کی ہے۔ ممکن ہے یہ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت کیا ہو لیکن ڈاکٹر خلیق انجم اور عبدالرزاق قریشی (مرحوم) کا مقصد مرزا صاحب کی شخصیت کو اجاگر کرنا اور یہ بتانا ہے کہ مرزا صاحب وسیع القلب ہونے کے ساتھ رشد و ہدایت کا انتہائی اہتمام کرتے تھے۔ اتفاقاً قاضی صاحب کی شخصیت مجروح ہوگئی اور اس کے سدباب و تردید کرنے کے لیے ان لوگوں کے پاس کوئی مواد موجود نہیں تھا۔

مرزا صاحب کے جس خط کا یہ اقتباس ہے اس کے جواب میں قاضی صاحب نے جو خط لکھا تھا وہ یہاں مہیا نہیں تھا۔ وہ خط اور خطوط کے ساتھ مرزا صاحب کے ایک خلیفہ، اخوند ملا نسیم (متوفی ۱۲۳۱ھ) جو سرحدی علاقہ کے رہنے والے تھے اپنے ساتھ لے گئے اور آج تک ان کی خانقاہ موسومہ ''خانقاہ نور محل'' مقام اوج، ریاست دیر، مالاکنڈ ایجنسی، پاکستان میں محفوظ ہیں۔ قاضی صاحب کا خط یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین۔ وصل اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔ عرض کمترین غلامان جناب، محمد ثناء اللہ بموقف عرض می رساند۔ احوال غلام مستوجب حمد الٰہی وشکر توجہات قبلہ گاہی ادام اللہ تعالیٰ برکاتہٗ وصحتہ وسلامتہ ذات اقدس مقدس مدام مطلوب۔ نوازش نامۂ عالی بدست میاں محمود مع شقۂ خاص بنام رحم خاں خانزادہ شرف ورود فرمود۔ ارشاد شدہ بود کہ ہر واحد از مردم پانی پت لبریز شکایت شما می آید۔ خداوند نعمت! میاں عبدالجلیل ومحمد شعیب ارشا از غلام عناد وعداوت دارند۔ برائے ناخوشی ایشاں تقصیرے نمی یابد۔ وجودِ غلام در نظر شاں تمام گناہ است۔ ودیگر میاں سیف اللہ پدر شاہ عصمت اللہ از دہ سال از حضور قاضی مرحوم ناخوشی دارند۔ حضرت میدانند کی در ینہم تقصیر

toobaafoundation.com

غلام نیست۔ شیخ سیف اللہ اکثر قضیہ راشیوہ دارند وہرگاہ حرفے خلاف مرضی شاں گفتہ شود گوسراسر حق باشد، ناخوش می شوند۔ و قاضی اگر متدین باشد در گفتن کلمۃ الحق ناچاراست۔ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ (مائدہ:۴۴) سوائے ایں چہار کس بفضل الٰہی مردم پانی پت از غلام شاکراند، کسے شکایت ندارد۔ وقتیکہ جناب عالی بہ پانی پت تشریف خواہند فرمود۔ اظہار صدق ایں امر خواہد کرد۔ اتفاقاً درین ایام محمد شعیب بہ تقریب شادی بہ شاہجہاں آباد رفتہ بود۔ وقدرت اللہ پسر محمد شعیب مکرر بہ شاہجہاں آباد رفتہ وشیخ سیف اللہ مدتے دریں ایام بہ شاہجہاں آباد ماندہ، اغلب کہ زبانی ایں بزرگان شکایت بہ سمع مبارک رسیدہ باشد۔ اگر ایں چنیں است، پس قول اینہا درحق غلام پذیرانہ شود۔ واگرسوائے ایں مردم کسے دیگر نالش درحضور نماید از نامش ارشاد شود کہ دفع نالش کردہ شود یا عذر مسموع معذور دارد وقطع نظر از تفصیل، مجمل آنست کہ اگر بابت امرِ دنیوی شکایت کند، بنابر آنکہ العبد ومافی یدہ ملک المولی چوں جان ومال غلام مملوک حضرت است، ارشاد فرمایند۔ غلام اوراراضی سازد واز حق خود ہم درگزرد۔ واگر درحکم شریعت کسے از غلام ناخوش شود، دلیل ضعف ایمانی اوست وغلام ناچار۔ قال اللہ تعالیٰ۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (النسآء:۶۵) وآنکہ ارشاد شدہ کہ بخاطر داشتِ لئیمان، لئیمان دیگر راناخوش بناید کرد۔ خداوند من! غلام درمقدمات شرعی، ہیچ کس راداخل نمی دید وبرہیچ کس اعتماد ندارد۔ ہماں مردم مخالفان،

toobaafoundation.com

کسے کہ با غلام دوستی دارد، عبث اور امحل طعن می سازند۔
عبدالجلیل ونظام الدین، داماد سیف اللہ، بہ عداوت غلام چند کس را جمع کردہ در لشکر افضل خاں برائے فریاد ہرتاری بر پا کردہ۔ محمد مجیب از طرف غلام بہ لشکر رفتہ، رقعۂ خاص حضرت، رحم خاں....[۱۷۱]
(ترجمانی: حمد وصلوٰۃ اور القاب وآداب کے بعد قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ آپ کا خط مع رقعہ بنام رحم خاں بدست میاں محمود پہنچا۔ جس میں ارشاد فرمایا ہے کہ پانی پت کا ہر آدمی تمہاری شکایت سے بھرا ہوا آتا ہے۔ جناب والا! میاں عبدالجلیل اور محمد شعیب تو موروثی طور پر مجھ سے عداوت رکھتے ہیں۔ ان کی ناراضگی میں میری کیا غلطی۔ میرا تو وجود ہی، ان کی نظر میں، سراسر غلطی ہے اور دوسرے شاہ عصمت اللہ کے والد میاں سیف اللہ گزشتہ دس سال سے بڑے بھائی قاضی فضل اللہ مرحوم سے دشمنی رکھتے تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ اس میں میری کیا غلطی ہے۔ شیخ سیف اللہ کا مزاج ہی جھگڑالو ہے۔ اگر ایک حرف بھی ان کی مرضی کے خلاف ہو، چاہے وہ بالکل سچ ہی ہو، بس وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔ قاضی اگر دیانت دار ہے تو سچ بات کہنے کے لیے مجبور ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: 'وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ' (جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔ سورہ مائدہ: ۴۴) سوائے ان چار افراد کے باقی تمام پانی پت کے لوگ، اللہ کے فضل سے، مجھ سے خوش ہیں۔ کسی کو کوئی شکایت نہیں ہے۔ جب آپ پانی پت تشریف لائیں گے تو آپ کو خود معلوم ہو جائے گا۔
اتفاق سے آج کل محمد شعیب شادی کی تقریب میں دہلی گیا ہوا تھا۔

toobaafoundation.com

اس کا لڑکا قدرت اللہ تو اکثر دہلی جاتا رہتا ہے اور شیخ سیف اللہ آجکل ایک زمانہ سے دہلی میں ہی ہے۔ گمان غالب ہے کہ ان ہی لوگوں سے آپ نے شکایت سنی ہوگی۔ اگر ایسا ہے تو میرے بارے میں ان لوگوں کی بات قابل قبول نہیں ہے۔ اور اگر ان کے علاوہ کسی اور نے کہا ہے تو اس کا نام بتا دیجیے تا کہ میں صفائی پیش کرسکوں یا معذرت کروں۔

تفصیل سے قطع نظر، مختصر بات یہ ہے کہ اگر کسی دنیوی معاملہ کی شکایت کی ہے تو اس بنا پر کہ غلام اور جو کچھ اس کے پاس ہوتا ہے، آقا کی ملکیت ہوتا ہے، چوں کہ میری جان و مال کے مالک آپ ہیں، آپ جو حکم دیں میں ماننے کو تیار ہوں اور اپنے حق کو چھوڑ دوں گا اور اگر شرعی حکم میں کوئی شخص مجھ سے ناراض ہے تو یہ اس کے ایمان کی کمزوری کا ثبوت ہے اور میں مجبور ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ... وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۔ النساء: ۶۵) (یعنی قسم پروردگار کی وہ لوگ مومن ہی نہیں مانے جائیں گے، جب تک کہ وہ تنازعات میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر آپ کے فیصلہ سے اپنے دلوں میں کوئی ناپسندیدگی بھی محسوس نہ کریں، اور خوش دلی کے ساتھ تسلیم کرلیں)

اور یہ جو ارشاد فرمایا ہے کہ ملامت کی خاطر، ان لئیموں کو ناراض نہیں کرنا چاہیے۔ محترم! میں شرعی مقدمات میں کسی کو دخل نہیں دیتا اور ہر کسی پر بھروسہ نہیں کرتا۔ یہ مخالفین لوگ تو جو مجھ سے تعلق رکھتا ہے اس کو بھی لعن طعن کا ہدف بنا لیتے ہیں۔

عبدالجلیل اور نظام الدین، سیف اللہ کے داماد نے مجھ سے دشمنی کی بنا پر چند لوگوں کو جمع کر کے، افضل خاں کے لشکر میں موضع

toobaafoundation.com

ہرتاری کی فریاد کرنے کو بھیجا تھا۔ میری طرف سے محمد مجیب، رحم خاں
کے نام آپ کا رقعہ لے کر گیا تھا...)

اس خط سے یہ بات پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ چار اشخاص قاضی صاحب سے بغض وعناد رکھتے تھے اور ہنگامہ برپا کیے رہتے تھے۔ نیز یہ لوگ مقدمات کے فیصلوں یا شرعی معاملات میں قاضی صاحب کی مخالفت کرتے تھے۔ قاضی صاحب ایک متدین شخصیت تھے۔ اپنے منصب کے ساتھ انھوں نے کبھی لالچ نہیں کیا اور نہ ناحق خاطر داری اختیار کی۔ اس لیے کہ ان کے فیصلے حق وصداقت پر مبنی ہوتے تھے۔

قاضی صاحب کے خط میں موضع ہرتاری کی فریاد کا ذکر ہے اور یہی اس قضیہ کی بنیاد ہے۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ پہلے یہ موضع قاضی صاحب کے زیر نگرانی تھا۔ اس موضع پر چار سو کچھ روپے قاضی صاحب کی معرفت، قرض تھے۔ قرض کے کاغذات، اہل کاروں کی مہر سمیت قاضی صاحب کے پاس تھے۔[۱۷۲] عنایت خاں کی نیابت میں، مقامی طور پر، مولوی محمد رضا موضع ہرتاری کے متولی تھے۔ موضع نولہتہ کے زمین دار لوگ، موضع ہرتاری کی زمین پر کاشت کرتے تھے۔ خشک سالی کی وجہ سے ایک سال وہاں پیداوار نہ ہوئی تو نہ قرض ادا ہو سکا اور نہ وہاں نیا بندوبست کیا جا سکا۔ دوسرے سال اچھی فصل ہوئی تو صدر الصدور نے براہ راست رحمت اللہ نام کے ایک کشمیری شخص کو متولی بنا کر بھیج دیا تھا اور اب قاضی صاحب کا اس موضع سے کوئی تعلق باقی نہ رہا تھا۔ اس تبدیلی سے فائدہ اٹھا کر عبد الجلیل نے کچھ لوگوں کو قاضی کے خلاف بھڑکا کر موضع ہرتاری کی فریاد لے کر افضل الدولہ کے لشکر میں بھیج دیا اور مقصد صرف یہ تھا کہ کسی طرح قرض کے چار سو کچھ روپے قاضی صاحب کے ذمے پڑ جائیں۔[۱۷۳]

افضل الدولہ، نجیب الدولہ کے چچازاد بھائی تھے اور پانی پت کے معاملات ان کے سپرد رہتے تھے۔ اس وقت ان کے لشکر کا پڑاؤ رہتک میں تھا۔ چنانچہ پانی پت سے تین آدمی[۱۷۴] لشکر میں پہنچے مگر کسی کو لب کشائی کی ہمت نہیں ہوئی اور کوئی دشمن قاضی صاحب کے خلاف کچھ نہ کر سکا۔ بالآخر دشمن خود پشیمان ہوئے اور قاضی صاحب

toobaafoundation.com

سے مصالحت کر لی۔ مرزا صاحب کو جب اس کا علم ہوا تو ایک خط میں لکھا:

''قصد مصالحت مخالفان پانی پت با شما معلوم شد۔ شما را پیش ازیں ہم انتقام منظور بنود۔ حفظ خود از شر اعداء مقصود است نہ ایذاے غیر۔ لایصدر عن الخیر الا الخیر۔''[۱۷۵]

قاضی صاحب کے رویائے مبارکہ:

قاضی صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت علی، کرم اللہ وجہہ، کو خواب میں دیکھا کہ انتہائی بشاشت کے ساتھ فرما رہے ہیں کہ تمہارا اور میرا رتبہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کا تھا۔ جب میں نے حضرت مرزا صاحب سے اس کی تعبیر پوچھی تو فرمایا کہ تم کو میری مثالی صورت نے، میرے جد بزرگ حضرت علی، کرم اللہ وجہہ، کے شکل میں ظاہر ہو کر یہ بشارت دی ہے کہ میرے بعد تمہاری مسند خلافت وارشاد اسی طرح ہوگی جس طرح موسیٰ کے بعد ہارون کی تھی۔

(بشارات مظہریہ: ورق ۱۵۰، الف)

میں نے بچپن میں ایک خواب دیکھا کہ شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء اپنے مزار کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں مجھ پر بڑے مہربان ہو رہے ہیں اور اپنی پیشانی میرے ماتھے پر رگڑ رہے ہیں۔ (بشارات مظہریہ ورق ۱۴۷، الف)

اپنے بچپن کے ایک خواب میں رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، کی دیوڑھی پر حضرت غوث الثقلین کو بحیثیت دربان کے میں نے دیکھا اور حضرت غوث اعظم کی زیارت کی، اس وقت آنحضرت، صلی اللہ علیہ وسلم، کی زیارت نصیب نہیں ہوئی تھی، حضرت غوث صاحب نے بہت مہربانی فرمائی اور اپنے پاس سے ایک تر و تازہ کھجور عنایت فرمائی۔ (بشارات مظہریہ، ورق ۱۴۷، الف)

حضرت مرزا مظہر جانجاناں کی وفات کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت غوث الثقلین، مرزا صاحب کی تعزیت کے لیے میرے پاس تشریف لائے ہیں اور انتہائی تواضع اور شفقت کے ساتھ تعزیت کے کلمات ادا فرما رہے ہیں۔ ان

toobaafoundation.com

کلمات کی تفصیل یاد نہیں رہی۔ (بشارات مظہریہ، ورق ۱۴۷، ب)

میں نے خواب میں دیکھا کہ میں شاہجہاں آباد (دہلی) میں ہوں اور ایک ہندو پیشکار کے یہاں گیا ہوا ہوں دیکھتا کیا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب بھی میرے ساتھ وہاں تشریف لائے ہیں۔ میں نے سوچا کہ حضرت تو کبھی کسی ہندو کے گھر نہیں جایا کرتے۔ کیا بات ہے کہ جو اس وقت یہاں تشریف لائے ہیں۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ جب تک میں قید حیات میں تھا اپنی وضع کا پابند تھا اور کسی کے گھر نہیں جایا کرتا تھا۔ اب میں اس قید سے باہر آ گیا۔ جہاں تم جاؤ گے، میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔ بلکہ لمحہ بھر کے لیے تم سے جدا نہ ہوں گا۔ تم ہندو کے گھر آئے میں بھی تمہارے ساتھ آیا۔ (بشارات مظہریہ، ورق ۱۲۵، ب)

ثنائے مرشد بزبان مرشد:

نعیم اللہ بہرائچی، بشارات مظہریہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں، قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ:

قاضی صاحب کے اندر ظاہری و باطنی کمالات کے انوار کا اجتماع اور ان کی شرافت و نیکی اور تقوے کی ضیا پاشی سے میرے دل پر ہیبت طاری ہوتی ہے۔

میرے اعتقاد کے مطابق تمام موجودات میں قاضی صاحب کا وجود عزیز ترین ہے اور ان کی تمام اچھائی برائی بالکل ایسی ہی ہے جیسی کہ میری اپنی ہو۔

قاضی صاحب تقویٰ اور دینداری کی مجسم روح ہیں۔ شریعت ان سے مروج ہو رہی ہے اور طریقت منور۔

قاضی صاحب کے اندر ملکی صفات ہیں اور ملائکہ ان کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔

میرے ساتھ قاضی صاحب کی نسبت طول اور رفعت میں تو برابر ہے لیکن اس کے ظہور و فراخی میں کچھ تھوڑا سا فرق ہے۔

اللہ تعالیٰ تمہارے اوصاف میں اضافہ کرے اور تمہارے کام آسان فرمائے۔

قاضی صاحب کے ساتھ میری ضمنیت یعنی قوی مناسبت ہے اور میری

toobaafoundation.com

ضمنیت حضرت شیخ سے ہے۔

میرے خواص میں سے روئے زمین پر کوئی ایسا نہیں ہے کہ اگر چند گھنٹے میرے ساتھ رہنے کا اتفاق ہو تو اس کے دل میں کبھی کوئی کدورت پیدا نہ ہو سوائے ذات بابرکات حضرت مولوی ثناء اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ کے کہ اگر برسوں میرے پاس رہیں تو کبھی بھی حالِ ظاہر اور نسبت باطن میں ذرا بھی تغیر پیدا نہ ہو۔

قاضی صاحب کی وفات:

قاضی صاحب کی وفات ۱۲۲۵ھ مطابق ۱۸۱۰ء میں ہوئی۔ البتہ تاریخ کی تعیین میں اختلاف ہے۔ مولوی نعیم اللہ بہرائچی، جن کا انتقال قاضی صاحب کی حیات ہی میں ہو گیا تھا، ان کی کتاب ''معمولات مظہریہ'' مطبع نظامی، کانپور ۱۲۸۴ھ کے صفحہ ۲۲ پر حاشیہ نمبر ا میں حاشیہ نگار نے یہ عبارت لکھی ہے:

''وفات حضرت مولانائے پانی پتی جناب مولوی ثناء اللہ پانی پتی سی ام شوال''۔

مولوی عبدالکریم نے ''عمدۃ الصحائف فی حال اہل الکشف والمعارف'' مطبع انوار احمدی، الہ آباد، میں بزرگان دین کے عرسوں کی تاریخیں ترتیب دی ہیں۔ اس میں جدول پنجم، صفحہ ۳۷۱، عدد شمار ۹۲ پر قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی تاریخ عرس ۳۰ رشوال المکرّم لکھی ہے۔

تفسیر مظہری کے مطبوعہ نسخے کے سرورق پر ابومحمد محی الاسلام نے قاضی صاحب کی تاریخ وفات "غرۃ الرجب المرجب سنۃ الف ومائتین وخمس وعشرین من الھجرۃ علی صاحبھا التحیۃ" لکھی ہے۔

حضرت شاہ ابوالحسن زید فاروقی نے ''مختصر احوال حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی'' میں لکھا ہے:

''تاریخ انتقال حضرت قاضی ثناء اللہ بہ غرۂ رجب الحرام ۱۲۲۵ھ یک ہزار ودوصد وبست وپنجم ہجری بود''۔[۱۷۶]

toobaafoundation.com

قاموس المشاہیر میں بھی قاضی صاحب کی تاریخ وفات یکم رجب المرجب ۱۲۲۵ھ لکھی ہے۔[۱۷۷] مفتی غلام سرور اور مولانا محمد زکریا بڑھانوی نے قاضی صاحب کا سن وفات ۱۲۱۶ھ لکھا ہے۔[۱۷۸] جو صحیح نہیں ہے۔

قاضی صاحب کے اہل وعیال:

قاضی صاحب کی دو بیویاں تھیں۔ مرزا مظہر جانجاناں نے اپنے خط مورخہ ۲۲ رمضان المبارک ۱۱۷۶ھ میں قاضی صاحب کی دونوں بیگمات کو دعا لکھی ہے:

''بوالدۂ ماجدہ و ہر دو بہو و اولاد ہر دو دعا رسانید''۔[۱۷۹]

مرزا صاحب ہی کے خطوط سے قاضی صاحب کی بیگمات کے نام معلوم ہوئے ہیں۔ ایک کا نام رابعہ اور دوسری کا نام عجیبہ تھا۔ خط مورخہ ۱۲ شعبان ۱۱۹۰ھ میں لکھا ہے:

''بہو رابعہ جیو و بہو عجیبہ جیو... دعا''۔[۱۸۰]

اور خط مورخہ ۱۹ شعبان ۱۱۹۰ھ میں ہے:

بہو رابعہ جیو د بہو عجیبہ جیو... دعا ہا''۔[۱۸۱]

رابعہ بیگم:

رابعہ بیگم کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات مہیا نہ ہوسکیں۔ صرف مرزا صاحب کے خطوط میں تین جگہ صراحتاً ان کا ذکر ملتا ہے۔ دو مقامات کا تو ذکر اوپر کیا گیا اور تیسری جگہ مرزا صاحب کے خط مورخہ ۲۵ ذی قعدہ ۱۱۹۰ھ میں لکھا ہے:

''غالب است بہو رابعہ معہ برخوردار دلیل اللہ ہمراہ خواہند آورد۔ پدر بہو قدرت برار سال آدم برائے طلب بہو ندارند۔ تحریر فقیر کافی است''۔[۱۸۲]

اس تحریر سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ رابعہ بیگم دہلی کی رہنی والی تھیں۔

toobaafoundation.com

عجیبہ بیگم:

عجیبہ بیگم مرزا صاحب سے بیعت تھیں اور ان کو بیعت وارشاد کی اجازت بھی حاصل تھی۔ قاضی صاحب کے نام مرزا صاحب کے متعدد خطوط میں ان کا ذکر ملتا ہے۔[۱۸۳] ''بشارات مظہریہ'' کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ عجیبہ بیگم کے نام مرزا صاحب نے بہت سے خطوط لکھے ہیں جن میں سے ایک خط ''بشارات مظہریہ'' میں نقل کیا گیا ہے اور وہی خط ''مکاتیب مرزا مظہر'' میں بھی شامل ہے۔ اس خط میں مکروہات دنیا پر صبر کی تلقین، سفر حج پر نہ جانے کا مشورہ جب کہ حج فرض نہ ہو، بہن کے انتقال پر تعزیت اور بیعت وارشاد کی اجازت وغیرہ کا ذکر ہے۔[۱۸۴] وہ تاحیات ترویج طریقہ میں مصروف رہیں لیکن ان سے فیض یاب ہونے والی خواتین کے نام معلوم نہ ہو سکے۔

عجیبہ بیگم نے ۱۰؍رجب ۱۲۱۳ھ مطابق ۱۸؍دسمبر ۱۷۹۸ء بروز منگل وفات پائی۔ قاضی صاحب نے ان کی وفات کی اطلاع مولوی نعیم اللہ بہرائچی کو ان الفاظ میں دی تھی:

> ''والدہ دلیل اللہ از جہاں دہم رجب ۱۲۱۳ ہجری رحلت کردہ۔
> انا للہ وانا الیہ راجعون''۔[۱۸۵]

یہ بات کہ والدہ دلیل اللہ، عجیبہ بیگم ہی تھیں، ''بشارات مظہریہ'' سے معلوم ہوتی ہے۔ اس میں عجیبہ بیگم کا تذکرہ اس سرخی کے تحت کیا ہے۔ ''ذکر احوال والدہ ماجدہ مخدوم زادہ ہائے علوی مولوی دلیل اللہ ومولوی احمد اللہ سلمہما اللہ''۔[۱۸۶] نیز اس سے یہ ثبوت بھی مل جاتا ہے کہ قاضی صاحب کے پانچ بچوں میں سے یہ دو لڑکے تو بہر حال عجیبہ بیگم کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

قاضی صاحب کے تین لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ بیٹوں کے نام علی الترتیب احمد اللہ، محمد صبغۃ اللہ اور محمد دلیل اللہ تھے۔ بیٹیوں کے نام یقینی طور پر معلوم نہ ہو سکے۔[۱۸۷]

toobaafoundation.com

مولوی احمد اللہ:

مولوی احمد اللہ قاضی صاحب کے سب سے بڑے لڑکے اور سب سے زیادہ چہیتے تھے۔ علوم عقلیہ ونقلیہ اپنے والد سے اور گھر کے مدرسہ میں حاصل کر کے مہارت تامہ حاصل کر لی تھی۔ حکومت وقت نے ان کو بھی قاضی کے عہدے پر فائز کیا تھا۔ تصفیہ باطن کے لیے وہ مرزا صاحب سے بیعت ہوئے۔ علوم باطن کی تکمیل کی اور مرزا صاحب کے خلیفۂ مجاز ہوئے۔ مرزا صاحب نے اس نسخۂ انسانیت کو جس محنت و کاوش سے درست کیا تھا اس کی جھلک ان کے خطوط میں نظر آتی ہے۔[۱۸۹] مولوی نعیم اللہ بہرائچی نے مولوی احمد اللہ کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے:

> ''عالم وفاضل عارف وکامل حافظ وشجاع وتعلیم وتربیت یافتۂ حضرتِ ایشاں بودند، جمیع کمالات ومقامات از جناب آنحضرت کسب نمودہ مأزون ومجاز گشتہ۔ در حضورِ والد بزرگوار وشیخ عالی مقدار، خود برسند ارشاد وہدایت نشستہ افاضۂ علوم ظاہر وباطن بطالبان حق نمودہ۔[۱۹۰]

مولوی احمد اللہ کی شادی وسط رجب ۱۱۷۶ھ میں لطف النساء سے ہوئی تھی۔ ان کے دو بچے تھے ایک لڑکی جس کا بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔[۱۹۱] اور ایک بیٹا، جس کا نام صفوۃ اللہ تھا۔[۱۹۲]

قضاء کے امور کے علاوہ قرآن پاک کے اکیس پاروں کی تلاوت کرنا، چاشت کے وقت تک مراقبہ کرنا، پینتیس ہزار بار ذکر تہلیل کرنا اور حلقۂ ارشاد وتلقین منعقد کرنا مولوی احمد اللہ کا روزانہ کا معمول تھا۔[۱۹۳]

مولوی احمد اللہ کا انتقال جوانی ہی میں، تیس سال کی عمر میں ہوا۔[۱۹۴] اس وقت مولوی نعیم اللہ بہرائچی، قاضی صاحب سے استفادہ باطن کی غرض سے پانی پت میں موجود تھے۔ قاضی صاحب نے مولوی نعیم اللہ بہرائچی کو مخاطب کر کے فرمایا:

> ''ہر چند موت ہمہ کس از روئے تقدیر وارادۂ الٰہی است امادر عالم

toobaafoundation.com

اسباب از سبب گریز نیست۔ سبب موت ایں فرزند بظاہر افراط محبت فقیر با او بود کہ حق سبحانہ تعالی بکمال عزت در دل دوستانِ خود از غیر و غیریت باقی نمی گذارد“[195]

مفتی غلام سرور، رحمان علی، غلام مصطفیٰ خاں اور مولانا محمد زکریا بڑھانوی نے مولوی احمد اللہ کا سن وفات ۱۱۹۸ھ لکھا ہے۔[196] لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ کیوں کہ ۱۱۹۷ھ میں ان کے منجھلے بھائی، مولوی صبغۃ اللہ کا انتقال ہوا تھا۔ اس وقت قاضی صاحب نے مولوی نعیم اللہ بہرائچی کو یہ لکھا تھا کہ اب بچوں میں صرف محمد دلیل اللہ باقی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت احمد اللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ ”مقامات مظہری“ میں صرف اتنا لکھا ہے کہ تیس سال کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ ان کی تاریخ پیدائش مل جاتی تو تاریخ وفات کی تعیین کی جا سکتی تھی۔ البتہ ۱۱۹۴ھ تک ان کے باحیات ہونے کا ثبوت مرزا صاحب کے خط سے ملتا ہے۔[197]

محمد صبغۃ اللہ:

مولوی صبغۃ اللہ قاضی صاحب کے دوسرے بیٹے تھے۔ انھوں نے علم ظاہر اپنے والد سے حاصل کیا تھا اور باطنی علوم کے حصول کے لیے مرزا صاحب سے بیعت ہوئے تھے ان کی شادی دہلی میں ہوئی تھی۔ ایک بیٹا بھی تھا۔ مرزا صاحب کے خطوط میں پندرہ جگہ مولوی صبغۃ اللہ کا ذکر آیا ہے۔ اور ایک مختصر خط بھی ان کے نام، مکاتیب مرزا مظہر میں شامل ہے۔

مولوی محمد صبغۃ اللہ کا انتقال بھی عین عالم شباب میں ۱۵ر رمضان المبارک ۱۱۹۷ھ کو ہوا۔ قاضی صاحب نے مولوی نعیم اللہ بہرائچی کو اس حادثہ کی اطلاع ان الفاظ میں دی تھی۔

> ”دریں ماہ مبارک رمضان ۱۱۹۷ھ میں بتاریخ پانزدہم محمد صبغۃ اللہ مرحوم رحلت کردہ۔ حالا از فرزندان، محمد دلیل اللہ سلمہ اللہ باقی است، و یک نبیرہ صفوۃ اللہ نام شش سالہ پسر مولوی احمد اللہ است،

toobaafoundation.com

ازیں ماتم ہا بمقتضائے طبیعت رنجے رسد، اما چوں بفضل الٰہی تعلقاتِ قلبی از ماسوا اللہ ضعیف است چنداں شاق نمی آید، ودنیا نقش برآب است، ہمیں موجبِ راحت است۔

تو در دلے بغمِ این وآں کہ پردازد
بجائے جاں چو تو باشی بجاں کہ پردازد

بارے حق سبحانہ تعالیٰ عاقبت بخیر کند، ودردنیا بمرضیات خود دارد، بغیر خودنسپارد۔ اَللّٰھُمَّ لَاتَکِلْنِی اِلٰی نَفْسِیْ طُرْفَۃَ عَیْنٍ"۔[۱۹۸]

محمد دلیل اللہ:

مولوی محمد دلیل اللہ کی پیدائش ۲۲؍رجب ۱۱۷۷ھ کو ہوئی تھی۔ قاضی صاحب نے اپنے پیرومرشد، مرزا مظہر جان جاناں کو صاحبزادے کی پیدائش کی اطلاع دیتے ہوئے توجہ کی درخواست اس طرح کی تھی:

"بتاریخ بست ودویم رجب غلام زادہ بخانۂ غلام پیدا شدہ نظر توجہ مبذول باد"۔[۱۹۹]

مولوی دلیل اللہ قاضی صاحب کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ انھوں نے علوم ظاہری اپنے والد سے حاصل کیے تھے۔ تصفیہ باطن کے لیے مرزا صاحب سے بیعت ہوئے اور بقدر حوصلہ واستعداد منازل سلوک طے کیں۔[۲۰۰] مرزا صاحب کے خطوط میں تقریباً پچاس جگہ ان کا ذکر ہے اور ان کے مجموعہ مکاتیب میں ایک خط مولوی دلیل اللہ کے نام بھی ہے۔

مولوی دلیل اللہ کی شادی بھی دہلی میں، خواجہ حلال خور کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ یہ شادی ان کی دادی، یعنی قاضی صاحب کی والدہ بادشاہ بیگم، کی پسند سے ہوئی تھی جب کہ دلیل اللہ کی والدہ، عجیبہ خاتون، دلیل اللہ کی شادی، اپنی ایک عزیزہ، بی بی عصمت کی لڑکی سے کرنا چاہتی تھیں۔ خواجہ حلال خور کی لڑکی زیادہ خوبصورت اور سلیقہ مند تھی اس لیے اس کو ترجیح دی گئی۔[۲۰۱]

toobaafoundation.com

اپنے آبائی مدرسہ میں، جو گھر کے سامنے مسجد میں تھا، مولوی دلیل اللہ بھی درس دیا کرتے تھے۔ قاضی صاحب کے مکتوب بنام اخوند ملانسیم سے اس کا ثبوت ملتا ہے:

'ملاسردار دوسال دریں جا تشریف داشتند۔ تحصیل نسبتِ باطنی ہم ہر چہ در ارادۂ الٰہی بود، کردند، واز کتب شریعت نزد برخوردار دلیل اللہ، شرح وقایہ وبعضے ہدایہ وبعضے مشکوٰۃ شریف خواند''۔[۲۰۲]

قاضی صاحب کی بیٹیاں:

قاضی صاحب کی دو بیٹیاں تھیں۔ مرزا صاحب کے متعدد خطوط میں ''بنین وبنات''[۲۰۳] اور ''ہر دو صبیہ شما''[۲۰۴] کے الفاظ کے ساتھ دعا لکھی ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے زنانے نام بھی مرزا صاحب کے خطوط میں پائے جاتے ہیں۔ ان میں قاضی صاحب کی لڑکیوں، بھتیجوں، اور نہ جانے کس کس کے نام ہوں گے۔ لیکن کوئی قرینہ ایسا نہیں پایا جاتا جس سے قاضی صاحب کی بیٹیوں کے نام خصوصیت کے ساتھ معلوم ہو سکیں۔

قاضی صاحب کے وصیت نامے کے یہ الفاظ:

''لیکن تا دمِ زیستِ خود محصول پنجم حصہ باولاد ہر دو دختر می دادم''۔[۲۰۵]

اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ قاضی صاحب کی حیات ہی میں ان کی دونوں بیٹیاں انتقال کر گئی تھیں اور قاضی صاحب ہی ان کے بچوں کی نگہداشت کیا کرتے تھے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے تلامذہ، مریدین اور مستفیدین

جیسا کہ اس سے قبل ذکر کیا گیا ہے کہ قاضی صاحب کے یہاں ایک عربی مدرسہ تھا جس میں طلبا علوم دینیہ کی تکمیل کر کے فراغت حاصل کیا کرتے تھے۔ قال اللہ وقال الرسول کا یہ غلغلہ اس خاندان میں شیخ محمد جلال الدین کبیر الاولیاء سے برابر

toobaafoundation.com

چلا آ رہا تھا۔ قاضی صاحب خود فرماتے ہیں کہ:

''در سلسلہ آباء فقیر تعلیم و تعلم علوم ظاہر بیشتر ماندہ، مشہور است کہ حضرت مخدوم جلال الدین قدس سرہ پسر خود خواجہ ابراہیم گفتہ بودند کہ در نسل تو ہمیشہ علماء خواہند بود، ببرکتِ قول ایشاں بفضل الٰہی علم ظاہر در نسل ایشاں تا الیوم منقطع نشد''۔[۲۰۶]

قاضی صاحب کے مرشد اول، شیخ محمد عابد سنامی نے بھی اسی مدرسہ میں تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ قاضی صاحب کے جد امجد، مولوی ہدایت اللہ کے شاگرد تھے۔[۲۰۷] قاضی صاحب کے خطوط بنام اخوند ملا نسیم سے پتا چلتا ہے کہ ایک سرحدی عالم، ملا سردار نے بھی اسی مدرسہ میں دو سال تک تعلیم حاصل کی تھی۔ قاضی صاحب لکھتے ہیں:

''ملا سردار از دو سال درایں جا تشریف دارند، و بخیریت ہستند، در تحصیل نسبت علیہ و خواندن ہدایہ و مشکوٰۃ مشغول اند''۔[۲۰۸]

اسی طرح نہ جانے کتنے طلباء نے قاضی صاحب سے علوم ظاہری حاصل کیے ہوں گے۔

قاضی صاحب کے مریدین میں دو اشخاص کے نام تو ''مقامات مظہری'' میں وضاحت کے ساتھ ملتے ہیں۔ ایک پیر محمد اور دوسرے سید محمد عرف کھیسا:

''از اصحاب ایشاں پیر محمد و سید محمد کھیسا بصحبت حضرت ایشاں رسیدہ بہ نسبت ہائے طریقہ فائز شدند''۔[۲۰۹]

ان کے علاوہ ملا سردار بھی قاضی صاحب کے فیوضِ باطنی سے سرشار ہوئے تھے جیسا کہ ''در تحصیل نسبت علیہ'' کے مذکورہ الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک اور خط میں قاضی صاحب نے ملا سردار کے بارے میں لکھا تھا:

''تحصیل نسبت باطنی ہم ہر چند در ارادہ الٰہی بود کردند... مردے خوب است۔ فقیر را از ایشاں راحتے ست و نسبتِ علمی دارد، حق تعالیٰ او را از کشف و شہود نسبتے دادہ است۔ این ہم غنیمت است،

toobaafoundation.com

ایں قدر دریافت می کند کہ ایں قدر وقت کہ این جا صرف شدہ رائیگاں نہ رفتہ"۔[۲۱۰]

قاضی صاحب نے اپنے وصیت نامے میں اپنی نماز جنازہ کی امامت کے لیے تین اشخاص کے نام تجویز کیے ہیں۔ حافظ محمد علی یا حکیم سکھوا یا حافظ پیر علی۔[۲۱۱] حافظ پیر علی کے بارے میں تو مقامات مظہری سے معلوم ہوگیا کہ وہ قاضی صاحب کے مرید تھے۔ لیکن عین ممکن ہے کہ حافظ محمد علی اور حکیم سکھوا، جن کا اصلی نام غلام معین الدین تھا، یہ لوگ بھی قاضی صاحب کے مریدین رہے ہوں۔

مرزا صاحب کے مکاتیب سے بھی قاضی صاحب کے چند مستفیدان کے نام معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً: اخوند ملا نسیم[۲۱۲] محمد خاں،[۲۱۳] شیخ عین الدین،[۲۱۴] خواجہ عبداللہ[۲۱۵] اور ایک خط کے الفاظ: "ارباب نسبت کہ باشما جمع اند[۲۱۶] سے تو ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ قاضی صاحب سے فیض یاب ہونے والوں کی ایک بڑی جماعت تھی، لیکن مجھے ایسا کوئی مواد نہیں مل پایا جس سے قاضی صاحب کے مریدین کی ایک مکمل فہرست تیار کی جا سکے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے معاصرین

قاضی صاحب کے زمانے میں ہندوستان میں علم و فضل کے چرچے عام تھے۔ ہندوستان کے کونے کونے میں علوم کی دریا بہہ رہے تھے۔ اس دور کے تمام علماء وفضلاء کا ذکر تو ممکن نہیں تاہم صرف ولی اللہی خاندان اور ان علماء کے ذکر پر اکتفا کیا جا رہا ہے جن سے قاضی صاحب سے کسی نہ کسی طرح کا کوئی تعلق رہا ہے۔ اس سلسلہ میں صرف مندرجہ ذیل علماء کا انتخاب کیا گیا ہے:

۱۔	شاہ ولی اللہ دہلوی	متوفی ۱۱۷۶ھ مطابق ۱۷۶۲ء
۲۔	مولوی ثناء اللہ سنبھلی	متوفی ۱۱۹۹ھ مطابق ۱۷۸۴ء
۳۔	مولوی نعیم اللہ بہرائچی	متوفی ۱۲۱۸ھ مطابق ۱۸۰۳ء
۴۔	حکیم شریف خاں	متوفی ۱۲۲۲ھ مطابق ۱۸۰۷ء

toobaafoundation.com

۵۔	شاہ عبدالقادر	متوفی ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۸۱۴ء
۶۔	مولوی اخوند ملا نسیم	متوفی ۱۲۳۱ مطابق ۱۸۱۵ء
۷۔	شاہ رفیع الدین	متوفی ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۷ء
۸۔	شاہ عبدالعزیز	متوفی ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۸۲۳ء
۹۔	شاہ غلام علی	متوفی ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۴ء
۱۰۔	مفتی الٰہی بخش	متوفی ۱۲۴۵ھ مطابق ۱۸۲۹ء
۱۱۔	شاہ ابوسعید	متوفی ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۸۳۴ء

شاہ ولی اللہ دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ)

احمد بن عبدالرحیم بن وجیہ الدین شہید بن معظم بن منصور، المدعو بہ شاہ ولی اللہ دہلوی کا سلسلہ نسب تیس واسطوں سے حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے۔ شاہ صاحب کی ولادت ۴ رشوال ۱۱۱۴ھ بروز بدھ بوقت طلوع آفتاب دہلی میں ہوئی۔ اپنے والد کے مدرسۂ رحیمیہ میں علوم ظاہری حاصل کر کے والد ہی سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہو کر علوم باطنیہ کی تکمیل کی اور پندرہ سال کی عمر میں تمام علومِ متداولہ وفنون متعارفہ سے فراغت حاصل کر لی۔ والد ہی کے مدرسہ میں سلسلہ تدریس شروع کر دیا۔ ابھی سترہ سال ہی کی عمر تھی کہ والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ مدرسہ کی ذمہ داری شاہ صاحب نے سنبھالی اور بارہ سال تک علوم عقلیہ ونقلیہ کی تدریس کے بعد حجاز مقدس کا سفر کیا۔ ایک سال وہاں قیام کیا۔ دو حج ادا کیے۔ شیخ ابوطاہر مدنی اور دیگر علما ومشائخ سے استفادہ کیا۔

شاہ صاحب کی تصانیف کی ایک طویل فہرست ہے۔ جن میں ''ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء'' سے قاضی صاحب نے ''تفسیر مظہری'' میں کافی استفادہ کیا ہے۔ شاہ صاحب کے وصیت نامے ''المقالۃ الوضیۃ فی النصیحۃ الوصیۃ'' پر قاضی صاحب نے محققانہ اور ناقدانہ حواشی بھی لکھے ہیں۔

بعض تذکرہ نویسوں نے قاضی صاحب کو شاہ صاحب کا شاگرد لکھا ہے۔

toobaafoundation.com

لیکن اس کی کوئی تاریخی شہادت نہیں ملتی ہے۔ قاضی صاحب کے حالات میں اس بات کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

قاضی صاحب کے پیر و مرشد، مرزا مظہر جان جاناں اور شاہ ولی اللہ کے مابین دوستانہ، عالمانہ اور گہرا عقیدت مندانہ تعلق تھا۔

شاہ صاحب کی وفات ۱۱۷۶ھ میں ہوئی اور دہلی کے مہندیان قبرستان میں دفن ہوئے۔[۲۱۷]

مولوی ثناء اللہ سنبھلی (متوفی ۱۱۹۹ھ)

مولوی صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن، سنبھل میں حاصل کی پھر دہلی کا رخ کیا اور مدرسۂ رحیمیہ میں حضرت شاہ ولی اللہ سے علوم تفسیر و حدیث میں مہارتِ تامہ حاصل کی اوائل عمر ہی میں خواجہ سید موسیٰ خاں[۲۱۸] سے بیعت ہو گئے تھے۔[۲۱۹] ذکر اثبات و نفی اور مراقبہ بڑی پابندی سے کیا کرتے تھے۔ خواجہ صاحب نے مقاماتِ سلوک کی تکمیل کے لیے مرزا مظہر جانجاناں سے بیعت ہونے کی وصیت کی تھی، جس کا ذکر انھوں نے اپنے استاد محترم شاہ ولی اللہ صاحب سے بھی کیا تھا۔ شاہ صاحب نے مرزا صاحب کو اس سلسلہ میں اپنے ایک خط میں بھی لکھا تھا کہ:

> ''مولوی ثناء اللہ مصابیح و صحیحین استماع نمودند مستعد کتب ستہ بلکہ عشرہ متداولہ اند۔ ہمیں توجہ ہمتِ سامی توقع است کہ امنیہ بظہور رسد۔ و بعد ازاں احرامِ صحبتِ شریف بندند''۔[۲۲۰]

انھیں الفاظ سے تذکرہ نویسوں کو مغالطہ ہوا تھا اور وہ مولوی ثناء اللہ سنبھلی کے بجائے قاضی ثناء اللہ پانی پتی سمجھ بیٹھے۔

بعد فراغتِ علومِ عقلیہ و نقلیہ مولوی صاحب مرزا صاحب سے بیعت ہوئے اور تمام مقاماتِ سلوک حاصل کیے۔ مرزا صاحب نے ان کو خلعتِ خلافت سے بھی نوازا اور سنبھل ہی میں علوم ظاہر و باطن کی اشاعت کے لیے مقرر کیا۔ مولوی صاحب اپنے وطن ہی میں تفسیر و حدیث کی تدریس اور اشاعتِ طریقت میں تاحیات

toobaafoundation.com

مصروف رہے۔ ۱۱۹۹ھ میں ان کا انتقال ہوا۔[۲۲۱]

مولوی نعیم اللہ بہرائچی (متوفی ۱۲۱۸ھ)

مولوی نعیم اللہ بہرائچی کا نسب نامہ اس طرح ہے۔ نعیم اللہ بن غلام قطب الدین بن ملک غلام محمد بن ملک آدم بن مبارک بن ملک جلال بن ملک نصیر الدین بن ملک ہیبت بن ملک احمد بن ملک حسام الدین۔ مولوی صاحب کے اجداد میں خواجہ عماد، سید سالار مسعود غازی کے ہمراہ ہندوستان آئے تھے جن کی اولاد نے علی گڑھ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ جن میں سے ملک حسام الدین بہرائچ جا بسے تھے۔[۲۲۲]

مولوی نعیم اللہ نے ابتدائی تعلیم گھر ہی پر حاصل کر کے لکھنؤ کا رخ کیا اور مروجہ علوم عقلیہ ونقلیہ بہت ہی کم مدت میں بتمام وکمال حاصل کیے۔ اس کے بعد علوم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان دنوں مرزا مظہر جانجاناں کے خلیفہ محمد جمیل صاحب لکھنؤ آئے ہوئے تھے۔ مولوی صاحب نے ان سے طریقہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ میں بیعت کی۔[۲۲۳] پھر مرزا صاحب کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے اور مسلسل چار سال قیام کر کے تمام مقامات عالیہ حاصل کیے۔[۲۲۴]

مولوی صاحب نے اپنی کتاب ''معمولات مظہریہ'' میں متعدد مقامات پر قاضی صاحب کی تصانیف سے استفادہ کیا ہے اور دو باب ''ذکر طریق کیفیت علامت شیخ کامل ومکمل ومعرفت اہل دل'' (ص: ۳۰۔۳۳) اور ''ذکر طریق کیفیت کلمات مصطلحہ حضرات علیہ طریقۂ نقشبندیہ'' (ص: ۶۱۔۶۶) تو پورے پورے قاضی صاحب کی تصانیف: ''حواشی بر وصیت نامہ شاہ ولی اللہ'' اور ''کتاب النجات عن طریق الغوات'' سے ہی ملخص ہیں۔ نیز اسی کتاب کے تکملہ میں مولوی صاحب لکھتے ہیں:

> ''ہر چند ایں نسخہ متبرکہ صورت اختتام یافت لیکن مرکوز باطن چناں بود کہ از نظر کیمیا اثر قدوۂ ارباب معانی خلاصۂ کتاب ہمہ دانی مولانا مولوی ثناء اللہ پانی پتی ودیگر خلفائے حضرت ایشاں نگذرد

toobaafoundation.com

وبزیور صاد محلی نشود قابل قبول وشایان اعتماد ارباب اولی البصائر نگردد''۔۲۲۵

پھر جب مرزا صاحب کے مزار کی تعمیر کے موقع پر مولوی صاحب دہلی آئے تو پانی پت جا کر یہ نسخہ قاضی صاحب کو دکھایا قاضی صاحب نے اس پر یہ تحریر فرمایا:

''درعشرہ اولی ماہ رمضان مبارک ۱۲۰۵ ہجری ایں نسخہ معتبر کہ بمطالعۂ فقیر حقیر محمد ثناء اللہ پانی پتی درآمد بسیار محظوظ مُلتذ ساخت''۔۲۲۶

نیز قاضی صاحب نے مولوی نعیم اللہ بہرائچی کو مرزا صاحب کا وصیت نامہ، جو مرزا صاحب نے قاضی صاحب کے پاس محفوظ کرا دیا تھا دیا، اور دو قطعے تاریخ وفات جن میں ایک قرآن سے اور دوسرا حدیث سے ماخوذ ہے، معمولات مظہریہ میں شامل کرنے کے لیے دیئے۔ یہ دونوں چیزیں اس کتاب کے تکملہ میں شامل ہیں۔

مولوی نعیم بہرائچی نے مذکورہ بالا کتاب کے بعد کسی قدر تفصیل کے ساتھ ''بشارات مظہریہ'' لکھی تھی جس میں انھوں نے قاضی صاحب کے حالات بھی لکھے ہیں۔ یہ پہلی کتاب ہے جس میں قاضی صاحب کے کچھ حالات سب سے پہلے قلم بند کیے گئے ہیں اور قاضی صاحب کی نظر سے بھی گزرے ہیں۔ شاہ غلام علی دہلوی نے بھی اپنی کتاب میں اس سے استفادہ کیا ہے۔ مولوی صاحب نے قاضی صاحب کے حالات اس طرح شروع کیے ہیں:

''ذکرِ احوال کرامتِ اشتمال، قطب فلک ولایت، قمر سپہر ہدایت، مطلع انوارِ محمدی، مخزن اسرار احمدی، مولانا مولوی ثناء اللہ پانی پتی متّع اللہ المسلمین بطول بقائہٖ ونور ارشادہ''۔۲۲۷

مولوی نعیم اللہ کی وفات ۵ رصفر ۱۲۱۸ کو نماز عصر کی تیسری رکعت میں سجدہ کی حالت میں ہوئی۔۲۲۸ بہرائچ میں لب سڑک ہی ایک میدان میں دفن ہیں۔

حکیم شریف خاں (متوفی ۱۲۲۲ھ)

حکیم شریف خاں ولد حکیم اکمل خاں ولد حکیم واصل خاں، ۱۱۳۶ھ یا ۱۱۳۷ھ

toobaafoundation.com

میں پیدا ہوئے۔ قاضی عبدالغفار نے ان کا سن ولادت ۱۱۲۶ھ[۲۲۹] اور حامد حسن قادری نے ۱۱۳۷ھ لکھا ہے۔[۲۳۰] شاہ عالم بادشاہ کے زمانے میں وہ شاہی طبیب رہے تھے اور ان کو اشرف الحکماء کا خطاب دیا گیا تھا۔ سرسید احمد خاں نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''اپنے عصر میں سرآمد حکما اور سرِ حلقہ اطبا تھے آج تک ان کے کمالات کا شہرہ گنبدِ دوّار میں از بس بلند ہے۔ جالینوس اور ارسطو کا غلغلہ ان کے سامنے ایسا ہے جیسا طوطی کی آواز نقار میں اور فی الحقیقت اس روزگار کے اکثر اطبائے نامی انھیں کی نسبت شاگردی سے سرمایہ اعتبار کا رکھتے ہیں''۔[۲۳۱]

حکیم صاحب پہلے شخص ہیں جنھوں نے قرآن پاک کا ترجمہ آسان اردو میں کیا تھا۔ یہ ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی کے ترجمے سے تقریباً بیس سال پہلے ہو چکا تھا۔ حکیم صاحب نے اپنے ترجمہ میں نہ صرف ترتیب لفظی کا لحاظ رکھا ہے بلکہ اس کو تشریحی بھی بنایا ہے۔ نمونے کے طور پر الحمدللہ رب العالمین کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''جو تعریف کہ اول سے آخر تلک موجود ہے لائق ہے واسطے اللہ
کے کہ پالنے والا ہے تمام عالموں کا۔ بخشنے والا وجود کا آخرت
میں''۔ (ص:۱)

حکیم صاحب نے ۱۱۹۳ھ میں مشکوٰۃ شریف کا فارسی ترجمہ ''کاشف المشکوٰۃ'' کے نام سے کیا تھا۔ ان کے علاوہ عجالہ نافعہ، علاج الامراض، تالیف شریفی، دستور الفصد وغیرہ ان کی مشہور تصانیف ہیں۔[۲۳۲]

فنی کمالات کے علاوہ حکیم صاحب کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے ساتھ ہی طب یونانی کی بربادی کو بڑی حد تک روک لیا اور یہ سمجھ کر کہ اب شاہی دربار کی سرپرستی سے ان کا فن محروم ہو گیا ہے۔ انھوں نے اس بات پر غور کرنا شروع کر دیا کہ بغیر شاہی سرپرستی کے بھی طب یونانی کو کس طرح باقی رکھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ تن من دھن سے وہ اس کی اشاعت میں مصروف ہو گئے۔

toobaafoundation.com

باکمال شاگردوں کی ایک جماعت پیدا کردی، جن میں طبی تصنیف وتالیف کا رجحان پیدا کیا اور با فاعدہ طبی تعلیم کے مدارس کے قیام کی تحریک کی بنیاد ڈال دی۔[۲۳۳]

''حیات اجمل'' میں لکھا ہے کہ حکیم شریف خاں کو پانی پت اور ڈاسنہ کے علاقوں میں ۲۵ ہزار کی جاگیر ملی تھی۔ جاگیر کی سند پر بادشاہ کی مہر میں ''شاہ عالم بادشاہ'' کے ساتھ ''مادھوراوسندھیا'' کا نام بھی بحیثیت وکیل مطلق شامل تھا۔ یہ سنہ ۱۷۸۶ء میں حکیم صاحب کو عطا کی گئی تھی۔[۲۳۴]

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی والدہ کا انتقال دہلی میں ہوا تھا حکیم شریف خاں ہی نے ان کی تجہیز وتکفین کا انتظام کر کے ان کا تابوت پانی پت بھجوایا تھا۔[۲۳۵] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکیم صاحب کا قاضی صاحب سے کتنا گہرا تعلق تھا۔

حکیم صاحب کا سن وفات ''داستانِ تاریخ اردو'' میں ۱۲۲۲ھ لکھا ہے۔[۲۳۶] اور دیگر کتابوں میں ۱۲۳۱ھ اور مادۂ تاریخ ''صد افسوس مرزا محمد شریف'' لکھا ہے۔[۲۳۷] لیکن حکیم صاحب کے مزار پر جو کتبہ نصب ہے اس پر ۱۲۱۶ھ کندہ ہے۔[۲۳۸]

شاہ عبدالقادر دہلوی (متوفی ۱۲۳۰ھ)

شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم دہلوی ۱۱۶۷ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کے مدرسہ سے علوم مروجہ حاصل کیے۔ عالم باعمل، فقیہ کامل، مفسر ومحدث، متقی وپرہیزگار بزرگ گزرے ہیں۔ درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ اردو زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا۔ بہت کم سخن، کثرت سے ذکر الٰہی کرنے والے اور مستجاب الدعوات تھے۔

۱۲۳۰ھ میں وفات پائی۔[۲۳۹]

مولوی اخوند ملا نسیم (متوفی ۱۲۳۱ھ)

ملا نسیم روہیلہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔[۲۴۰] اور سرحدی علاقہ میں ریاست دیر (ملاکنڈا ایجنسی) کے مقام ''اوچ'' کے رہنے والے تھے۔[۲۴۱] علوم ظاہری

toobaafoundation.com

کے بعد ملا نسیم نے علوم باطنی کے حصول کی طرف توجہ کی اور دہلی آ کر مرزا جانجاناں کے مرید ہوئے اور ان کی توجہات سے مقامات سلوک طے کیے۔ ملا نسیم کو مرزا صاحب سے بے پناہ محبت، غیر معمولی عقیدت اور بے مثل شیفتگی تھی۔ بلا اجازت مرشد کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ طبیعت مالش کرنے لگی تو استفراغ کے لیے مرزا صاحب سے اجازت طلب کی۔[۲۴۲]

ایک مرتبہ مرزا صاحب پانی پت میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے مکان پر مقیم تھے۔ ملا نسیم بھی وہیں ان سے استفادہ کر رہے تھے۔ اس دوران قاضی صاحب، بڈھانہ (ضلع مظفر نگر) میں تھے۔ مرزا صاحب جب دہلی جانے لگے تو ملا نسیم کو قاضی صاحب کے پاس استفادہ باطنی کے لیے بھیجا اور خط میں لکھا:

''باعث تحریر آنست کہ ملا نسیم جوانے روہیلہ بسیار مرد ہموار است وطالب مستعد۔ اخذ طریقہ کردہ ارادہ بڈھانہ نمودہ، در خدمت شما حاضر خواہد شد، توجہ کردن ضرور است''۔[۲۴۳]

چنانچہ ملا نسیم نے قاضی صاحب سے استفادہ کیا اور وہ ان کے بڑے عقیدت مند تھے۔ ملا نسیم کی خانقاہ جو ''خانقاہ نور محل'' کے نام سے مشہور ہے، اس میں ملا صاحب کے نام قاضی صاحب کے چار خطوط محفوظ ہیں جن سے بہت سی معلومات کے علاوہ یہ بھی انکشاف ہوتا ہے کہ ملا نسیم کے خسر نے بھی قاضی صاحب سے استفادہ باطنی کیا تھا۔ ایک خط میں قاضی صاحب نے اپنے ایک مرید، ملا سردار کے بارے میں لکھا تھا کہ ملا سردار دو سال یہاں رہے۔ اب وطن جا رہے ہیں۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ آپ انہیں توجہ دیں۔

مولوی اخوند ملا محمد نسیم کا انتقال ۱۲۳۱ھ میں ہوا۔[۲۴۴]

شاہ رفیع الدین دہلوی (متوفی ۱۲۳۳ھ)

شاہ رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم دہلوی، ۱۱۶۳ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد سے کسب علم کیا، مفسر، محدث، فقیہ اور محقق تھے۔ سنجیدگی، متانت،

toobaafoundation.com

راست بازی، منصف مزاجی، حلم اور بردباری ان کی شخصیت کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ سخاوت، صلہ رحمی، انکسار اور تواضع کے جذبات ان میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ درس وتدریس اور تصنیف وتالیف ان کا مشغلۂ شب وروز تھا۔ قرآن پاک کا اردو میں ترجمہ بھی کیا جس کو عام مقبولیت حاصل ہوئی۔ ۱۲۳۳ھ میں ان کا انتقال ہوا۔[۲۴۵]

شاہ عبدالعزیز دہلوی (متوفی ۱۲۳۹ھ)

شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم دہلوی ۱۱۵۹ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد اوران کے رفقاء سے علوم نقلیہ وعقلیہ حاصل کیے۔ زبردست عالم، مفسر اور محدث گزرے ہیں۔ انھوں نے تمام عمر درس وتدریس، افتا، فصل خصومات، وعظ ونصیحت اور تربیت مریدین میں صرف کردی۔ ساتھ ہی ساتھ تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری رہا اور قرآن پاک کی تفسیر ''فتح العزیز''، ''تحفہ اثنا عشریہ'' اور ''بستان المحدثین'' وغیرہ متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ ۱۲۳۹ھ میں وفات پائی۔ اپنے والد کی قبر کے پاس ہی مدفون ہیں۔[۲۴۶]

شاہ عبدالعزیز قاضی صاحب کے علمی وقار سے بہت متاثر تھے اور ان کو ''بیہقی وقت'' کہہ کر یاد کیا کرتے تھے۔[۲۴۷]

شاہ غلام علی دہلوی (متوفی ۱۲۴۰ھ)

نام عبداللہ عرف غلام علی بن سید عبداللطیف علوی سادات میں تھے۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔ قصبہ بٹالہ یا پٹیالہ (پنجاب) میں ۱۱۵۶ھ میں ان کی پیدائش ہوئی۔ علوم مروجہ حاصل کرکے ۲۲ سال کی عمر میں حضرت مرزا مظہر جانجاناں سے بیعت ہوئے اور تمام مدارج سلوک طے کرکے خلافت کی خلعت حاصل کی۔ مرزا صاحب کی شہادت کے بعد جب ان کی سجادہ نشینی کا مسئلہ آیا تو تمام خلفاء کی نظر قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی طرف تھی، لیکن قاضی صاحب نے مولوی نعیم اللہ بہرائچی کو ان کے خط کے جواب میں جب کہ وہ مرزا صاحب کے مزار کی تعمیر کرانے

toobaafoundation.com

کے سلسلہ میں دہلی میں تھے، لکھا:

''لیکن انصاف آنست کہ قائم مقام حضرت ایشاں شدن بسیار مشکل است۔ درحق مثل من ہیچکارہ ایں کلمہ بسیار ثقیل است''۔[۲۴۸]

اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی تجویز کیا کہ:

''شمارا و مولوی غلام علی را قائم مقام آنحضرت اگر گفتہ شود گنجائش دارد''۔[۲۴۹]

آخر کار شاہ غلام علی مرزا صاحب کے سجادہ نشین ہوئے۔ آپ قرآن کے حافظ اور بہترین قاری تھے۔ بعد فجر دس سپارے تلاوت کرنا روزانہ کا معمول تھا۔ اشراق کے بعد تفسیر وحدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ بعد نماز ظہر فقہ وتصوف کی تعلیم دیتے تھے۔ عصر کی نماز کے بعد مریدین کا حلقہ ہوتا تھا اور سب پر توجہ دیتے تھے۔ رات کا بیش تر وقت عبادت وریاضت میں گزرتا تھا۔ ان سے متعدد کرامات کا ظہور ہوا تھا۔ قاضی صاحب اور شاہ صاحب کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں بزرگ اپنے اپنے دلوں میں گہرے عقیدت مندانہ جذبات رکھتے تھے اور ایک دوسرے کی بڑی قدر ومنزلت کرتے تھے۔

۲۲ر صفر ۱۲۴۰ھ کو شاہ صاحب کا انتقال ہوا اور دہلی میں مرزا مظہر جان جاناں کے پہلو میں مدفون ہیں۔[۲۵۰]

مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (متوفی ۱۲۴۵ھ)

مفتی الٰہی بخش بن حکیم شیخ محمد کاندھلوی ۱۱۶۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کر کے دہلی گئے اور شاہ عبدالعزیز دہلوی اور شاہ غلام علی سے تمام علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل کی۔ مفتی صاحب تاحیات درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مصروف رہے۔ مختلف علوم وفنون پر ان کی تصانیف کی تعداد ساٹھ ہے۔ آراضی ہند کی شرعی حیثیت سے متعلق قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا فتویٰ، مفتی صاحب ہی کی وضاحت طلبی پر لکھا گیا تھا۔

مفتی صاحب کی وفات ۱۵ر جمادی الثانی ۱۲۴۵ھ کو ہوئی۔[۲۵۱]

toobaafoundation.com

شاہ ابوسعید (متوفی ۱۲۵۰ھ)

مولانا ابوسعید ۲ رذی قعدہ ۱۱۹۶ھ کو رام پور میں پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت مجدد الف ثانی سے اس طرح ملتا ہے: ابوسعید بن صفی القدر بن عزیز القدر بن محمد عیسیٰ بن سیف الدین بن خواجہ محمد معصوم بن احمد مجدد الف ثانی۔[۲۵۲] مولانا نے دس سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا تھا۔ وہ علم تجوید کے ماہر اور بہترین قاری تھے۔ ظاہری علوم شاہ عبدالعزیز دہلوی اور شاہ رفیع الدین دہلوی وغیرہ سے حاصل کیے تھے۔ باطنی علوم کی طرف توجہ ہوئی تو سب سے پہلے اپنے والد بزرگوار سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو علوم باطنی کی تکمیل کے لیے لکھا۔ قاضی صاحب نے شاہ غلام علی سے بیعت ہونے کا مشورہ دیا۔[۲۵۳] چنانچہ انھوں نے شاہ غلام علی سے علوم باطنی کی تکمیل کی اور تمام مدارج سلوک طے کر کے مقامات علیا حاصل کیے۔

شاہ غلام علی کے انتقال کے بعد شاہ ابوسعید ان کے سجادہ نشین ہوئے۔ انھوں نے لوگوں کی ایک کثیر تعداد کو مقامات سلوک طے کرائے۔ آپ کے درس وتدریس کے معمولات بھی وہی تھے جو ان کے پیرومرشد، شاہ غلام علی کے تھے۔ ۱۲۴۹ھ میں زیارتِ حرمین شریفین کو تشریف لے گئے۔ حج سے واپس آرہے تھے کہ راستہ میں بمقام ٹونک (راجستھان) یکم شوال ۱۲۵۰ھ کو عیدالفطر کے دن ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کے بیٹے، شاہ عبدالغنی ہم سفر تھے وہ جنازے کو دہلی لائے اور شاہ غلام علی کے پہلو میں دفن کیا۔[۲۵۴]

toobaafoundation.com

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی تصانیف

اب تک قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی مندرجہ ذیل تصانیف کا پتہ لگ سکا ہے:

تفسیر:۲

۱۔	تفسیر مظہری	عربی	مطبوعہ
۲۔	تفسیر پنج آیات از اول سورہ بقرہ	فارسی	مخطوطہ

حدیث:۴

۱۔	رسالہ چہل حدیث	فارسی	مخطوطہ
۲۔	احادیث مصافحہ ومشابکہ واتخاذ سبحہ	فارسی	مخطوطہ
۳۔	رویت النبی، صلی اللہ علیہ وسلم،	فارسی	مخطوطہ
۴۔	ترجمہ شمائل ترمذی	فارسی	مخطوطہ

عقائد:۱

۱۔	رسالہ در عقائد (باندازتصوف)	فارسی	مخطوطہ

فقہ:۱۳

۱۔	الفقہ فی المذاہب الاربعہ	عربی	مخطوطہ
۲۔	مالابدمنہ	فارسی	مطبوعہ
۳۔	حقوق الاسلام	فارسی	مطبوعہ
۴۔	حکم سرود ومزامیر	فارسی	مخطوطہ
۵۔	حکم سماع ومسئلہ وحدت الوجود	فارسی	مخطوطہ
۶۔	مسائل شتی	فارسی	مخطوطہ

toobaafoundation.com

۷۔	اخذِ اُجرت برخواندنِ قرآن	فارسی	مطبوعہ
۸۔	فتویٰ در جواز تقلید	فارسی	مخطوطہ
۹۔	فتویٰ در بارہ ایام عاشورہ	فارسی	مخطوطہ
۱۰۔	منار الاحکام	فارسی	مخطوطہ
۱۱۔	ماخذ الاقوی		مخطوطہ
۱۲۔	رسالہ فی العشر والخراج	فارسی	مخطوطہ
۱۳۔	آراضی مدد معاش کا شرعی حکم	فارسی	مطبوعہ

اصول فقہ:۱

۱۔	رسالہ پنج روزی در اصول فقہ	فارسی	مخطوطہ

تصوف:۱۱

۱۔	ارشاد الطالبین	فارسی	مطبوعہ
۲۔	الفوائد السبعہ	فارسی	مخطوطہ
۳۔	کیفیت مراقبہ	فارسی	مخطوطہ
۴۔	تذکرہ علوم ومعارف	فارسی	مخطوطہ
۵۔	جواب شبہات بر کلام مجدد	فارسی	مخطوطہ
۶۔	احقاق الحق	فارسی	مخطوطہ
۷۔	کتاب در وعظ ونصیحت	فارسی	مخطوطہ
۸۔	شرح حزب البحر	فارسی	مخطوطہ
۹۔	رسالہ اوراد ووظائف	فارسی	مخطوطہ
۱۰۔	مکاتیب در تصوف	فارسی	مطبوعہ
۱۱۔	تلخیص وتشریح کتاب النجات عن طریق الغوات	فارسی	مخطوطہ

ردروافض:۴

۱۔	السیف المسلول	فارسی	مطبوعہ

toobaafoundation.com

۲۔	رسالہ ردروافض	فارسی	مخطوطہ
۳۔	الشہاب الثاقب بطرد الشیطان المارد	فارسی	مخطوطہ
۴۔	حرمۃ متعہ	فارسی	مخطوطہ

سیر:۶

۱۔	تقدیس آباء النبی، صلی اللہ علیہ وسلم	عربی	مخطوطہ
۲۔	اللباب ہدیۃ لِلاَصحاب	عربی	مخطوطہ
۳۔	نُخبۃ گفتار فی مناقب انصار	فارسی	مخطوطہ
۴۔	قصہ امام احمد بن حنبل وغیرہ	فارسی	مخطوطہ
۵۔	تذکرۃ الانساب	فارسی	مخطوطہ
۶۔	نسب اطہر وازواج مبارکہ واولاد عالی گہر سرور عالمؐ	فارسی	مخطوطہ

متفرق:۷

۱۔	فصل الخطاب فی نصیحۃ اولی الالباب	فارسی	مخطوطہ
۲۔	تذکرۃ الموتی والقبور	فارسی	مطبوعہ
۳۔	تذکرۃ المعاد	فارسی	مطبوعہ
۴۔	التعلیقات المقالۃ الوضیۃ فی النصیحۃ والوصیہ	فارسی	مطبوعہ
۵۔	خطبات جمعہ	عربی	مخطوطہ
۶۔	وصیت نامہ	فارسی	مطبوعہ
۷۔	مکاتیب متفرقہ	فارسی	مطبوعہ ومخطوطہ

قاضی صاحب کی مندرجہ بالا تصانیف میں سے بارہ تو مطبوعہ ہیں اور مندرجہ ذیل کتابیں مجھے دستیاب نہ ہوسکیں۔

ترجمہ شمائل ترمذی

نسب اطہر وازواج مبارکہ واولاد عالی گہر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم

رسالہ اوراد ووظائف

toobaafoundation.com

منار الاحکام

ماخذ الاقویٰ

رسالہ فی العشر والخراج

رسالہ پنج روزی در اصول فقہ

تذکرۃ الانساب

فصل الخطاب فی نصیحۃ اولی الالباب

قاضی صاحب کی تصانیف میں نہ تو مضامین کی فہرست ہوتی ہے نہ ابواب علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ بس ایک تسلسل کے ساتھ لکھتے جاتے ہیں۔ ان کی تصانیف کا تعارف لکھتے وقت اس بات کی کوشش کی ہے کہ زیر بحث مضامین کی فہرست ترتیب دے دی جائے تاکہ کتاب کے نفس مضمون کا اندازہ ہو سکے۔

ایک کتاب ''فتاویٰ مظہری'' کو بھی قاضی صاحب کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ یہ فقہ کی دیگر کتابوں کی طرح فقہ کی ایک کتاب ہے جس کو قاضی صاحب کے پوتے مولوی عبدالسلام نے ترتیب دیا ہے لیکن اس کا انداز فتاویٰ کا سا نہیں ہے۔ معلوم نہیں کیوں اس کا نام ''فتاویٰ مظہری'' رکھا گیا ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے کسی طرح یہ یقین نہیں کیا جا سکتا کہ یہ قاضی صاحب کے فتوے ہوں گے۔ اسی لیے اس کتاب کو قاضی صاحب کی تصانیف میں شامل نہیں کیا جا رہا ہے۔

تصانیف کا تعارف

تفسیر مظہری: عربی، مطبوعہ

یہ تفسیر متعدد بار چھپنی شروع ہوئی، آخر میں دہلی سے مکمل شائع ہوئی۔

یہ بڑی معرکۃ الآراء اور دیگر تمام تفاسیر سے بے نیاز کر دینے والی تفسیر ہے۔ اس میں حضرات صحابہ کرام، رضوان اللہ علیہم اجمعین، اور تابعین عظام کے تفسیری

toobaafoundation.com

اقوال اور شان نزول وغیرہ سلف صالحین کی تفاسیر سے نقل کیے گئے ہیں، لغوی تحقیق کی گئی ہے اور نحوی تراکیب بھی بیان کی گئی ہیں۔ احادیث اس کثرت سے نقل کی ہیں جس کی نظیر نہیں ملتی اور سند و متن کے اعتبار سے ان کی صحت وضعف کو ظاہر کیا گیا ہے۔ باعتبار فقہ، حضرات ائمہ اربعہ کے مذاہب مع دلائل بیان کیے گئے ہیں اور ان میں جس مسئلے میں جو مذہب قاضی صاحب کے نزدیک اقرب الی الصواب تھا اس میں اس کو ترجیح دی گئی ہے اور بعض بعض جگہ دیگر ائمہ مجتہدین کا مسلک بھی بیان کیا گیا ہے۔ آیات سے جو فقہی احکام مستنبط ہوتے ہیں ان کو مع دلائل بیان کیا گیا ہے اور فروعی مسائل بھی درج کیے گئے ہیں۔ بہت سے مقامات پر عالمانہ تحقیق کے بعد حضرات اہل باطن کے طریقے پر آیات کا مطلب عام فہم زبان میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی بعض بعض جگہ اولیاء کرامؒ کے مکاشفات اور روحانی سیر، فنا، فناء الفنا اور بقا کی تشریح کی گئی ہے۔ تحقیق کے اندر منصوص کو قیاس پر ترجیح دی گئی ہے۔ قرأت عشرہ متواترہ بھی متعدد آیات کے ذیل میں بیان کی گئی ہے اور ہر مبحث پر سلف صالحین کے اقوال بکثرت نقل کیے گئے ہیں۔

تفسیر مظہری میں جن تفاسیر و دیگر کتب سے استفادے کے حوالے پائے جاتے ہیں ان کی تعداد ۳۳۴ ہے اور یہ سب کتابیں وہ ہیں جن کی صحت علما کے نزدیک مسلّم ہے۔ مزید برآں قاضی صاحب نے ان مآخذ کے بیانات پر جرح وتعدیل کر کے شکوک وشبہات کی گنجائش کو ختم کر دیا ہے۔ اس تفسیر کی تالیف کا کام غالباً ۱۱۹۲ھ/۱۷۷۷ء میں شروع ہوا اور ۲۷/جمادی الاول ۱۲۰۸ھ مطابق ۳۱/دسمبر ۱۷۹۳ء کو مکمل ہوا۔ آخر میں تفسیر مظہری کا تفصیلی تعارف پیش کیا گیا ہے۔

تفسیر پنج آیات: فارسی، قلمی، ۶×۸۔ صفحات ۶

الٓمٓ سے الْمُفْلِحُوْنَ تک پانچ آیات کی تفسیر ہے جو خالص صوفیانہ انداز پر لکھی گئی ہے۔ آیات لکھنے کے بعد قاضی صاحب تفسیر کی ابتداء اس طرح کرتے ہیں:

"آں کتاب مشتمل بر ہدایت موصل بمقصود حقیقی است مر آں

toobaafoundation.com

متقیاں را کہ از توجہ بماسواء ذاتِ بحت کہ شرک ومعصیت اتقیا
است، اتقاء گزیدہ اند وایمان بخدائے آوردہ اند کہ غیرُ مدرک
وغیر مشہود است''۔

پرہیزگاروں اور متقیوں کے ایمان کی تشریح کرتے ہوئے قاضی صاحب نے بتایا کہ یہ وہ ایمان بالغیب ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی تجلیات کے مشاہدے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ ایمان شہودی میں اگرچہ لفظ ''شہودی'' استعمال ہوا ہے لیکن اِس ایمان بالغیب کے ساتھ اُس کی کوئی مناسبت نہیں ہے۔ یہ تو وہ ایمانِ بالغیب ہے کہ سو ہزار ایمان شہودی اس کے ادنیٰ مرتبہ کے آستانہ بوسی کی تمنا رکھتے ہیں اور یہ ایمان غیب وہ غیب ہے کہ اسی بحرِ لامتناہی سے انبیاء، اولیاء اور علمائے راسخین نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق حصہ پاکر اس کو اپنے کام کا مرکز بنایا ہے۔ خاص کمالات اور قربہائے مرضیہ کی جو دولت کسی کو حاصل ہوتی ہے وہ اسی ایمان بالغیب کی برکت سے حاصل ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ ایمان بالغیب، ایمانِ شہودی سے بلند وبالا ہے اور اخص الخواص کا حصہ ہے۔ یہ غیب وہ غیب ہے کہ بیچارہ شہود، اس مرتبہ کی بو بھی نہیں سونگھ پاتا ہے۔ اس کی حقیقت کا علم اس کو کیا ہو پائے گا۔

ایمان کا مطلب بتاتے ہوئے قاضی صاحب نے بیان فرمایا ہے کہ ایمان بالغیب سے مراد، انقیاد ظاہری وباطنی ہے اور انقیاد ظاہری کا مطلب یہ ہے کہ فرائض و واجبات اور سنن کی ادائیگی بڑے ذوق وشوق اور خلوص دل وجان سے ہو۔ اس انقیاد ظاہری کے سات مراتب بتا کر قاضی صاحب نے ان ساتوں مراتب میں سے ہر ایک کے سات سات مراتب مزید بیان کیے ہیں ان میں بھی ہر ایک کا مرتبہ اپنی شان اور اپنے حکم میں ایک کو دوسرے سے جدا اور خود مختار ہونا بتایا ہے۔ ان مراتب ظاہری کو طے کرنے کے بعد ایک ایسا ملکہ حاصل ہو جاتا ہے کہ تمام تحتانی مراتب اس ملکہ کے تحت ہو جاتے ہیں اور مومن کو لاتعداد منافع حاصل ہوتے ہیں۔

انقیاد باطنی سے مراد، خالص دل کا وہ مضبوط تعلق ہے جو منجملہ تمام لطائف

toobaafoundation.com

کے صرف ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ سے ہے۔ اسی مرتبہ کی تو اطلاع اللہ تعالیٰ نے یہ دی ہے۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ (انفال:۲۴) اور رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، نے بھی اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَایَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَانَبِیٌّ مُرْسَلٌ قاضی صاحب نے اس انقیاد باطنی کے بھی سات درجے بتائے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی ایک جدا شان اور کمال ہے۔ ان ساتوں مراتب میں سے ہر ایک کے سات سات مزید ایسے مراتب ہیں کہ ہر ایک اپنے خواص اور شیونات میں ایک دوسرے سے جداگانہ اور خود مختار ہے۔ انقیاد باطنی کے تمام مراتب طے کرنے کے بعد ہی ایک ایسا ملکہ حاصل ہوتا ہے کہ تمام تحتانی مراتب اس کے ضمن میں ہوتے ہیں۔ اس انقیاد باطنی کے ملکہ کا مالک شخص، مومن کامل اور مقربِ خاص ہوتا ہے۔ اس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ دوسروں سے جدا ہوتا ہے۔ اس ملکۂ انقیاد باطنی کے خواص اور فوائد احاطہ تحریر و بیان سے باہر ہیں کیوں کہ یہ ایک خاص ذوقی کیفیت ہوتی ہے۔ جو شخص ماہر غوطہ خور ہے وہی اس بحرِ موّاج سے گوہر مقصود کو ساحلِ مراد تک لا سکے گا اور اپنی استعداد کے مطابق اس آبِ شیریں کا گھونٹ چکھ سکے گا۔ ایسے شخص کے معارف و مواجید عام اولیاء کے فہم وادراک سے باہر ہوتے ہیں۔ یہ ان متقیوں کے ایمان کا بیان ہے جن کو ایمان بالغیب، شہود کے بعد حاصل ہوتا ہے اور وہ ماسوی اللہ سے چھٹکارہ پا لیتے ہیں۔

وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ کی تفسیر میں حضرت قاضی صاحب، متقی کی نماز کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں کہ متقی لوگ حضورِ قلب اور دیگر لطائف کے ساتھ ذات واحد مجردہ کے حضور میں نماز ادا کیا کرتے ہیں اور ہر رکن کو حتی الوسع اخلاص و استقامت کے مرتبہ کی رعایت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ مثلاً پہلے رکن، تحریمہ میں وہ اس طرح ہاتھ اٹھاتے ہیں کہ حضورِ غیب میں ماسوی اللہ سے اعراض کر لیتے ہیں۔ بالکل اسی طرح ہر رکن میں ان کا قرب علیحدہ علیحدہ ہوتا جاتا ہے۔ ان کے بدن کے ساتوں اعضاء یعنی سر، دونوں ہاتھ، دونوں زانوں اور دونوں پیر، رکنِ قیام نماز میں مرتبہ

toobaafoundation.com

حضوری پر پہنچ کر اپنے اپنے معمولات میں مشغول ہو جاتے ہیں اور اس مرتبۂ قیام میں ہر عضو اپنے آپ کو درجہ حضوری کے ساتویں مرتبہ تک پہنچا دیتا ہے۔

رکنِ قرأت کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کے بھی سات مواطن ہیں اور ہر مرتبۂ باطن کی ان مواطن سے ایک علیحدہ نسبت حضوری ہے۔ رکوع میں متقی کے ساتوں اعضاء میں سے ہر عضو اپنے وظیفہ میں حضوری کے ساتویں درجہ تک مشرف ہوتا ہے۔ اسی طرح سجدہ میں بھی جو اہم ترین اور اقرب ترین رکن ہے اعضائے سبعہ میں سے ہر ایک عضو اپنے وظیفہ میں ایسا مشغول رہتا ہے کہ کوئی دوسرے کے راز سے واقف نہیں ہوتا۔ سجدے کی حالت میں ہر عضو ایسا لطف پاتا ہے اور ایسی چیز دیکھتا ہے کہ باقی رکنوں میں اس کا دسواں حصہ بھی دیکھنا نصیب نہیں ہوتا۔ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، فرماتے ہیں: قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ اور فرمایا: اَرِحْنِيْ يَا بِلَالُ اور یہ بھی فرمایا: اَلصَّلٰوةُ عِمَادُ الدِّيْنِ، گویا نماز کے یہ سب مناقب، اسی رکن کی وجہ سے بیان فرمائے گئے ہیں اور تمام ارکان کا ثمرہ اور نتیجہ اس آخری رکن کو مقرر کیا ہے کیوں کہ تواضع اور خاکساری، اور زمین پر ماتھا رگڑنے کی ذلت، جو عین عزت ہے، اس آخری رکن کو نصیب ہے۔ جو مقام اس آخری رکن کو ملا ہے، دوسرے ارکان نے اس کی خوشبو تک نہیں سونگھی ہے۔ چنانچہ یہ آخری رکن، تمام ارکان سے خاکساری اور شکستگی کی صورت میں نزدیک تر ہے۔ معنی میں تمام رکنوں سے مقبول تر اور قریب تر ہے۔ اَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ میں اسی آخری رکن کی طرف اشارہ ہے۔ وہ لوگ جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے شکستگی اختیار کرتے ہیں، یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کے قربِ خاص تک پہنچ جاتے ہیں۔

سجدے کے اندر ساتوں مراتب حضوری طے کرنے کے بعد قعدہ میں بھی متقی سات مراتب، حضوری تک پہنچتا ہے۔ مذکورہ بالا نماز کی ادائیگی اور فراغت کے بعد متقی دعا میں مشغول ہوتا ہے، کیوں کہ دعاء عبادت کا دل واقع ہوئی ہے۔ اور وہ دعا میں، قرب رب العزت کی خزانوں کی اور اللہ کے قبول فرمانے کی بہت گنجائش

toobaafoundation.com

پاتا ہے۔ متقی کو دعاء میں بھی سات مراتب تک حضوری عنایت فرمائی جاتی ہے۔ ہر مرتبہ پر ایک نیا قرب اور نیا نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ نماز اور روزے کی طرح دعاء کا بھی ظاہر اور باطن ہوتا ہے۔

ہر وہ انسانِ کامل جس کا ایمان، نماز، روزہ اور اسی طرح زکوٰۃ اور حج کا ظاہر و باطن، مراتب ہفت گانہ تک پہنچ جاتا ہے وہ بارگاہ الٰہی میں بڑا فضل و کرم اور بیشمار انعامات پاتا ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ (سورہ حدید:۲۱، سورہ جمعہ:۴)

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حضرت مفسر تحریر فرماتے ہیں کہ جو کچھ ان کو ہم (اللہ تعالیٰ) نے عطا کیا ہے اس میں سے ظاہراً و باطناً ہر خاص و عام اہل ظاہر پر خرچ کرتے ہیں۔ ظاہری نعمتوں میں سے سات درجات تک، خوشی خوشی، صرف پروردگار کی رضا کی خاطر، خرچ کرنے میں خلوص نیت کی رعایت کرتے ہیں اور اس عملِ ظاہر کی فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ کی قبولیت کے اثر سے دل کی فرحت حاصل کرتے ہیں۔ اور ان ظاہری نعمتوں کا شکر دل و جان سے بجالاتے ہیں۔ جب اہل باطن کو انفاق باطنی سے نوازا جاتا ہے تو ان کی استعداد کے مطابق ان کو سیراب بھی کیا جاتا ہے۔ پہلے وہ استعداد باطنی، یعنی تجلیِ افعالی، تجلیِ صفاتی اور تجلیِ ذاتی، سے مشرف ہوتے ہیں پھر باطنی نعمتوں کا انفاق کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت خاتم المرسل، صلی اللہ علیہ وسلم، فرماتے ہیں: اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ۔

مومن کامل کو مخلوق کے رازوں پر نظر رکھنے کی صلاحیت عطا فرمادی جاتی ہے۔ تاکہ طالب کی استعدادی ضرورتوں کو ملاحظہ فرما کر اس کی استعداد کے تقاضے کے مطابق تزکیہ، تصفیہ، تخلیہ اور تجلیہ کرے، ترتیب سلوک کے مطابق ان میں ذوق و شوق پیدا کرے اور ان کو انوارِ ذاتی و صفاتی کی جائے نزول بنادے۔ مرید اگر صاحبِ علمِ اسرار ہے تو اس کو ہر وقت پیر کامل کی صحبت سے بے حد باطنی ترقیاں اور بے شمار

toobaafoundation.com

ولامتناہی فیوضات حاصل ہوں گے۔ ان بزرگوں کی خدمت کی برکت سے ایسا مرید ایک دفعہ میں اتنا کچھ حاصل کر لیتا ہے کہ اگر کوئی ہزاروں ہزار سال محنت وکوشش کرے اور سخت مشقت ومجاہدات کرے تب کہیں شاید اس کے برابر کچھ ہاتھ آپائے۔ یہ عظیم نتیجہ ان اکابرین کی صحبت کا ہے جو استقامت ظاہری وباطنی کو سات درجہ تک پہنچا کر چھوڑتے ہیں۔ پس ان کی موافقت ہر شخص کو استقامتِ ظاہری وباطنی کے انتہائی مرتبہ تک پہنچاتی ہے اور اللہ کی مخلوق بھی ان کی متبرک ذات سے ظاہر وباطن کی بے اندازہ سعادت وہدایت حاصل کرتی ہے۔

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُونَ بِمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۔ وہ متقی لوگ، اس کتاب پر جو آپ پر نازل ہوئی اور ان چیزوں پر جو آپ سے پہلے لوگوں پر نازل ہوئیں ایمان لاتے ہیں۔ پس تمام منزلات من اللہ کو حق جان کر ایمان لاتے ہیں اور ان کے ظاہری وباطنی فیوضات سے بہرہ مند ہوتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں کہ آخرت جزا کا مقام ہے اس لیے کہ دنیا عمل کی جگہ ہے۔ جس طرح یہ دنیا زندگی اور موت کی جگہ ہے اور یہ دونوں ظاہر ویقینی ہیں، اسی طرح متقی لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں کہ آنی ہے اور بدلہ ملنا ہے۔

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۔ وہ متقی لوگ اپنے پروردگار کی ہدایت پر ہیں کیوں کہ پروردگار کی ہدایت ہی مطلوب حقیقی سے ملانے والی ہے۔ وہ لوگ ہر لحہ ایسی لذت پاتے اور ایسے جامِ ہدایتِ حق سے سیراب ہوتے رہتے ہیں کہ علاوہ حق کے کسی کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ یہی متقی لوگ خلاصی اور نجات پانے والے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو ماسوی اللہ کی غلامی سے نجات پاکر، عمدہ مناصب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے قربِ ذاتی سے مشرف ہوتے ہیں۔ ان کے کاندھوں پر عزت کے خلعت اور سر پر احترام کا تاج پہنایا جاتا ہے اور ان کو استقامت کی دولتِ خاص سے نوازا جاتا ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے سر افتخار کو آستانہ

toobaafoundation.com

احمد مختار پر رگڑتے ہیں۔ وہ احمد مختار جو تمام بزرگوں کے مقتدیٰ اور تمام عالم کے لیے رحمت ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ قربِ صفاتی ہو یا قربِ ذاتی سب خاتم الرسل، صلی اللہ علیہ وسلم، کے طفیل سے حاصل ہوتا ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِيْنَ (انبیاء:۱۰۷) ان ہی کی شان میں وارد ہوا ہے۔ جتنا قرب ذات زیادہ ہوگا اتنا ہی ماسویٰ اللہ سے خلاصی زیادہ ہوگی۔ جب مذکورہ متقی رضائے تام اور خلاصی تام کے ساتھ، مقربین وصدیقین کے مقام میں باریابی پالیتا ہے تو ماسویٰ اللہ کی گرفت سے، قرب الٰہی کی مقدار کے مطابق خلاصی پالیتا ہے اور آزادی کے مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ اور اپنے ہم جنس سے زیادہ قابل احترام ہوجاتا ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقَاكُمْ۔ (حجرات:۱۳) ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ (حدید:۲۱، جمعہ:۴)

رسالہ چہل حدیث: فارسی، قلمی، ۶×۸۔ صفحات ۱۵

قاضی صاحب کے پوتے، مولوی عبدالسلام کے یہ الفاظ ''ہر چند کہ علماء اکابر چہل حدیث نوشتہ اند... ولے بایں خوبیٔ ترتیب وحسن تنسیق وتفسیر مسائل مہمہ وبیان فوائد عزیزہ کسے موفق نشدہ'' اس رسالہ کے تعارف کے لیے کافی ہیں۔

اس رسالہ پر نہ نام ہے نہ دیباچہ بلکہ اس کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے:

حدیث اول: عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "مَنْ حَفِظَ عَنْ أُمَّتِيْ اَرْبَعِيْنَ حَدِيْثاً مِنَ السُّنَّةِ كُنْتُ لَهُ شَفِيْعاً وَشَهِيْداً يَوْمَ الْقِيَامَةِ" رواہ ابن عدی وروی ابن النجار عن ابی سعید۔ گویا اس حدیث سے ابتداء کرنا ہی رسالہ کے نام اور مقصد دونوں کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کافی ہے۔ اسی طرح اس کے بعد "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" والی حدیث، پھر "اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ" والی حدیث، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت معاذ بن جبل کے درمیان "تَعْبُدُاللّٰهَ وَلَاتُشْرِكُ بِهٖ شَيْئاً" والی گفتگو، پھر "مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ" والی حدیث، پھر "لَااِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ" والی حدیث اسی طرح آخر تک بڑی

toobaafoundation.com

ایمان افزا خوبی کے ساتھ احادیث ترتیب دی ہیں۔ ابواب اور عنوانات تو قائم نہیں کیے لیکن درج ذیل مضامین کا لحاظ رکھا ہے:

پہلی حدیث سے کتاب کا نام اور مقصد تصنیف کا اظہار ہوتا ہے۔

دوسری حدیث نیک نیتی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

تیسری حدیث تقویٰ اور ایمان کامل کی حد بندی کرتی ہے۔

چوتھی حدیث نجات و کامیابی کے گُر بتاتی ہے۔

پانچویں حدیث ایمان کامل کی پہچان بتاتی ہے۔

چھٹی حدیث میں بھی ایمان کامل کی دوسری پہچان ہے۔

ساتویں حدیث میں افضل ایمان کا ذکر ہے۔

آٹھویں حدیث اتباع سنت سے متعلق ہے۔

نویں حدیث فتنہ کے دور میں اتباع سنت کے ثواب کے بارے میں ہے۔

دسویں حدیث اکلِ حلال، اتباع سنت اور حقوقِ عباد کے بارے میں ہے۔

گیارھویں حدیث خواہشات کو شریعت کے مطابق بنانے کے بارے میں ہے۔

بارھویں حدیث مذہب اہل سنت والجماعت کے برحق ہونے کی دلیل ہے۔

تیرھویں حدیث سنت کو رواج دینے کی فضیلت کے بارے میں ہے۔

چودھویں حدیث علم کی فضیلت کے بیان میں ہے۔

پندرھویں حدیث میں کتمانِ علم کے انجامِ بد کا ذکر ہے۔

سولھویں حدیث حصول علم برائے شہرت و نام و نمود کے انجام بد کے بارے میں ہے۔

سترھویں حدیث بے علم، خلاف شرع فتویٰ اور غلط مشورہ دینے سے متعلق ہے۔

اٹھارھویں حدیث ہر ہزار سال بعد مجدد پیدا ہونے کے بارے میں ہے۔

انیسویں حدیث نماز، روزہ سے گناہ صغیرہ کے معافی سے متعلق ہے۔

بیسویں حدیث گناہ کبیرہ کے بیان میں ہے۔

toobaafoundation.com

اکیسویں حدیث میں سات مہلک گناہوں کا ذکر ہے۔

بائیسویں حدیث میں مواظبت نماز کی اہمیت اور عدم محافظت نماز کی سزا کا تذکرہ ہے۔

تیئیسویں حدیث میں بحالت روزہ، دروغ گوئی اور عمل بد کے ارتکاب پر روزہ کے قبول نہ ہونے کی اطلاع ہے۔

چوبیسویں حدیث صلحاء کی صحبت اختیار کرنے کے بارے میں ہے۔

پچیسویں حدیث میں سماجی زندگی میں تقویٰ کی روش اختیار کرنے کے لیے چند وصیتیں ہیں۔

چھبیسویں حدیث میں سکوت دراز اور نیک خوئی کی فضیلت واہمیت کا بیان ہے۔

ستائیسویں حدیث میں بتایا ہے کہ غیبت کرنے والا زانی سے بدتر ہے۔

اٹھائیسویں حدیث میں غیبت اور بہتان کا فرق بیان کیا گیا ہے۔

انتیسویں حدیث میں بتایا گیا ہے کہ خیانت اور دروغ گوئی، مسلمان کی خصلت نہیں ہوسکتی۔

تیسویں حدیث کا مفہوم ہے کہ مسلمان بزدل اور بخیل تو ہوسکتا ہے مگر دروغ گو نہیں ہوسکتا۔

اکتیسویں حدیث میں ہے کہ مسلمان طعنہ زن، لعنت کرنے والا اور فاحش وبدگو نہیں ہوتا ہے۔

بتیسویں حدیث کا مفہوم ہے کہ کسی ایسے شخص کو جو کافر یا فاسق نہ ہو، کافر وفاسق کہنے والا خود کافر یا فاسق ہوتا ہے۔

تینتیسویں حدیث اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ والی ہے۔

چونتیسویں حدیث لایعنی باتوں کے ترک کرنے کے سلسلے میں ہے۔

پینتیسویں حدیث میں تکبر کرنے والوں کے عذابِ دوزخ کا حال ہے۔

چھتیسویں حدیث میں اس عابد کا ذکر ہے جو قیامت کے دن مفلس ہوگا۔

toobaafoundation.com

سینتیسویں حدیث میں ہے کہ برائیوں سے روکنے کی قدرت رکھنے کے باوجود کوئی قوم برائیوں سے لوگوں کو باز نہ رکھے تو عذاب الٰہی آجاتا ہے۔

اڑتیسویں حدیث فتنہ کے زمانے میں ایمان پر قائم رہنے کے بارے میں اور اس کے اجر عظیم سے متعلق ہے۔

انتالیسویں حدیث میں بغیر حساب جنت میں جانے والوں کا ذکر ہے۔

چالیسویں حدیث میں دکھاوے کے اعمال کو شرک بتایا ہے اور اولیاء اللہ کے چراغ راہ ہونے کا بیان کیا گیا ہے۔

گویا اس خوبی سے احادیث کو مرتب کیا ہے کہ ان پر بترتیب عمل کرنے والا شخص متقی اور انسان کامل بن جائے۔ ہر حدیث کا فارسی ترجمہ کر کے اس کی بڑی دل نشین تشریح کی ہے۔ نمونہ کے طور پر ایک حدیث مع تشریح ملاحظہ ہو:

حدیث سوم: عن عبداللہ بن عمر، رضی اللہ عنہما، قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِن لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ وَالْمُھَاجِرُ مَن ھَجَرَ مَانَھٰی اللّٰہُ عَنہ۔ (رواہ البخاری) یعنی مسلمان کسی است کہ محفوظ باشند مردم از زبان ودست او۔ وہجرت کنندہ کسے است کہ بگزارد چیزے را کہ خدا از آں منع کردہ۔ ایں حدیث محدد جہاتِ ایمان وتقویٰ است کہ تقویٰ عبارت است از اتیانِ واجبات وترک منہیات ۔ دریں حدیث ترک منہیات مذکور است وترک منہیات مستلزم ادائے واجبات است چرا کہ ترک واجب منہی عنہ است۔ ودریں حدیث ادائے واجبات را در ضمن ترک منہات مذکور فرمود از جہت آں کہ دفع مضرات از جلب منفعت مقصود تر است۔ وایذا دادن مسلمانان از دست یا از زباں ہر چند داخلِ منہیات است لیکن چوں پرہیز از ایذائے مسلمانان ضرور تر است کہ حق تعالیٰ کریم است، حقوق خود می بخشد وحقوق بندگان ہرگز در بخشش نیاید لہٰذا آنحضرت ایں را جدا ذکر فرمود وازاں مقدم ساختہ۔ از ینجا خواجہ حافظ می گوید:

مباش در پے آزار ہر چہ خواہی کن
کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

toobaafoundation.com

یعنی غیر ایں مانند ایں گناہے نیست۔ اگر شخصے ترک معاصی قلبی وقالبی کند دیگر از نوافل عبادات ہیچ نکند، اوتقی ومسلمان کامل است۔ واگر نوافل بسیار کند وترک معصیت نکند وصورت متقیاں نماید، ہیچ نیست:

دراز دستی ایں کوتاہ آستیناں بیں
بزیر دلق ملمع کمندہا دارند

یعنی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ رہیں۔ اور مہاجر وہ ہے جو ان تمام چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ یہ حدیث ایمان اور تقوے کی جہتوں کی حد بندی کرتی ہے۔ تقویٰ، واجبات کی ادائیگی اور منہیات کے ترک سے عبارت ہے۔ اس حدیث میں ترکِ منہیات کا ذکر ہے اور ترکِ منہیات کے لیے ادائے واجبات لازم ورنہ اس سے ترک واجبات لازم آتا ہے۔ اوراس حدیث میں واجبات کی ادائیگی کو ترک منہیات کے ضمن میں اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ مضرات دفعیہ، منفعت کے جلب سے مقصود ہے۔ اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچانا ہاتھ یا زبان سے ہر چند کہ منہیات میں داخل ہے لیکن مسلمانوں کو ایذا پہنچانے سے پرہیز کرنا زیادہ ضروری ہے کیوں کہ حق تعالیٰ کریم ہے، اپنے حقوق تو بخشتا رہتا ہے۔ اور بندوں کے حقوق ہرگز بخشش میں نہیں آتے۔ اسی لیے آنحضرتؐ نے اس کو علیحدہ سے ذکر فرمایا اوراس کو مقدم رکھا۔ خواجہ حافظ کہتے ہیں:

مباش درپے آزار ہرچہ خواہی کنی
کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

یعنی اس کے علاوہ اس جیسا گناہ نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے دل اور عمل سے گناہوں سے باز رہتا ہے اور دوسری کوئی نفل عبادت نہیں کرتا تو وہ متقی ہے اور کامل مسلمان ہے اور اگر نفلیں تو بہت پڑھتا ہے اور گناہوں سے باز نہیں رہتا اور شکل وصورت متقیوں کی سی بنائے رہتا ہے تو وہ کچھ بھی نہیں ہے۔

اسی طرح دیگر احادیث کی بھی تشریح وتفسیر بیان کر کے قاضی صاحب نے

toobaafoundation.com

اس رسالے کو دوسرے مرتبین کے جمع کردہ چہل حدیث کے رسائل سے ممتاز اور حسین ترین بنادیا ہے۔ اور اپنے فوائد عزیزہ سے اس میں چار چاند لگادیئے ہیں۔

حدیث مصافحہ ومشابکہ واتخاذ سبحہ: عربی، قلمی، ۶×۸، صفحات ۴

اس رسالے میں قاضی صاحب نے تین ایسی حدیثیں بیان کی ہیں جو براہ راست قاضی صاحب تک پہنچی ہیں۔ پہلی حدیث مصافحہ کرنے سے متعلق ہے۔ دوسری حدیث انگلیوں میں انگلیاں ڈالنے کے بارے میں ہے اور تیسری حدیث تسبیح کے استعمال سے متعلق ہے۔

حدیث مصافحہ: یہ حدیث چار اسناد کے ساتھ بیان کی ہے:

پہلی سند میں ۲۵ راویوں کا ذکر ہے اور بائیسویں راوی کے بعد اس طرح ہے:

عَنْ خَلَفِ بِنْ تَمِيمٍ قَالَ دَخَلْنَا عَلٰى اَبِى هُرْمُز نَعُوْدُهٗ فَقَال دَخَلْنَا عَلٰى اَنَسِ بِنْ مَالِكٍ، رَضِى اللّٰه عَنه، نَعُوْدُهٗ فَقَالَ: صَافَحْتُ بِكَفِّىْ هَذَا كَفَّ رَسُولِ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰه عَلَيه وَسَلَّمْ، فَمَا مَسِسْتُ خَزّاً وَلَاحَرِيراً اَلْيَنَ مِنْ كَفِّهٖ، صَلى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَال اَبُوْهُرْمُز: فَقُلْنَا لَانَسِ بِنْ مَالِكٍ: صَافِحْنَا بِالْكَفِّ الَّتِىْ صَافَحْتَ بِهَا، رَسُوْل اللّٰه صَلى اللّٰه عَلَيه وسلم، فَصَافَحَنَا قَالَ خَلَفٌ قُلْنَا لأبى هُرْمُز: صَافِحْنَا بِالْكَفِّ الَّتِى صَافَحْتَ بِهَا أنساً فَصَافَحَنَا"۔

دوسری سند میں ۲۳ راویوں کے ساتھ یہی حدیث اتنے اضافے کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ:

"غَيْرَ اَنَّ قَالَ اَبُوْهُرْمُز فَصَافَحْنَا يَعْنِى أنَساً فَمَا مَسِسْتُ خَزّاً وَلَاحَرِيْراً اَلْيَنَ مِن كَفِّهٖ وَقَال اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَكَذا قَال خَلَفٌ وَهٰكَذَا مُسَلْسَلاً"۔

تیسری سند میں ۱۳ راویوں نے مصافحہ کے سلسلہ کو قائم رکھ کر اس طرح بیان کیا ہے:

toobaafoundation.com

"عَنُ المَعْمَرِ وَهُوَ صَافَحَ النَّبِیَّ ،صَلَی اللّٰہ عَلَیہِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ مَنُ صَافَحَنِی اَوُصَافَحَ مَنُ صَافَحَنِی اِلَی یَوُمِ الُقِیَامَةِ دَخَلَ الُجَنَّةَ"۔

چوتھی سند میں بھی گیارہ راویوں کے توسط سے مصافحہ کے سلسلے کو ابوالعباس الخضر کے ذریعہ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، سے ملایا ہے۔

حدیث مشابکہ: مصافحہ کی طرح ایک شخص کا دوسرے شخص کی انگلیوں میں انگلیاں ڈالنے کو مشابکہ کہتے ہیں۔ یہ حدیث دو سندوں کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ پہلی سند میں ۱۷ راویوں کے بعد اس طرح حدیث بیان کی گئی ہے:

"عن الشیخ علی بن محمد المحایکی الباهری عن الشیخ ابن الحسن الباعورانی قال رأیت رسول الله، صلی الله علیه وسلم، فِیُ الُمَنَامِ، فَشَبَّكَ أَصَابِعَهُ بِاَصَابِعِی وَقَالَ یَا عَلِی شَابِكُنِی فَمَنُ شَابَكُنِی دَخَلَ الُجَنَّةَ وَمَازَالَ یَعُوُدُ حَتّٰی وَصَلَ اِلٰی سَبُعَةَ ثُمَّ استَیُقَظَتُ وَاَصَابِعِی فِی أَصَابِعَ رَسُولِ اللّٰہ، صَلَّی اللّٰہ عَلَیہِ وَسَلَّمَ، "۔

دوسری سند میں حدیث مسلسل بالمصافحہ والمشابکہ کو ولی کامل احمد بن حجی ابوہرانی تک پہنچایا ہے۔

حدیث اتخاذ سُبُحَہ: تسبیح کے استعمال کے سلسلہ میں یہ حدیث ۲۶ واسطوں سے قاضی صاحب نے اس طرح روایت کی ہے:

"فقال عمر المکی، رأیت استاذی الحسن البصری وفی یده سُبُحَةٌ فَقُلُتُ یَااُستَاذُ مَا اَعُظَمَ شَانَكَ، وَحُسُنِ عِبَادَتِكَ، وَأَنُتَ اِلی الآنِ مَعَ السُّبُحَةَ، فَقَال: لِیُ هٰذا شَیُئٌ كُنَّااِستَعُمَلُنَاهُ فِی البِدَایَاتِ مَالَنَا نَتُرُكُ فِی النِّهَایَاتِ أَنَا أُحِبُّ أَنُ أذكُرَ اللّٰہَ بِقَلُبِیُ وَیَدِیُ وَلِسَانِیُ"۔

اس کے بعد قاضی صاحب نے تحقیق کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ تسبیح

toobaafoundation.com

کا استعمال عہد صحابہ میں بھی تھا، فرماتے ہیں کہ:

حسن بصری کے قول سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ صحابہ کے زمانے میں تسبیح موجود تھی اور استعمال ہوتی تھی جب کہ انھوں نے کہا کہ: یہ وہ چیز ہے جس کو ہم ابتدا میں استعمال کیا کرتے تھے۔ اور حسن بصری کا ابتدائی زمانہ یقیناً صحابہ کرام کے ساتھ گزرا ہے کیوں کہ وہ جب پیدا ہوئے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دو سال باقی رہ گئے تھے۔ انھوں نے حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت طلحہ کو دیکھا ہے۔ وہ قضیہ عثمان کے وقت یوم الدار میں خود موجود بھی تھے۔ اس وقت ان کی عمر چودہ برس کی تھی۔ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عمران بن حصین، حضرت معقل بن یسار، حضرت ابوبکرۃ، حضرت ابوموسیٰ، حضرت ابن عباس، حضرت جابر بن عبداللہ اور بہت سے صحابہ سے حسن بصری نے احادیث روایت کی ہے۔

گویا تسبیح کا استعمال دور صحابہ سے ہے۔ جب صحابہ نے تسبیح استعمال کی تو گویا دور رسالت سے اس کا استعمال جاری ہے۔

رویۃ النبی، صلی اللہ علیہ وسلم: فارسی، قلمی، ۶×۸، صفحات ۴

قاضی صاحب اس رسالہ کو حضرت ابوہریرہ سے روایت کردہ بخاری اور مسلم کی ایک حدیث سے شروع کرتے ہیں کہ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، نے فرمایا:

"مَنْ رَآنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَیَرَانِیْ فِی الْیَقْظَةِ وَلَا یَتَمَثَّلُ الشَّیْطَانُ بِیْ"

قاضی صاحب نے پہلے اس اختلاف کا ذکر کیا ہے جو مختلف علماء کے درمیان اس حدیث کے معنی سمجھنے میں پیدا ہوا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ جواب بھی دیتے گئے ہیں۔ جب کہ بعض اصحاب اس حدیث کا مطلب نکالتے ہیں کہ قیامت کے دن آنحضرت، صلی اللہ علیہ وسلم، کو دیکھیں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن تو تمام مومنوں کو آنحضرت کا دیدار ہوگا ہی۔ اسی طرح کی افہام وتفہیم کے بعد قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس حدیث کو اپنے عموم پر رکھا جائے اور کہا جائے کہ آنحضرت، صلی اللہ علیہ وسلم، کو خواب میں دیکھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ظاہر میں،

toobaafoundation.com

دیکھ لیا۔

اس کے بعد قاضی صاحب بڑی دلچسپ اور صوفیانہ تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مقتضاء یہ ہے کہ بیداری میں دیکھے، یہ نہیں کہ سَر کی آنکھوں سے دیکھے۔ اولیاء کرام آنحضرت، صلی اللہ علیہ وسلم، کو حالت بیداری میں غالباً دل کی آنکھ سے دیکھتے ہیں سَر کی آنکھ سے نہیں۔ ان کی زندگی میں چشم دل اس قدر غالب رہتی ہے کہ چشم سَر کو چھپا لیتی ہے اور ایسی صورت میں یہ خیال ہوتا ہے کہ چشم سَر سے دیکھا ہے۔ واللہ اعلم۔ قاضی صاحب اپنی اس تشریح کی شہادت علامہ سیوطی کے اس قول سے دیتے ہیں کہ 'حضرت ابن عباس نے آنحضرت، صلی اللہ علیہ وسلم، کو خواب میں دیکھا۔ یہ حدیث یاد آ گئی۔ متفکر ہوئے۔ آخر کار ازواج مطہرات میں سے حضرت میمونہ کے پاس آئے اور قصہ بیان کیا۔ ام المؤمنین اٹھیں اور آنحضرت، صلی اللہ علیہ وسلم، کا آئینہ اٹھا لائیں۔ ان صحابی نے اس میں نظر ڈالی۔ اس میں اپنا چہرہ نہ دیکھا۔ آنحضرت، صلی اللہ علیہ وسلم، کا روئے مبارک نظر آیا''۔ لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ بیداری میں آنحضرت کا دیدار ممکن ہے۔

اسی طرح ملائکہ کا دیدار بھی ممکن ہے۔ جیسا کہ مسلم نے عمران بن حصین سے روایت کیا ہے کہ ملائکہ میرے پاس آتے تھے اور سلام کرتے تھے۔ ایک بار عمران نے داغ لیا۔ ملائکہ نے آنا بند کر دیا۔ پھر جب داغ لینا ترک کر دیا تو ملائکہ نے دوبارہ آنا شروع کر دیا۔ نووی نے لکھا ہے کہ انھوں نے بواسیر کے مرض کے لیے داغ لیا تھا۔ ابن اثیر نے 'نہایہ' میں لکھا ہے کہ چوں کہ داغ لینا توکل، رضائے الٰہی اور بیماری کی مصیبت پر صبر کرنے کے منافی ہے اس لیے ملائکہ نے ان کو سلام کرنا ترک کر دیا تھا، حالاں کہ داغ لینا اور مرض کا علاج کرنا شرعاً حرام نہیں ہے۔ اس طرح بہت سے اولیائے کرام کے اقوال ہیں کہ انھوں نے آنحضرت، صلی اللہ علیہ وسلم، کو یا انبیائے کرام میں سے کسی کو یا فرشتوں کو بیداری میں دیکھا ہے۔ چنانچہ سیوطی کہتے ہیں کہ یافعی کا بیان ہے کہ جب مصر میں قحط پڑا تو ابو عبداللہ قرشی سے دعا کی درخواست

toobaafoundation.com

کی گئی۔ انھوں نے دعا کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر وہ شام گئے تو حضرت ابراہیم، علیہ السلام، سے ملاقات ہوگئی ان سے دعا کی درخواست کی۔ ان کی دعا سے مصر سے قحط دور ہو گیا۔

قاضی صاحب نے سیوطی کے حوالہ سے یہ بات بھی نقل کی ہے کہ شیخ سراج ابن الملقن کا بیان ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی نے فرمایا کہ ظہر سے پہلے رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، کو میں نے دیکھا، آپ نے فرمایا کہ: اے لڑکے! لوگوں کو وعظ ونصیحت کر۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں عجمی شخص ہوں، فصحائے بغداد سے کس طرح گفتگو کروں؟ فرمایا: منھ کھول، میں نے کھول دیا۔ سات مرتبہ میرے منھ میں آپ نے اپنا آب دہن ڈالا اور فرمایا لوگوں سے گفتگو کر اور اپنے پروردگار کے راستے کی طرف، حکمت اور بہترین انداز سے، لوگوں کو بلا۔ چنانچہ ظہر کے بعد میں بیٹھ گیا اور بہت سارے لوگ آموجود ہوئے۔ میں نے وعظ کہا۔ جب میں نے وعظ ختم کر دیا تو حضرت علی کو دیکھا۔ انھوں نے بھی فرمایا: اے لڑکے! وعظ کہا کر اور آنحضرت، صلی اللہ علیہ وسلم، کی تواضع کرنے کی بنا پر انھوں نے بھی چھ مرتبہ اپنا آب دہن میرے منھ میں ڈالا۔

خلیفہ ابن موسیٰ ہزیلکی کی روایت ہے کہ انھوں نے آنحضرتؐ کو کئی مرتبہ دیکھا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ بیش تر افعال انھوں نے آنحضرتؐ سے سیکھے ہیں۔ انھوں نے خواب میں زیارت کی اور بیداری میں بھی۔ ایک رات تو ستر بار خواب میں دیکھا۔

شیخ ابوالعباس مرسی کہتے تھے کہ اگر ایک پل بھر کے لیے آنحضرتؐ مجھ سے پوشیدہ ہو جاتے ہیں تو میں خود کو مسلمانوں میں شمار نہیں کرتا۔ اسی طرح کی بہت سی حکایتیں کتابوں میں موجود ہیں۔

اس کے بعد قاضی صاحب نوعیت رویت پر بحث کرتے ہوئے سیوطی کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ رسول اللہ کا دیدار کس طرح ہوتا ہے۔ مومن یا تو آپ کی ذات پاک کو دیکھتا ہے جو جسم اور روح پاک سے مرکب ہے۔ یا مثال کو دیکھتا ہے۔

toobaafoundation.com

اکثر اربابِ حال، امام غزالی وغیرہ، کا خیال ہے کہ آپؐ کی مثال کو دیکھتا ہے۔ جس طرح کوئی شخص خدا کو خواب میں دیکھتا ہے۔ قاضی ابوبکر ابن عربی کا بیان ہے کہ پیغمبر خدا، صلی اللہ علیہ وسلم، کی رویت، ان کی کسی معلوم صفت کے ساتھ ان کی حقیقت کا ادراک ہے، اور ان کی کسی نامعلوم صفت کے ساتھ (رویت ہونا) ان کی مثال کا ادراک ہے۔ سیوطی نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ: جسم وروح کے ساتھ ذات شریف کا دیکھنا ممتنع نہیں ہے کیوں کہ انبیاء کرام زندہ ہیں ان کی روحیں قبض ہونے کے بعد پھر دوبارہ ان کے اجسام طیبہ میں واپس کردی جاتی ہیں۔ ابومنصور ابن عبدالقادر بغدادی سے منقول ہے کہ محققین و متکلمین بھی یہی کہتے ہیں کہ پیغمبر، علیہ السلام، زندہ ہیں۔ اپنی وفات کے بعد امت کے اچھے اعمال سے خوش اور برے اعمال سے ناخوش ہوتے ہیں اور ان کی امت کا درود ان تک پہنچتا ہے۔ سیوطی کہتے ہیں کہ انبیاء مرتے نہیں ہیں بلکہ عوام کی نگاہ سے ان کی پوشیدگی ہوجاتی ہے۔ ملائکہ کی طرح وہ موجود رہتے ہیں۔ ویسے زندہ دکھائی نہیں دیتے لیکن کرامت الٰہی کے ساتھ جس کو وہ نوازدیں (یہ ان کا کرم ہے) سیوطی اپنے اس قول کی شہادت میں ابویعلی اور بیہقی سے حضرت انس کی روایت پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت، صلی اللہ علیہ وسلم، نے فرمایا کہ چالیس راتوں کے بعد انبیاء کرام کو ان کی قبروں میں نہیں چھوڑا جاتا لیکن یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں نماز میں مشغول رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ صور پھونکا جائے۔ یہی بات ابن حبان نے اپنی تاریخ میں، طبرانی نے المعجم الکبیر میں اور ابونعیم نے حلیہ میں بیان کی ہے۔ اور رافعی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: آنحضرتؐ نے فرمایا: اَنَا اَکْرَمُ عَلٰی رَبِّیْ اَنْ یَّتْرُکَنِیْ فِی قَبْرِیْ بَعْدَ ثَلٰث امام الحرمین نے اَکْثَرَ مِنْ یَوْمَیْنِ روایت کیا ہے اور ابوالحسن راغوانی نے کسی کتاب میں روایت کیا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ لَایَتْرُکُ نَبِیّاً فِی قَبْرِہٖ اَکْثَرُ مِنْ نِصْفِ یَوْمٍ۔ سیوطی کہتے ہیں کہ ان احادیث اور اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ زندہ ہیں۔ جس جگہ چاہیں جاسکتے ہیں اور جو چاہیں کرسکتے ہیں۔

toobaafoundation.com

اس کتاب میں قاضی صاحب سوال و جواب قائم کر کے یہ بحث بھی کرتے ہیں کہ اس طرح کی رویت سے لوگوں کی صحابہ میں شمولیت نہیں ہوتی کیوں کہ حقیقت میں دیکھنا، مثال میں دیکھنے کی طرح نہیں ہوسکتا، صحابی ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ عالم دنیا میں دیکھے اور اس شخص نے عالم ملکوت میں دیکھا ہے۔ احادیث میں جو یہ بات وارد ہوئی ہے کہ تمام امت آنحضرتؐ کے سامنے پیش کی گئی۔ آپؐ نے سب کو دیکھا اور ان سب نے آپ کو دیکھا تو اس سے صحبت ثابت نہیں ہوتی کیوں کہ یہ رویت عالم ملکوت میں تھی۔

رسالہ کے آخر میں قاضی صاحب رویت جبرئیلؑ کا تذکرہ کرتے ہیں۔ انھوں نے سیوطی کے حوالے سے بتایا کہ صحابہ کرام نے جبریلؑ کو آنحضرتؐ کے پاس دیکھا ہے۔ امام احمد کی روایت ہے کہ ایک انصاری شخص نے دیکھا، رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، نے فرمایا کہ یہ جبرئیل ہیں مجھ کو پڑوسی کے بارے میں وصیت کر رہے ہیں احمد اور طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ حارثہ بن نعمان نے دیکھا اور دوسرے کئی لوگوں کا بیان ہے کہ ابن عباس نے دوبارہ دیکھا۔ حضرت عائشہ نے دیکھا۔ ابی بن کعب، عبدالرحمٰن بن عوف اور عرباض بن ساریہ نے دیکھا اور بہت سے صحابہ کرام نے دیکھا اور ملائکہ کی آواز بھی سنی۔ ابوبکر نے رسول اللہ کے ساتھ جبرئیل کی مناجات سنی۔

مختصر طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس رسالے میں ان موضوعات پر گفتگو کی گئی ہے:۔ حدیث رویت، اس سلسلہ میں علماء کے اختلافات اور ان کے جوابات، رویت عام اور رویت خاص، قاضی صاحب کی صوفیانہ توجیہ، رویت ملائکہ، رویت ابراہیم، علیہ السلام، رویت رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، رویت کی نوعیت، انبیاء کا زندہ ہونا، عالم ملکوت کی رویت سے صحابہ میں شمولیت نہ ہونا۔ رویت جبریل۔ واللہ اعلم

رسالہ در عقائد: فارسی، قلمی، ۶×۸، صفحات ۲

اس رسالہ میں قاضی صاحب نے اسلام کے عقائد کو بالکل نئے اور دل نشیں انداز میں پیش کیا ہے۔ رسالے کی ابتداء اس طرح کی ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا

toobaafoundation.com

لِلاسْلَامِ وَاَرْسَلَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا اَرَانَا طَرِیْقَ الْجِنَانِ مُحَمَّدِنِ الْمَبْعُوْثِ بِخَیْرِ الْاَدْیَانِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَشَرَائِعِ الْاِیْمَانِ۔ اے طالب عقائد اسلام بداں، اسعدک اللہ تعالیٰ، کہ صانع عالم خدا ہست یکتا۔ محتاج است بوے ہر کہ موجود گشت در وجود در توابع آں۔ قدیم است بدایت ندارد۔ دائم است نہایت ندارد۔ واحد است لاشریک لہ۔

وجود خداوندی کا ذکر کرتے ہوئے قاضی صاحب نے بتایا کہ اس کی حقیقت تو خاصان خاص سے بھی پوشیدہ ہے کوئی بھی اس کی حقیقت کے ادراک کی راہ نہیں پاتا ہے۔ صفات الٰہی کا بیان کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے کہ ممکنات میں سے کوئی شی بھی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور افعال سے مشابہت نہیں رکھتی۔ نہ اس کا سننا ایسے کان سے ہے جس میں ہوا پہنچتی ہے۔ نہ اس کا دیکھنا ایسی آنکھ سے ہے جس سے شعاع نکلتی ہے اور نہ اس کا کلام زبان ومنھ کی ہوا سے ادا ہوتا ہے۔

قربِ الٰہی پر قاضی صاحب نے بڑی دلچسپ بحث کی ہے۔ جس میں قرب عام اور قرب خاص کا بیان اور قرب خاص کے مراتب کی طرف اشارہ ہے۔ کفار کے نصیب کا ذکر ہے۔ لکھا ہے: اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی مخلوقات کی ساتھ ان کی اپنی ذات سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات اس کی مخلوقات کے ساتھ اس کی صفات سے بھی زیادہ قریب ہے۔ یہ قرب عام مخلوقات کے ساتھ، عرش سے تحت الثریٰ تک یکساں ہے۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (ق:۱۶) اور نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْکُمْ (واقعہ:۸۵) میں اسی قرب کا بیان ہے۔ اور خواص جیسے ملائکہ انبیاء اور الیاء، ان کے ساتھ ایک دوسرا قرب ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔ عِنْدَ ذِیْ الْعَرْشِ مَکِیْنٍ (التکویر:۲۰) اور اَللّٰہُ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ (الاعراف:۵۶) اور وَلَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ[۲۵۵] اسی دوسرے قرب کا حال بیان کرتے ہیں۔ عام مومنوں کے نصیب میں بھی یہی قرب ثانی ہے۔ کفار کا معاملہ اس قرب کے برعکس ہے ان کا نصیب تو: اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ ھُوْدٍ (ہود:۶۰) ہے۔

toobaafoundation.com

چوں کہ کفار کے معاملہ میں پہلے معنی کے اعتبار سے قرب اور دوسرے معنی کے لحاظ سے بعد یکجا جمع ہو گئے ہیں تو ظاہر یہ ہوا کہ یہ دونوں قرب ایک جنس کے نہیں ہیں اور سوائے لفظی مشابہت کے ان میں آپس میں کوئی مشارکت نہیں ہے۔

قرب ثانی کے مراتب لامتناہی ہیں جیسا کہ لَایَزَالُ عَبْدِی یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ کے الفاظ دلالت کرتے ہیں۔ اسی بات پر تو صوفیا یہ کہتے ہیں کہ مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَانِ فَهُوَ مَغْبُوْنَ ،جس کے دو روز یکساں ہوں، یعنی دوسرے روز میں پہلے روز کے بہ نسبت قرب میں ترقی نہ کی ہو، وہ نقصان میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی (طٰہٰ:۵) اور حدیث قدسی یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِ الْمُؤْمِنُ میں اللہ تعالیٰ کی اپنی طرف بیت و روح کی اضافت اور فرامین الٰہی طَهِّرَا بَیْتِیَ اور نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ (الحجر:۲۹، ص:۳۸) اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ اللہ کا بے کیف قرب ان اجسام شریفہ کے ساتھ متحقق ہے۔ اس پر ایمان لانا چاہیے خواہ اس کی حقیقت کا ادراک نہ ہو سکے۔

الفقہ فی المذاہب الاربعۃ: عربی، قلمی، ۶×۸، صفحات: ۴۷، بخط مصنف

اس کتاب پر قاضی صاحب نے ایک خطبہ لکھا ہے جس سے کتاب کا نفس مضمون اور اس کی اہمیت کافی حد تک واضح ہو جاتی ہے:

الحمدلله رب العالمين والصلوٰة والسلام على امام المتقين قائد الغر المحجلين وعلى آله واصحابه اجمعين وبعد فيقول اَلْعَبْدُ الضَّعِيْفُ الرَّاجِیْ رَحْمَةَ رَبِّهِ الْقَوِیِّ، مُحَمَّدْ ثَنَاءُ اللّٰه الْمُجَدِّدِیْ لَمَّا كَانَ الْحَقُّ دَائِرًا بَيْنَ اَقْوَالِ الْعُلَمَاءِ الرَّاشِدِيْنَ وَالْجَمْعِ بَيْنَهَا فِيْمَا أَمْكَنَ دَأْبَ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ الْمُتَّقِيْنَ اَمْرِنِیْ اِمَامِیْ وَمُرْشِدِیْ قُدْوَةُ الْعُلَمَاءِ الرَّاسِخِيْنَ اِمَامُ الْاَئِمَّةِ الْمُحْسِنِيْنَ وَارِثُ حَبِيْبِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ عَالِمُ رُمُوزِ الْكَافِ وَالنُّوْنِ، ثَانِی مُجَدِّدِ الْاَلْفَ الثَّانِیْ، مَظْهَرَ الْفُيُوْضِ الرَّبَّانِیْ، شَمْسُ الدِّيْنِ، حَبِيْبُ اللّٰهِ مَظْهَرُ جَانَجَانَاں الدِّهْلَوِیْ،

toobaafoundation.com

حَفِظَهُ اللّٰهِ الْمَنَّانُ، اَنْ اَجْمَعَ كِتَاباً جَامِعاً لِلْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ، جَمَعَ اللّٰهُ تَعَالٰى اُمَّةَ نَبِيِّهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَلٰى تَقْلِيْدِ وَاحِدِهِمْ وَوَجَبَ الْقَوْلَ بِتَضْلِيْلِ مَنْ خَالَفَهُمْ، وَأَنْ أَذْكُرَ الْفَرْقَ وَأَجْمَعَ مِنْ اَقْوَالِهِمْ مَاكَانَتْ مُخْتَارَةً، فَشَرَعْتُ مَعَ عَدَمِ بِضَاعَتِيْ اِمْتِثَالاً لِأَمْرِهِ، مُسْتَعِيْناً بِرَبِّهِ، وَاللّٰهُ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ وَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ.

اس خطبہ سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ یہ کتاب قاضی صاحب نے اپنے پیرومرشد کے ارشاد پر لکھی تھی دوسرے یہ کہ اس کتاب میں مسائل کے بارے میں فقہا کے اختلافات کو واضح کیا گیا ہے۔

اس کتاب کے مباحث ان چار عنوانات کے تحت ہیں۔ کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الجنائز اور کتاب الزکوٰۃ۔ نمونے کے طور پر چند سطور ملاحظہ ہوں:

كتاب الطهارة. فرض الوضوء غسل الوجه ع من الشعر الى الاذن ع الام واسفل الذقن ع وغسل يديه ورجليه ع مع مرفقيه وكعبيه ع الاز ومسح ربع الرأس تقريباً حيد و تسقط غسل ماتحت اللحية اذا كانت كثا ع ويجب غسلها بدلا عنه ع الاح حعه وليس من فرائض الوضوء والغسل النية حيد والتسمية ع الاا والمضمضة ولا الاستنشاق فى الوضوء ى ولا الترتيب حيدم ولا الموالاة. حيدش حعه

اس اقتباس میں فقہا کا اختلاف ظاہر کرنے کے لیے جو اشارات دیئے گئے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

ع	اجماع
ع الام	اجمع علیہ الاکثر، خلافاً لمالک
ع الاز	اجمع علیہ الاکثر خلافاً لزفر
حید	ابوحنیفہ، ابویوسف، داؤد
ع الا ح حعہ	اجمع علی الاکثر، خلافاً لابی حنیفہ عنہ روایتان

toobaafoundation.com

ع الا ا	اجمع علیہ الاکثر خلافا لاحمد
ی	ابو یوسف
حیدم	ابوحنیفہ، ابو یوسف، داؤد، مالک
حیدش حعہ	ابوحنیفہ، ابو یوسف، داؤد، شافعی، عنہ روایتان

ورق ۲۲ ب (صفحہ ۴۴) پر کتاب الجنائز ختم کرنے کے بعد قاضی صاحب نے ۱۴ محرم ۱۱۷۳ھ تاریخ لکھی ہے۔ اس کے بعد کتاب الزکوٰۃ شروع کردی ہے جو تین صفحات پر مشتمل ہے۔ اس باب پر کتاب کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ ترقیمہ کے طور پر کچھ نہیں لکھا ہے۔

کتاب کرم خوردہ، آب رسیدہ اور اس قدر خستہ حالت میں ہے کہ اس کا پڑھنا بہت مشکل ہے۔

مالا بُدَّ مِنہُ: فارسی، مطبوعہ

قاضی صاحب کی یہ پہلی کتاب ہے جس نے ہندوستان کے طول وعرض میں زبردست مقبولیت حاصل کی ہے۔ یہ کتاب نہ جانے کتنی بار شائع ہوچکی ہے اور برس ہا برس سے درس نظامیہ کے نصاب میں شامل ہے۔ کوئی عربی کا طالب علم ایسا نہ ہوگا جس نے یہ کتاب سبقاً سبقاً نہ پڑھی ہو۔ یہ فقہ حنفیہ کی ایسی مدلل کتاب ہے جس کو ایک زمانے سے علمائے کرام تسلیم کرتے آئے ہیں۔

یہ کتاب نو ابواب پر مشتمل ہے۔ کتاب الایمان، کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب التقویٰ اور کتاب الاحسان۔

کتاب الطہارت کے ذیل میں وضو، غسل، نجاست، طہارت اور تیمم کا ذکر ہے۔

کتاب الصلوٰۃ کے تحت: اوقات نماز، اذان واقامت، شرائط نماز، ارکان نماز، واجبات نماز، جماعت، طریقہ نماز، حدث در نماز، قضا نماز، مفسداتِ نماز، نمازِ مریض، نماز قصر، نمازِ جمعہ، وتر، عیدین، نوافل، تہجد، چاشت، نمازِ استخارہ، نمازِ توبہ، نماز حاجت، صلوٰۃ التسبیح، نماز کسوف، نماز استسقاء، قضائے نوافل اور سجدہ تلاوت کا بیان ہے۔

toobaafoundation.com

کتاب الجنائز میں غسل میت، نماز جنازہ، قبر، شہید، ماتم اور زیارت قبول کے مسائل زیر بحث آئے ہیں۔

کتاب الزکوٰۃ کے ضمن میں صدقہ فطر کا ذکر بھی ہے۔

کتاب الصوم میں قضاء، کفارہ اور اعتکاف کا بیان بھی ہے۔

کتاب التقویٰ کے ذیل میں کھانا، لباس، کسب وتجارت اور مزدوری، آداب معاشرت وحقوق الناس اور دیگر متفرق مسائل آئے ہیں۔

قاضی صاحب نے اس کتاب میں امام ابوحنیفہ کے مسلک کو مقدم رکھا ہے۔ فقہاء کے اختلافات کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔ مثال کے طور پر جمعہ کی نماز کے شرائط بیان کرتے ہوئے خطبہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

> ''نزد ابی حنیفہ خطبہ مقدار یک تسبیح کفایت می کند ونزد صاحبین فرض آنست کہ ذکر طویل باشد و دو خطبہ خواندن مشتمل برحمد وصلوٰۃ وتلاوتِ قرآن ووصیت برمسلمانان راواستغفار برائے نفس خود و برائے مسلمانان نزدِ اکثر ائمہ فرض است ونزد امام اعظم سنت است وترک آں مکروہ''۔[۱۵۶]

مذکورہ ابواب فقہ کے بعد ایک باب ''کلمات کفر'' کا ہے جس میں نوے ایسے امور کی طرف نشان دہی کی ہے جن کے ارتکاب سے کفر لازم آتا ہے اور جن سے بچنا ایک مسلمان کے لیے از حد ضروری ہے۔

حقیقۃ الاسلام: فارسی، مطبوعہ، ۶×۹، صفحات ۳۲

اس کتاب کے دو نسخے سامنے ہیں۔ ایک ۱۲۸۱ھ میں مطبع امید، لاہور کا چھپا ہوا ہے اور دوسرا مطبع محمدی، لاہور کا۔ دوسرے نسخہ پر سن اشاعت نہیں ہے۔ اس کتاب کی ابتداء قاضی صاحب نے اس طرح کی ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ خَیْرِ خَلْقِ اللّٰہِ

toobaafoundation.com

اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ سُرُجِ الدِّیْنِ وَنُجُوْمِ الطَّرِیْقِ الْمُسْتَقِیْم۔
بداں، اسعدک اللہ تعالیٰ فی الدارین، کہ اسلام کامل عبارتست ازاں کہ تسلم کل ذی حق حقہ معنی آنکہ ہر صاحب حق راسالم وکامل ادا کنی بے قصور و بے فتور۔

قاضی صاحب نے اس کتاب میں ان کے حقوق کی تفصیلات بیان کی ہیں: اللہ، رسول، اصحاب رسول اللہ، علماء، عباد، والدین، دوستان والدین، اقرباء، اساتذہ ومشائخ، مرضعہ، سلاطین وامراء، قاضی، شوہر، زوجہ، غلام وملازم، رعیت علی السلطان، رعیت علی القضاۃ، اولاد، بہائم، ہم سایہ، یتامیٰ والمساکین وعامۃ المسلمین، ان کے بعد طاعات، معصیات، مباحات، ادائیگی قرض اور حسن اخلاق کا بیان ہے۔

ذیل میں نمونتاً وہ فصل نقل کی جاتی ہے جو قاضی صاحب نے ''فی حق القضاۃ'' لکھی ہے۔

''اگر قاضی حکم کند موافق شرع، واجب است کہ بطیب خاطر آں راقبول کردہ شود کہ حق تعالیٰ می فرماید: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ یعنی بخدا ایمان نخواہند آورد تا آنکہ حاکم گردانند ترا در آنچہ منازعت شود پستر نیابند در دلہائے خود تنگی وناخوشی از آنچہ حکم کنی وقبول کنند قبول کردنی۔ در ہدایہ گفتہ کہ اگر قاضی گوید: حکم کردم بریں کہ این را سنگ سار کن یا دست قطع کن یا دُرّہ بزن، جائز است بجا آوردن۔ وامام ابو منصور گفتہ کہ اگر قاضی، عالم وعادل باشد بجا آورد واگر جاہل وعادل باشد وجہ آں پرسد، پس اگر وجہ معقول گفت بجا آرد، والا نکند۔ واگر فاسق است بجا نیارد مگر وقتیکہ سبب حکم او بہ بیند''۔ (ص: ۱۲۔۱۳)

یہ کتاب مختصر ہوتے ہوئے بھی اپنے موضوع کے اعتبار سے نہایت اہم ہے۔

toobaafoundation.com

حکم سرود و مزامیر: فارسی، قلمی، ۶×۸، صفحات: ۱۷

حمد و صلوٰۃ کے بعد قاضی صاحب نے اس کتاب کی وجہ تصنیف لکھی ہے کہ:
چوں بعضے احباء التماس نمودند کہ مسئلہ حرمت و اباحت سرود و مزامیر بتفصیل بیان کردہ شود لہذا ایں مسئلہ بتحریر می آید۔

یہ کتاب پانچ فصلوں پر مشتمل ہے:

۱۔ فصل اول در بیان نصوص واردہ در حرمتِ آں
۲۔ فصل دوم در احادیثے کہ بر اباحتِ بعضے اقسامِ سرود و معازف دلالت دارند
۳۔ فصل سوم در اقوال علماء کہ دریں مسئلہ اند
۴۔ فصل چہارم در شنیدن سرود اولیاء اللہ
۵۔ فصل پنجم در شرائط سماع

مصنف نے پہلی فصل میں سماع و مزامیر کی حرمت نص قطعی سے ثابت کی ہے اور اس ضمن میں قرآن پاک کی چار آیات اور نو احادیث مبارکہ کو ثبوت میں پیش کیا ہے۔ نیز صحابہ، تابعین اور علماء کے اقوال بھی پیش کیے ہیں۔ حسبِ ضرورت تشریحات بھی کی ہیں۔ مثال کے طور پر درج ذیل حدیث میں معازف اور مزامیر کی تشریح اس طرح کی ہے:

"عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ اَنَّہٗ، صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، قَالَ اِنَّ اللّٰہَ بَعَثَنِیْ رَحْمَۃً لِلْعَالَمِیْنَ وَاَمَرَنِیْ بِمَحْقِ الْمَعَازِفِ وَالْمَزَامِیْرِ۔ ذَکَرَہٗ اِبْنُ الْھُمَامِ (ص:۴)

ترجمہ: فرمود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدرستیکہ حق مبعوث کردہ است مرا رحمت مر عالمیان را وامر کردہ است مرا بہ ناچیز کردن معازف مثل دف و دہل و تنبور و مانند آں و مزامیر آنچہ دردے دمند مثل نے و مانند آں"۔

اسی فصل میں قاضی صاحب نے یہ اصول بھی بتایا ہے کہ جو چیز انسان کو

toobaafoundation.com

فرائض اور واجبات سے غافل کرتی ہے وہ حرام ہے۔ اور جو چیز کسی سنت مؤکدہ کے ادا کرنے سے باز رکھتی ہے وہ مکروہ تحریمی ہے اور جو چیز نوافل اور ذکرِ دوام سے باز رکھتی ہے وہ مکروہ تنزیہی ہے۔ کیوں کہ ان چیزوں میں عمر عزیز کا بیش قیمت حصہ ضائع ہوتا ہے۔ اس فصل کے اختتام پر اس مسئلہ کی حرمت کا فیصلہ قاضی صاحب اس طرح صادر کرتے ہیں:

''شک نیست کہ لذت سرود مثل خمر از اندک بسوئے بسیار می کشد وچوں بسیار می کند ترک فرائض لازم آید۔ ومغنیان کہ سرود باجرت می کنند بے شک فاسق اند۔ صحبت بافاسقان نہ باید داشت واجرت برسرود دادن حرام است کہ اضاعت مال است واضاعت مال حرام است۔ حق تعالیٰ متبذران رادر قرآن شریف اخوان الشیاطین گفتہ وکسب زمارۃ رارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل ثمن خمر حرام فرمودہ، و حرام خورانیدن نیز حرام است۔ واللہ اعلم (ص: ۵)

دوسری فصل میں ان احادیث کی نشان دہی کی گئی ہے جن سے بعض مخصوص موقعوں پر مخصوص قسم کے مزامیر کے استعمال کی اباحت ملتی ہے۔ جن میں عید اور شادی کے موقعوں پر دَف بجانے اور ایسے اشعار گانے کا ذکر ہے جو حمد وثنا اور تحیت ودعاء پر مشتمل ہیں۔ ایسی بھی حدیثیں شامل ہیں جو حرمت واباحت دونوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ مثلاً حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر تشریف لائے اس وقت میرے پاس دو لڑکیاں بیٹھی گا رہی تھیں اور دَف بجا رہی تھیں۔ ایام تشریق کا زمانہ تھا۔ نبی کریم، صلی اللہ علیہ وسلم، اپنے روئے مبارک پر کپڑا اوڑھے آرام فرما رہے تھے۔ حضرت ابوبکر نے ان لڑکیوں کو ڈانٹا اور کہا کہ نبی کریم، صلی اللہ علیہ وسلم، کے قریب یہ کیسی شیطانی آواز کر رہی ہو؟ آنحضرت، صلی اللہ علیہ وسلم، نے اپنے روئے مبارک سے چادر ہٹا کر فرمایا: اے ابوبکر! یہ عید کے دن ہیں۔ اِن لڑکیوں کو انھیں کے حال پر چھوڑ دو۔ چنانچہ اس حدیث کے بعد قاضی صاحب لکھتے ہیں: ''نہی ابوبکر دلالت دارد

toobaafoundation.com

برحرمت وقول رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، بررخصت درروز عید" (ص:۸)

تیسری فصل میں اکابر علماء کرام کے اقوال درج کیے ہیں۔ سب سے پہلے امام غزالی کا قول نقل کیا گیا ہے:

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کہ از اکابر علماء شافعیہ است در "احیاء العلوم" گفتہ: السماع فی اوقات السرور تاکیداً للسرور وتهیجاله وهو مباح ان کان ذلك السرور مباحاً کالغناء فی ایام العید وفی وقت قدوم الغائب وفی وقت الولیمة والعقیقه وعند ولادة المولود وعند ختانه وعند حفظه القرآن العزیز وکل ذلك مباح لاجل اظهار السرور به (ص:۹)

اس کا فارسی ترجمہ لکھنے کے بعد قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

"قلت وہمچنیں در شادی مکتب کہ پسر را بمکتب دہد۔ وایں ہمہ احادیث فصل دویم کہ مذکور شدہ اند، حجت است برائے قول امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ۔ ونزد علماء رحمۃ اللہ علیہم شنیدن معازف ومزامیر مطلقا حرام است مگر ضربِ دف وقتِ نکاح برائے مشہور ساختن، ونواختن دہل یا نقارہ وقتِ کوچ تا مردم قافلہ خبردار شوند، یا وقت جہاد تا غازیان خبردار شوند ومستعد جنگ باشند کہ این داخل لہو نیست بلکہ مبنی برحکمت وفائدہ است وسوائے ایں در وقتِ شادیہا وعید وولیمہ جائز نیست" (ص:۱۰)

اس کے بعد "ہدایہ" کی عبارت مع قول امام ابوحنیفہ نقل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ "ملاہی جمیع اقسام حرام است (ص:۱۱)، نیز حرمتِ ملاہی کے ثبوت میں "البیضاوی"، "المنتقیٰ" اور کتب فتاویٰ کی عبارتیں نقل کر کے "قاموس" وغیرہ سے علمائے لغت کے فیصلے پیش کیے ہیں۔ پھر امام شافعی کے قول سے ان مواقع کی نشان

toobaafoundation.com

دہی کی ہے جس میں دَف کا استعمال کیا جاسکتا ہے اور ان کے علاوہ حرام ہے۔ پھر اس سلسلہ میں امام شافعی کا اصولی قول ''عام ظنی الدلالت است وخاص قطعی الدلالت (ص:۱۲) نقل کر کے بعض علمائے حنفیہ کے فتاویٰ ''الملتقط'' اور ''الخلاصۃ'' کے حوالوں سے نقل کیے ہیں اور ان فتوؤں کو امام اعظم کے اصول ''عام مثل خاص قطعی الدلالت است'' (ص:۱۲) کی روشنی میں غیر صحیح بتایا اور بڑی تحقیق وتفصیل کے ساتھ عدم جواز کا ثبوت قرآنی آیات کے ساتھ فراہم کیا ہے۔ چنانچہ اَلَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَھُمْ لَھْواً وَّلَعِباً کی تفسیر اور علمائے مفسرین کے اقوال بڑی شرح وبسط کے ساتھ پیش کیے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر قوم کے لیے ایک عید ہے، اقوام کفار نے اپنی اپنی عید کو لہوولعب بنالیا ہے۔ مسلمان اپنی عید کے موقع پر نمازِ عید، خطبہ، قربانی، صدقہ اور یادالٰہی میں مصروف رہتے ہیں۔ لہو ولعب اور گانے بجانے میں نہیں لگتے۔ اسی طرح متعدد آیات مع شرح وبسط پیش کرنے کے بعد قاضی صاحب لکھتے ہیں:

''پس در شادیہا وقدوم غائب شکر الٰہی باید کرد۔ وبرائے مبالغہ سرور وسرود جائز نہ باشد''۔ (ص:۱۳)

چوتھی فصل اولیاء اللہ کے گانا سننے کے بارے میں ہے۔ سب سے پہلے قاضی صاحب نے یہ بات واضح کردی ہے کہ اس سلسلہ میں نہ کوئی قرآنی آیت آئی ہے اور نہ کوئی حدیث وارد ہوئی ہے اور نہ ہی قدمائے مجتہدین سے اس باب میں کوئی روایت ہے۔ کیوں کہ اس دوران صوفیاء میں گانا رائج ہی نہ تھا۔ علمائے متاخرین میں سے اگر کوئی جوازِ سماع سے انکار کرتا ہے تو واقعتاً اس کا انکار بظاہر سنجیدہ ہے۔ کیوں کہ وہ اُن مستمعان کے حال سے واقفیت نہیں رکھتا اور جب کوئی ذرا بھی غور کرتا ہے تو کسی دلیل شرعی سے سماع کی حرمت وکراہیت ثابت نہیں کر پاتا۔ اسی لیے علمائے محققین سماع کی اباحت کا فتویٰ دے دیتے ہیں۔ اس فتوے کے ثبوت میں قاضی صاحب ''النوری'' اور ''العوارف'' وغیرہ کی عبارتیں نقل کر کے تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ موزن کلام جس میں محبوب کا ذکر ہو اس کو خوش الحانی سے گانے کا نام سرود ہے۔ سرود کا

toobaafoundation.com

یہ اثر ہوتا ہے کہ محبوب سے ملاقات کے شوق میں ایک ہیجان برپا ہو جاتا ہے۔ محبوب کی جی حضوری کرنے اور اس کی ناخوشی سے بچنے کا جذبہ ابھرتا ہے۔ عام لوگوں میں چوں کہ عورتوں کی محبت بھری ہوتی ہے، اور گانا سننے سے عورتوں کے عشق کا بھوت سوار ہو جاتا ہے اور وہ حرام کاری کر بیٹھتے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کو گانا سننا حرام ہے، لیکن وہ شخص جس نے توحید کی جھاڑو سے اپنے سینے کو ماسوی اللہ سے پاک وصاف کرلیا ہو اور سوائے ذات پاک کے اس کا کوئی مقصود مطلوب نہ ہو، اس شخص کے دل میں سرود سے شوق لقاء اللہ کا ہیجان برپا ہو جائے گا، وہ مرضی مولیٰ کی طلب میں سرگرداں ہو جائے گا، وہ اللہ کے غضب سے لرزہ براندام ہو جائے گا اور اللہ کی ناپسندیدہ اعمال سے اس کے احتراز میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ بس ایسے شخص کے لیے سرود موجب رحمت ہوگا بلکہ اس کے لیے عبادت کا کام دے گا۔ قرآن وحدیث میں جس لہو ولعب کی حرمت آئی ہے، یہ شخص اس زمرہ میں داخل نہ ہوگا۔ شیخ شہاب الدین سہروردی نے اپنی کتاب ''عوارف المعارف'' میں بھی اسی طرح کی بات کہی ہے۔

بیت:

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر وشیر

اگر کوئی شخص درویشوں کو حالتِ سماع میں دیکھے تو ان کے بارے میں حسنِ ظن سے کام لے۔ کیوں کہ اسلام ہم کو حسن ظن کی تعلیم دیتا ہے اور بدگمانی کے لیے منع کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں قرآنی آیات اور احادیث واضح طور پر وارد ہوئی ہیں۔ اگر کوئی گانا سننا چاہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اپنا خود محاسبہ کرے، بحکم حاسبوا قبل ان تحاسبوا۔ اگر اپنے آپ کو اس کا اہل پائے تو گانا سنے ورنہ نہیں۔

پانچویں فصل شرائط سماع کے بارے میں ہے۔ بعض شرائط ضروری ہوتی ہیں اور بعض استحسانی ان میں سات چیزیں خاص طور پر ملحوظِ خاطر رکھنا ہوتی ہیں۔ نفس قول، قوال، مستمع، زمان، مکان، اخوان اور مزامیر۔

toobaafoundation.com

نفس قول: کلام کفر و معصیت کے مضامین سے پاک ہو۔ کسی زندہ عورت یا مرد کے حسن و جمال کا تذکرہ نہ ہو۔ ہاں اگر غیر معین محبوب کا ذکر ہو تو مضائقہ نہیں۔ سند کے طور پر قاضی صاحب نے علامہ ابن ہمام کی ''فتح القدیر''[۲۵۷] کی عبارت نقل کی ہے اور کعب بن زہیر[۲۵۸] کے قصیدے ''بانت سعاد'' والی حدیث تقریری کا ذکر کیا ہے۔

قوال: قوال تارک نماز اور فاسق نہ ہو اور گانا بجانا اس کا ذریعہ معاش نہ ہو۔ قاضی صاحب ''فتح القدیر'' کی عبارت سے سند پیش کر کے، تحریر فرماتے ہیں کہ جو شخص گانے بجانے کا پیشہ کرتا ہو اس کی شہادت قابل قبول نہیں۔

مستمع: گانا سننے والا اپنے نفس کو مکمل طور پر فنا کر چکا ہوتا کہ اس کا نفس مائل بحرام نہ ہو۔

زماں: نماز، ذکر اور ورد کا وقت نہ ہو۔

مکان: تنہائی کا مقام نہ ہو، مسجد نہ ہو کیوں کر مسجد میں شور برپا کرنا حرام ہے بلکہ فرض نماز کے علاوہ مسجد میں کوئی کام بہتر نہیں یہاں تک کہ نوافل بھی گھر میں پڑھنا بہتر ہے۔

اخوان: حاضرین مجلس نامحرم اور فاسق نہ ہوں۔ ایسے لوگ نہ ہوں جن کا نفس امارہ برائی کی طرف مائل ہو۔ کیوں کہ فاسق اور غیر محرم کی مجلسِ سماع میں، ان لوگوں کی صحبت کے عکس سے، صوفی کا باطن ظلمت پذیر ہو جائے گا اور نورِ تجلیات الٰہی کا اس پر فیضان نہیں ہوگا۔ فرمان خداوندی ہے: لَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ یعنی پند و نصیحت، تعلیم دین، امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے زیادہ فاسقوں کی صحبت میں نہ بیٹھا جائے۔ فاسقوں کی صحبت کی ممانعت قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اسی لیے درویش لوگ تنہائی اختیار کرتے ہیں۔

مزامیر: مزامیر سے اگر یاد الٰہی میں تازگی اور شوق لقاء اللہ میں اضافہ ہوتا ہے تو ان کو حرام نہیں کہنا چاہیے جیسا کہ نکاح کے اعلان اور غازیوں کے قافلے کی

toobaafoundation.com

روانگی کے اعلان کے طور پر دَف بجانا جائز بلکہ عین عبادت ہے۔

چنانچہ شوق الٰہی کا ہیجان پیدا کرنے کے لیے اور زیادہ بہتر ہے۔ مولانا روم[۲۵۹] فرماتے ہیں:

ہمچو نے زہرے وتریاقے کہ دید
ہمچو نے دمساز ومشتاقے کہ دید

یعنی نے کی آواز فاسقوں کے لیے زہر ہے اور صوفیانِ صادق کے لیے تریاق ہے۔

آخر میں قاضی صاحب نے اس سلسلہ میں نقشبندیوں کا مسلک پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ چوں کہ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین نے شوق الٰہی کو برانگیختہ کرنے کے لیے سماع وسرود کا استعمال نہیں کیا، اس لیے نقشبندیہ حضرات، جو کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٍ کے مطابق بدعت سیئہ کی طرح، بدعت حسنہ سے بھی گریز کرتے ہیں، سرود وسماع کو جائز نہیں قرار دیتے۔ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی فرماتے ہیں: نہ تو میں یہ کام کرتا ہوں اور نہ اس کا انکار کرتا ہوں۔ وہ تمام کام جو دوسرے لوگ سرود کے ذریعہ حاصل کرنا چاہتے ہیں، وہ تو تلاوت قرآن، نماز اور ذکر سے خود بخود حاصل ہو جاتے ہیں۔

اس موضوع پر یہ رسالہ کافی اہمیت کا حامل ہے۔ قاضی صاحب نے اس سلسلہ میں کافی تحقیق وتمحیص سے کام لیا ہے۔

حکم سماع ومسئلہ وحدت الوجود: فارسی، قلمی، ۶×۸، صفحات: ۱۱

محمد سالار گنگوہی نے قاضی صاحب کو فصیح عربی میں ایک خط لکھا تھا جس میں چند سوالات تھے۔ قاضی صاحب نے اس کے جواب میں یہ رسالہ لکھا تھا۔ اس میں گانے بجانے سے متعلق شرعی حکم، صوفیاء کرام کے اقوال پر بعض شبہات کا رد اور کفار یونان کے بعض عقائد کا بطلان ہے۔

پہلا سوال یہ تھا کہ موجودہ دور میں گانے بجانے کی محفلوں میں اہل وجد حق حق پکارا کرتے ہیں اور اس میں تو کوئی شک نہیں کہ گانا، فعلِ حرام ہے اور خصوصاً وہ گانا

toobaafoundation.com

جو مزامیر کے ساتھ ہو تو وہ تو قطعی حرام ہے۔ اس کو حلال سمجھنے والے پر کفر لازم آتا ہے۔ پس جب ایسے موقعوں پر اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام لیا جائے تو اس سے حصول کفر لازم ہو جاتا ہے جیسا کہ مزامیر پر اللہ کا نام لینا کفر ہے۔

اس کے جواب میں قاضی صاحب نے پہلے تو یہ نصیحت کی ہے کہ ''در تکفیر اہل اسلام جلدی نباید کرد'' اور اس عمل کی اہمیت پر حدیث مبارک اور اقوال سلف پیش کرنے کے بعد، غناء و مزامیر کی حلت و حرمت پر محققانہ بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ گانے بجانے کے سلسلے میں آیات و احادیث میں تعارض پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ... لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ غناء کو حرام قرار دینے کے بارے میں ہے اور ساتھ ہی گیارہ ایسی احادیث پیش کی ہیں جن سے گانے بجانے کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ پھر دس ایسی حدیثیں درج کی ہیں جن سے گانے بجانے کی اباحت کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ چوں کہ حرمت و اباحت پر مقدم ہوا کرتی ہے اس لیے امام ابوحنیفہ نے احتیاطاً غناء کی حرمت پر فتویٰ دیا ہے۔ یہاں تک کہ دعوت ولیمہ کے موقع پر بھی گانے بجانے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اس کے بعد قاضی صاحب نے شافعی اور حنفی مسلک بیان کیا پھر امام غزالی کا فلسفہ، شیخ شہاب الدین سہروردی کی رائے اور خواجہ بہاء الدین نقشبند کے بیان کی تشریح کی ہے۔ ان تمام تفصیلات کے بعد قاضی صاحب اس مسئلہ کا تحقیقی جائزہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مطلق غناء کو حرام کہنا بے جا ہے۔ کیوں کہ بعض افراد غناء سے رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، نے سماع کو جائز رکھا ہے اور غناء کو مزامیر کے ساتھ قطعی حرام سمجھنا بھی بے جا ہے۔ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، نے نکاح کے موقع پر دَف بجانے کا حکم فرمایا تھا اور امام مالک نے تو اس کو صحت نکاح کی شرط بتایا ہے۔ نیز جب نکاح کے اعلان کی خاطر دَف بجانا حلال یا مستحب ہوا تو دھل، طنبورہ اور نقارہ وغیرہ اور دَف میں کیا فرق ہے؟ لہو لعب کے موقع پر ہر ایک کا استعمال حرام ہے۔ اور غرض صحیحہ کے واسطے سب کے سب حلال ہیں۔ نکاح کا اعلان ہر ایک سے کیا جا سکتا ہے۔ دَف وغیرہ میں فرق کرنا ایک غیر معقول سی بات ہے اور قیاساً

toobaafoundation.com

حرمت مزامیر کو مان لینا ہے۔ لہذا غناء بالمزامیر کو قطعی حرام کہنا چہ معنی دارد۔ اس حرمت پر کوئی قطعی دلیل تو ہے نہیں، سوائے ایک محکم آیت، متواتر حدیث یا اجماعِ امت کے۔ اگر بالفرض حرام ہے بھی تو اس کی حرمت احادیث آحاد سے ثابت ہوتی ہے اور احادیث آحاد کی دلیل ظنی ہوتی ہے۔ چنانچہ جس سے انکار ثابت نہ ہو اس سے کفر لازم نہیں آتا۔ قاضی صاحب متعدد مثالیں دینے کے بعد لکھتے ہیں کہ مزامیر کے حلال سمجھنے والے کو کافر کہنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔

یہ بات جو کہی گئی ہے باجے بجاتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا کفر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سازندہ لہو لعب کی خاطر دف بجائے اور دَف یا طنبورہ بجاتے وقت بسم اللہ کہے تو یہ کفر ہے کیوں کہ گناہ کے کام کی ابتدا خدا کے نام سے کرنا، گویا اللہ تبارک وتعالیٰ کی تعظیم کا ترک کرنا ہے، لیکن ایک شخص دَف بجائے اور کوئی دوسرا شخص ذکر الٰہی میں مشغول ہو اور نعرہ حق بلند کر رہا ہو تو یہ کفر نہیں ہوگا۔

اس کے بعد قاضی صاحب اہل وجد کا تفصیلی احوال بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اگر کسی کو محفل سماع میں وجد کرتا ہوا دیکھے تو اس کا انکار نہ کرنا چاہیے اور اس کی طرف سے برا خیال نہ کرنا چاہیے۔ مسلمان کے حق میں حسنِ ظن رکھنا ضروری ہے۔ حسنِ ظن کے بارے میں قرآنی دلائل پیش کرنے کے بعد قاضی صاحب نے اس بحث کو ختم کر دیا۔

محمد سالار گنگوہی کے دوسرے سوال کے متعلق قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ:

آپ نے لکھا ہے کہ صوفیاء یہ کہتے ہیں کہ اِنَّ ذَاتُ اللّٰہِ تَعَالیٰ ھُوَ الوُجُوْدُ الْمُطْلَقُ المَاخُوذُ لابِشَرْطِ شَیْئٍ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ بِاِحَاطَتِہٖ لِکُلِّ شَیْئٍ اس قول پر آپ نے طعنہ زنی کی ہے اور تحریر فرمایا ہے کہ یہ اہل حق کے عقائد کے خلاف بات ہے کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نہ تو کسی میں حلول کرتا ہے اور نہ کسی کے ساتھ متحد ہوتا ہے۔ پس یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ ان لکل واحد۔

اس کے جواب میں قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ وجود سے مصدری معنی

toobaafoundation.com

مراد نہیں ہیں بلکہ وجود سے مراد مَابِہِ الْمَوْجُوْدِیَّتْ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے وجود اور توابع وجود میں کسی کا محتاج نہیں ہے بلکہ اس کی ذات ہی اس کے وجود کا تقاضا کرتی ہے اور نیز حسب ارادہ ممکنات کا بھی تقاضا کرتی ہے۔ ممکن فی نفسہ کوئی چیز نہیں ہے، اس کی تو علت بھی نہیں پائی جاتی۔ ممکن سے جو مصدری معنی نکلتے ہیں وہ ذات الٰہی کا مقتضا نہیں ہیں اور نہ کوئی ایسی چیز ہے جو اس میں شامل ہو کر اس بات کا تقاضا کرے۔ بلکہ وہ چیز جس کے ساتھ موجودیت ہو، ممکن نہیں ہے اِلّا یہ کہ جس چیز کے وجود کا تعلق ارادہ الٰہی سے ہو۔ اور ارادت الٰہی، جو اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور مقتضائے ذات حق تعالیٰ سے بھی اس کا تعلق ہے، اس کے درمیان کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ اس لیے سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے ما بہ الموجودیت ممکن بھی نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو ما بہ الموجودیت کے معنی میں وجود کہنا بالکل صحیح اور درست ہے۔ اور تمام اشیاء کو اللہ تعالیٰ کا احاطہ کیے ہوئے ہونا، جو کہ وَاللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ کا مفہوم ہے، اسی معنی میں ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی موجودیت کے ساتھ تمام اشیاء کا وجود ہے اور اللہ تعالیٰ کا وجود مطلق بلا کسی شی کی شرط کے ہے۔ اسی لیے یہ بات کہی جاتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات اپنے وجود کی مقتضی ہے اسی طرح وہ تمام صفات کمال کے وجود کی بھی مقتضی ہے۔ جیسے سمع، بصر، حیواۃ، علم، قدرت، ارادہ اور کلام۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کی ذات کو واجب بالذات کہتے ہیں اور صفات کو جو اہل اسلام کے نزدیک زائد بر ذات ہیں، واجب بالغیر کہتے ہیں۔ پس قیود و اعتبارات کی صفات مطلق میں سے کسی شی کی شرط کے بغیر اللہ تعالیٰ کی ذات کا وجود، واجب لذاتہٖ ہے۔ اب حلول یا اتحاد یا ممکنات سمجھنا نادانی کی بات ہے۔ اسی طرح قاضی صاحب نے اس سلسلہ میں صوفیاء اور فلاسفہ کے اقوال پر کافی تفصیل کے ساتھ انتہائی دلچسپ اور منطقی بحث کی ہے۔

آخر میں قاضی صاحب نے یونانی علوم، طبیعی، ریاضی، ہیئت، نجوم اور فلکیات وغیرہ پر کافی معلوماتی بحث کر کے ان میں سے جو مسائل نصوص قطعیہ کے خلاف تھے ان

toobaafoundation.com

کا بطلان کیا ہے۔ مثلاً مسئلۂ استحالت، خرق والتیام بر افلاک جو اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَا الْکَوَاکِبُ انْتَثَرَتْ سے غلط ثابت ہوتا ہے۔ ایسے امور پر اعتقاد رکھنا کفر ہے جب کہ سارا علم ہیئت اسی مسئلہ پر مبنی ہے۔ اس طرح کے علوم حاصل کرنے میں عمر ضائع کرنا ہے۔ ان سے قیامت کے دن کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ان علوم کے بیش تر مباحث سے عقائد میں شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ مسائل لوگوں کے دلوں میں اس طرح گھر کر جاتے ہیں کہ ان کو وہ بدیہی مسائل کی طرح سمجھنے لگتے ہیں۔

مسائل شتّی: فارسی، قلمی، ۶×۹، صفحات ۵۴

یہ نسخہ میاں جی عنایت اللہ کا مرتب کردہ ہے جنھوں نے قاضی صاحب کے ۱۴۰ فتاوے اس میں نقل کیے ہیں۔ کتاب کے آخر میں خود لکھتے ہیں: ''الحمدللہ کہ مسائل مرقومہ معہ مہر قاضی ثناء اللہ پانی پتی رانقل کردہ شد''

ایک مخطوطہ ''فتاویٰ مظہری'' کے نام سے ہے جس کو قاضی صاحب کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے حالاں کہ وہ قاضی صاحب کے پوتے مولوی عبدالسلام نے تالیف کیا ہے، جو قدوری یا ہدایہ کے طرز پر فقہ کی ایک کتاب ہے۔ اس پر لفظ ''فتاویٰ'' کچھ زیادہ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ البتہ اس کتاب کا نام مسائل شتی کے بجائے فتاوی مظہری یا فتاویٰ قاضی ثناء اللہ ہوتا تو یہ اس کتاب کے عین مطابق ہوتا۔ ظاہر ہے یہ نام قاضی صاحب کا تجویز کردہ تو ہوگا نہیں، میاں جی عنایت اللہ نے یہ نام دیا ہوگا۔ جس طرح فتاویٰ مظہری کا نام مولوی عبدالسلام نے رکھا ہے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی پسند کے مطابق نام تجویز کرلیا۔

اس کتابچہ میں ایک سو چالیس متفرق مسائل کے جوابات ہیں جو کسی فقہی ترتیب کے تحت نہیں ہیں۔ اس کتاب کا انداز یہ ہے کہ پہلے سائل کا سوال درج کیا گیا ہے اس کے بعد قاضی صاحب کا جواب۔ قاضی صاحب نے جو فتویٰ دیا ہے اس کی دلیل بھی پیش کی ہے اور ثبوت کے طور پر آیات واحادیث اور کتب فقہ کی عبارتیں بھی

toobaafoundation.com

نقل کی ہیں۔ مثلاً کے طور پر کافر کی عیادت کے سلسلہ میں درج ذیل فتوئی ملاحظہ ہو:

''سوال: عیادت وتعزیت کافر جائز است یا نہ۔

جواب: عیادت وتعزیت کافر از راہِ مصلحت جائز است۔ ومسلمان را سنت۔ قال فی المشکوٰۃ عَنْ اَنَسٍ کَانَ غُلَامٌ یَهُوْدِی یَخْدُمُ النَّبِی، صلی الله علیه وَسَلَّمْ، فَمَرِضَ فَأَتَاه النَّبِی ،صلی الله علیه وسلم، یعوده فقعد النبی ،صلی الله علیه وسلم، عِنْدَ رَأْسِهِ فَقَالَ له اسلِم، فَنَظَرَ الی اَبِیْه وهُو عِنْدَه، فقال اِطِع ابَاالقَاسِمِ، فَأسلَم فخَرَجَ النَّبی، صلی الله علیه وسلم، و هُوَ یَقُوْلُ الحَمْدُللّٰه الَّذِی اَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ (رواہ البخاری)

اس کتاب میں بعض مسائل کے جوابات کافی طوالت اختیار کر گئے ہیں اور بعض بہت مختصر ہیں۔ وہ مسائل جن کو تسلیم کرنے میں عقل سلیم کوئی گریز نہیں کرسکتی ان کو قاضی صاحب نے بلا کسی حجت کے بھی بیان کر دیا ہے۔ جیسے کنوئیں میں کافر کے اترنے کا مسئلہ۔

''سوال: اگر کافر در چاہ غسل کردہ فروشد چہ حکمست

جواب: اگر بدن کافر پاکست چاہ ناپاک نشود'' (ص:۴۳)

یا قریب قریب مسجد بنانے کے مسئلہ کے سلسلے میں قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ

''بنا کردن مسجد نزد مسجد قدیم مضائقہ نیست'' (ص:۴۳)

میاں عنایت اللہ نے کتاب کے حاشیہ پر نو مقامات پر مولوی محمد کی تعلیقات بھی درج کی ہیں جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ فتاوئی مولوی محمد کی نظر سے بھی گزرے ہیں۔ کیوں کہ ان کو بھی ہمارے قاضی صاحب سے بڑا تعلق تھا۔ غالباً یہ وہی مولوی محمد ہیں جن کے نام قاضی صاحب کے تین طویل خط ''کلمات طیبات'' میں چھپے ہیں۔ مولوی محمد کرانہ کے قاضی تھے۔

toobaafoundation.com

رسالہ اخذ اُجرت برخواندن قران: فارسی، مطبوعہ

قاضی صاحب کا یہ رسالہ انہی کی ایک دوسری تصنیف ''حقیقۃ الاسلام'' کے حاشیہ پر چھپا ہے۔ یہ پورا رسالہ اس سوال کے جواب میں ہے کہ اجرت برخواندن قران گرفتن جائز است یا نہ۔ قاضی صاحب نے نہایت شرح وبسط کے ساتھ جواب کی ابتداء اس طرح کی ہے:

''حکم اجرتے کہ حافظان قرآن برخواندنش می گیرند، چند صورت دارد جداگانہ، درذہن خود منقسم باید فرمود، غلط نباید کرد تا اشتباہ واقع نشود''۔

اس کے بعد قاضی صاحب، نے اس کی پانچ صورتیں بتائی ہیں۔ ایک وہ جس میں قرآن کا عوض لینا قطعی ناجائز ہے۔ دوسرے وہ جس کو امام ابوحنیفہ ناجائز قرار دیتے ہیں۔ تیسری شکل مکافات احسان باحسان کی ہے۔ اس میں اجرت لینا مستحب ہو جاتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے پڑھے ہوئے قرآن کا ثواب کسی کو بخش دیا یا کسی کو بخشنے کی نیت سے پڑھنا شروع کیا مگر دل میں کسی طرح کے کوئی معاوضہ کا خیال نہیں آیا اور اس شخص نے حافظ کو احساناً بطور ہدیہ کچھ دے دیا۔ یا کوئی شخص برس ہا برس سے کسی حافظ پر کوئی احسان کرتا رہتا ہے یا انعامات دیتا رہتا ہے۔ تو وہ حافظ کچھ احسان چکانے کے طور پر، قرآن یا کلمہ وغیرہ کا ثواب اس کو بخش دے تو ان صورتوں میں جائز ہے۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی طالب علم دین ہے یا قرآن حفظ کر رہا ہے یا کسی اور دینی کام میں لگا ہوا ہے لیکن تنگ دست ہے اس کو اگر کوئی وظیفہ، معاوضہ یا تنخواہ مل جاتی ہے تو جائز ہے۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ تعویذ وعمل کے طور پر کسی مرض یا آسیب وغیرہ کے دفعیہ کے لیے قرآن پڑھے، اس صورت میں اجرت جائز ہے۔ قاضی صاحب نے یہ تمام صورتیں مدلل طور پر قرآن وحدیث اور فقہاء کی عبارتوں کے حوالوں سے تحریر فرمائی ہیں۔

موجودہ دور کے حفاظ قرآن کو یہ رسالہ ضرور پڑھنا چاہیے۔ جوابات نہایت

toobaafoundation.com

سلجھے ہوئے انداز میں تحریر کیے گئے ہیں جس سے قاضی صاحب کی دقت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔

فتویٰ در جواز تقلید: فارسی، قلمی، ۶×۸

اس فتوے میں قاضی صاحب نے تقلید کے بارے میں مختلف ائمہ، علماء اور مجتہدین کے اقوال اور کتب فقہ سے عبارتیں نقل کی ہیں اور اپنا فتویٰ اس طرح دیا ہے کہ: مقلد اگر بے ضرورت بھی کسی مجتہد کے فتوے پر عمل کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ فقیر یہی فتویٰ دیتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ۔ لیکن علماء کہتے ہیں کہ بے ضرورت کسی دوسرے کی تقلید کرنا مکروہ ہے البتہ ضرورت کے وقت کوئی مضائقہ نہیں۔

فتویٰ در بارۂ ایامِ عاشورہ: فارسی، قلمی، ۶×۸

قاضی صاحب نے ایام عاشورہ میں نوحہ وغیرہ کے عدم جواز میں فتویٰ دیا ہے اور قرآن وحدیث سے استدلال کیا ہے۔ فرمایا ہے کہ یہ روافض کا طریقہ ہے اور جائز نہیں ہے۔ حدیث میں ہے: مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ جو جس قوم کی مشابہت کرے گا وہ اسی میں شمار کیا جائے گا۔ اور ان دنوں میں جو قصے وغیرہ بیان ہوتے ہیں وہ جھوٹ پر مشتمل ہیں۔ اس طرح کے واقعات کا بیان روا نہیں ہے۔ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، نے فرمایا ہے: جس نے میری طرف کوئی جھوٹ بات منسوب کی تو اس کا شمار جھوٹوں میں ہوگا اور یوں بھی قصہ خوانی لہولعب میں داخل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ اور جہلا جو یہ بات کہتے ہیں کہ قصہ خوانی سے آل رسول کی محبت بڑھتی ہے۔ یہ بات غلط ہے۔ محبت تو ان کی اتباع سے ظاہر ہوتی ہے۔ نوحہ تو تکلیف دہ چیز ہے۔

ارشاد الطالبین: فارسی، مطبوعہ، ۶×۹

قاضی صاحب نے اس کو سورہ فاتحہ، درود وتشہد، صلوٰۃ وسلام، تعوذ واستغفار

toobaafoundation.com

اور استعانت وتوکل سے شروع کیا ہے۔ اور دیباچہ کے طور پر اس کتاب کی وجہ تصنیف اس طرح لکھی ہے کہ چوں کہ میں دیکھتا ہوں کہ لوگوں کے خیالات مختلف ہیں۔ بعض لوگ تو سرے سے ولایت کے ہی منکر ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اولیاء ہوتے تھے لیکن اس زمانے میں کوئی نہیں ہے۔ بعض لوگ اولیاء کی عصمت اور ان کے علمِ غیب کے قائل ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اولیاء جو کچھ چاہتے ہیں وہ ہوجاتا ہے اور جو کچھ نہیں چاہتے وہ معدوم ہوجاتا ہے۔ اور اسی خیال سے وہ لوگ اولیاء کی قبروں سے اپنی مرادیں مانگتے ہیں اور چوں کہ اولیاء اللہ میں جو زندہ ہیں ان میں یہ صفت نہیں پاتے، اس لیے اس کی ولایت کے منکر ہوکر ان کے فیوض سے محروم رہ جاتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے بے وقوف اور جاہلوں کے ہاتھوں پر بیعت ہوجاتے ہیں، جو اسلام اور کفر میں فرق تک نہیں کرپاتے۔ بعض لوگ کلماتِ سُکر یہ یا ذو معنی کلمات کی بنا پر اولیاء اللہ کا انکار کرتے ہیں اور ظاہری معنی کی بنا پر ان کی تکفیر کردیتے ہیں۔ اور بعض لوگ کلماتِ سُکر یہ کے ظاہری معنی پر اعتقاد کرلیتے ہیں اور قرآن وحدیث اور اجماع سے ثابت شدہ عقائد کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ بعض لوگ علوم ظاہری پر اکتفا کرکے طریقت کے حصول سے رک جاتے ہیں۔ بعض لوگ اولیاء کے آداب اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی برتتے ہیں۔ بعض لوگ اولیاء کی پوجا کرتے ہیں اور ان کی منت مانتے ہیں اور خانہ کعبہ کی طرح ان کی قبروں کا طواف کرتے ہیں لہذا میں نے چاہا کہ ایک مختصر سی کتاب لکھوں جس سے لوگ ولایت کی حقیقت معلوم کرسکیں افراط وتفریط اور کوتاہی سے بچیں۔ یہ کتاب میں نے عربی زبان میں لکھی تھی جس کا نام ''ارشاد الطالبین'' ہے لیکن احباب کا اصرار ہوا کہ فارسی میں لکھی جائے تاکہ افادہ عام ہو اس لیے اب فارسی میں پیش ہے:

اس کتاب کو قاضی صاحب نے ان پانچ مقامات پر تقسیم کیا ہے۔ مقام اول در اثبات ولایت وآنچہ بدان متعلق است۔ مقام دوم درآداب کہ ناقصان مریداں رامی باید۔ مقام سوم درآداب مرشداں۔ مقام چہارم درآداب ترقی وحصول ولایت۔ مقام پنجم دررسیدن ورسانیدن بمراتب قرب الٰہی۔

toobaafoundation.com

سب سے آخر میں ''خاتمہ درسلوک نقشبندیہ'' ہے۔ اس میں مسلمانوں کو اسلامی طرز پر اپنے شب وروز گزارنے کا طریقہ بتلایا ہے۔ طہارت کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ جس طرح طہارت ظاہری کے بغیر نماز نہیں ہوتی ہے۔ اسی طرح رزائل نفس سے طہارت کے بغیر نماز اور تلاوت کے برکات حاصل نہیں ہوتے اور جس طرح ظاہر میں کفر کا ازالہ لاالٰہ الا اللّٰہ سے ہو جاتا ہے اسی طرح باطنی کفر کا ازالہ بھی اسی کلمہ لاالٰہ الا اللّٰہ سے ہوتا ہے۔ رسول کریم، صلی اللہ علیہ وسلم، نے فرمایا: اپنے ایمان کو تازہ کرتے رہا کرو۔ لوگوں نے دریافت کیا: ''ہم کس طرح ایمان کو تازہ کیا کریں''؟ آپ نے فرمایا: ''کلمہ طیبہ لاالٰہ الا اللّٰہ کے تکرار سے''۔ ہر سلسلہ کے تمام مشائخ نے مریدوں کے لیے یہی ذکر مقرر کیا ہے۔ بعض بآواز بلند ذکر کرتے ہیں۔ نقشبندیہ ذکر جہر کو بدعت سمجھتے ہیں اور ذکر خفی پر اکتفا کرتے ہیں۔

فنائے قلب وغیرہ کے لیے، قاضی صاحب نے لاالٰہ الا اللّٰہ کا ذکر سانس روک کر کرنا بہت مفید بتلایا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ سانس کو ناف کے نیچے روک لیں اور لا کو ناف کے نیچے سے دماغ کی طرف لے جائیں اور الٰہ کو دائیں کاندھے پر ہوتے ہوئے سیدھے پستان کے نیچے لائیں اور اس جگہ سے الا اللہ کی ضرب دل پر لگائیں اور یہ خیال کریں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کے اور کوئی میرا مقصود نہیں۔ یہ عمل طاق عدد کے ساتھ کریں۔ اس کو وقوف عددی کہتے ہیں۔ فنائے نفس کے لیے یہ طریقہ بہت مفید ہے۔

اس کے بعد قاضی صاحب نے دیگر مدارج علیا کا طریقہ بتایا ہے اور اس دعا پر یہ کتاب ختم کی ہے:

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّکَ، وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ، وَحُبَّ عَمَلٍ یُقَرِّبُنِیْ اِلَیْکَ، آمین آمین

یہ کتاب دوبار شائع ہو چکی ہے ایک بار مطبع احتشامیہ مراد آباد سے ۱۳۰۵ھ میں جو ۵۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسری مرتبہ مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۳۰۸ھ میں جس

toobaafoundation.com

میں ۴۸ صفحات ہیں۔

الفوائد السبعہ : فارسی، قلمی، ۶×۸، صفحات ۸

قاضی صاحب ایک بار جب دہلی پہنچے تو ان کے یاران طریقت کا اصرار اس کتاب کی تصنیف کا محرک بنا۔ کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب تصوف کے مقام عرفان پر پہنچ کر لکھی گئی ہے۔ حمد وصلوٰۃ اور وجہ تصنیف کے بعد، حدیث نبوی اِنَّمَا الاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ سے اس کی ابتداء کی گئی ہے اور اس حدیث مبارکہ کی تشریح بھی خالص تصوف کے رنگ میں کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو:

> ''چوں مومن شروع کارِ دینی بکند، باید کہ اول تصحیح نیت چناں کند کہ در قلب او جز معبود حقیقی کسے را دخلے نہ باشد وحق سبحانہ وتعالیٰ را مہربان وقبول کنندۂ عمل خود وراضی از خود تصور کند، بعد ازاں عمل را برہمیں بنیاد مرتب نماید، واز اول تا باتمام حق سبحانہ را حاضر وناظر شناسد تا ثمرہ براں عمل بوجہ اوفی مترتب گردد'' (ص:۱)

یہ پوری کتاب کلمہ طیبہ کی صوفیانہ تشریحات پر مشتمل ہے۔ مصنف نے اس میں سات فوائد بیان کیے ہیں۔

فائدہ اول میں کلمہ طیبہ کے تین اشارات ہیں: ممتنع الوجود، واجب الوجود اور ممکن الوجود۔ احادیث مبارکہ سے ان کا ربط قائم کر کے دلچسپ بحث کی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ کلمہ کی حقیقت الحقائق سے آگاہی کا جب حصول ہو جاتا ہے تو اس کے بعد آدمی کی عبادت دوسروں سے جدا اور ممتاز ہو جاتی ہے۔ اس کی عبادت کے دوران حاملانِ عرش اور مقربان بارگاہ الٰہی اس بندہ کی مدح وثنا کرتے ہیں۔ یہ خاکی بندہ ماسوی اللہ سے گزر کر قرب الٰہی کے مراتب حاصل کر لیتا ہے۔

فائدہ دوم: کلمہ طیبہ کے سات سمندروں کی آگاہی کے بارے میں ہے۔ وہ سات سمندر یہ ہے۔ بحر توحید، بحر وصال بمراد، بحر معرفت تام، بحر ایمان، بحر رشد، بحر نفی ماسوی اللہ، بحر اثبات ذات بحت۔ ان بحار میں سے ہر ایک کے سات سات درجات

toobaafoundation.com

ہیں۔ مثلاً بحرِ توحید کے سات درجات یہ ہیں: انبیاء کہ مرسل اولی العزم اند، مرسلان فقط، انبیاء فقط، صحابۂ ایشاں کہ مخصوص بضمنیت کاملہ اند، صحابہ دیگر، تابعین ومجتہدین، علماء مقلدین وتبعۂ ایشاں از عامۃ المومنین۔

فائدہ سوم: قوتِ قلوب العارفین قول لاالٰـہ الا اللّٰـہ۔ قاضی صاحب نے اس ضمن میں بتایا کہ طالب صادق کلمہ طیبہ کے ذکر کی مواظبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات سے ایک خاص نسبت اور انس پیدا کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی بے کیف ذاتی محبت کو عارف کے دل پر ارزاں فرما دیتا ہے۔ اور یہی بے کیف نسبت عارف کامل کو سکونِ کامل مہیا کرتی ہے۔ جب یہ نسبتِ ذاتی عارف کے دل کی ملکیت بن جاتی ہے تو اس کو فناء کامل میسر ہو جاتی ہے۔ اور وہ زمرۂ صدیقین میں داخل ہو جاتا ہے۔

فائدہ چہارم: معارف غیبی از ذات وصفات کہ بر قلب عارف منکشف می شوند از برکت لاالٰہ الا اللہ است۔ کیوں کہ نفی ماسوی اللہ کی صفائی، دل کی خرابی کے زنگ کو قلعی کر کے چمکا دیتی ہے اور عالم اثبات کی جانب سے ذاتی اور صفاتی حقائق کی صورتیں اس حد تک رونما ہوتی ہیں کہ فہم وادراک کے دائرہ میں نہیں آپاتیں اور غیبی خزانوں کا مالک بنا دیتی ہیں جیسا کہ ابتداء کا اشارہ کُنتُ کَنزاً مَخفِیاً الخ سے ظاہر ہوتا ہے۔ بس عارفوں کا سرمایہ عرفان اسی کلمہ سے حاصل ہوتا ہے۔

فائدہ پنجم: وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ۔ اس میں کلمہ طیبہ کے ذکر کو اکبر اور افضل ہونے کی دو وجہیں بتائی گئی ہیں: جلی اور خفی۔ وجہ جلی یہ ہے کہ نبی کریم، صلی اللہ علیہ وسلم، نے فرمایا کہ جب مومن سبحان اللہ کہتا ہے تو اس کی برکت سے نصف آسمان تک بھر جاتا ہے اور جب الحمدللہ کہتا ہے تو اس کی برکت سے نصف دوم بھی بھر جاتا ہے اور جب لاالٰـہ الا اللّٰـہ کہتا ہے تو اس کلمہ کی برکت عرش تک پہنچ جاتی ہیں۔ بس یہ کلمہ تمام کلمات سے اکبر وافضل ہوا اور تمام کلمات کی برکات کا جامع ہوا۔ اسی لیے اس کو جنت کی کنجی فرمایا گیا ہے کہ کارخانۂ اسلام کا راز اسی میں پوشیدہ ہے۔ وجہ خفی واخفی یہ ہے کہ جس وقت طالب صادق اخلاص کامل کے ساتھ اس کلمہ کو قلبِ مُوقِن سے زبان پر

toobaafoundation.com

جاری کرلیتا ہے تو اس وقت پہلے تو تمام ظاہری گناہوں سے، یہاں تک کہ شرک سے بھی، جو اکبرالکبائر ہے۔ایسا پاک وصاف ہو جاتا ہے گویا ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔اس کے بعد یہ کلمہ طالب کے باطن کو، خبائث سے تزکیہ کے بعد، جن کا ماسوی اللہ سے گہرا تعلق ہے، مواہب لدنیہ اور نسیم ہَہنیہ کے مقام کو اس کا مطلوب حقیقی بنا دیتا ہے۔اس ضمن میں کلمہ کی افضلیت سے متعلق کافی دلچسپ بحث کی گئی ہے۔

فائدہ ششم: گوہر مرتبہ رضائے الٰہی، عارفوں اور صدیقوں کے مراتب کا سب سے آخری مرتبہ رضائے الٰہی کا گوہر ہے۔ وہاں یہ لوگ قربِ ذاتی کے دریا میں غوطہ زن ہوتے ہیں۔ یہیں سے بحرِ لامتناہی کا حصول ہوتا ہے۔اگر اس بحر سے واقف نہ ہوں تو بشریت کی آلودگی سے طہارت، دوست کی دوستی کا حصول اور رضائے الٰہی ہاتھ نہیں آتی۔مزید برآں اس ضمن میں کلمہ کے مُشعِر بِاندَراج النہایہ فی البدایہ ہونے پر بڑی دل نشین بحث کی ہے۔

فائدہ ہفتم: در بیان مراتب خاص ایں کلمہ کہ مختص است بخاتم الرسل، صلی اللہ علیہ وسلم، وبعضے مراتب دیگر کہ مخصوص اند بسائر اولی العزم، علیہم السلام۔کلمہ طیبہ خاتم کلماتِ متبرکہ ہے اور اسی نسبت اصلیہ کی بنا پر خاتم الانبیاء، صلی اللہ علیہ وسلم، کے ساتھ مخصوص ہے۔اس خصوصیت کے ثمرات قاضی صاحب کے الفاظ میں یہ ہیں:

"وبوسیلہ ایں کلمہ خبر 'لَولاکَ لَمَا خَلَقتُ الاَفلاک' بر فرق مبارک نہاد، وخلعتِ ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوسَینِ اَو اَدنٰی در بر کرد۔ وکمر بند 'فَاَوحٰی اِلٰی عَبدِہٖ مَا اَوحٰی' بر کمرِ نازنین خود بست، وبزینت 'اَدَّبَنِی رَبِّی فَاَحسَنَ تَأدِیبِی' مزیَّن وُمجلّٰی گشت، سرمہ 'مَازَاغَ البَصَرُ وَمَا طَغٰی' در چشم کشید، وبرؤیت کبری 'وَلَقَد رَاٰی مِن آیَاتِ رَبِّہٖ الکُبرٰی' مشرف شدہ۔ دید آنچہ دیدنی بود وشنید آنچہ شنیدنی بود، وچشید آنچہ چشیدنی بود، واز برکت ایں کلمۂ صادقہ برآنحضرت، صلی اللہ علیہ وسلم، لباس

toobaafoundation.com

صدق 'وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى' قطع شد واعز واحسن واعلی از جملہ عروسان اولین وآخرین کہ حضرات انبیاء ومرسلین اند، صلوٰات اللہ علیہم اجمعین، گشت وسرفرازیٔ خیر الامم امتِ خیر الرسل بوسیلہ افضل الذکر حاصل شد، وآنصاحب ہدایت تامہ بمنطوق قولہ تعالیٰ 'وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى' ثناء جواہر ہدایت برمقتدیانِ خود فرمود، وبشارتِ جزائے اوفی واز ادائے ایں کلمہ طیبہ وبحکم 'وَيَجْزِي الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى' کرامت نمود، وبہ برکتِ ایں کلمہ، تحفہ کریمہ وعطیہ جسیمہ یعنی نوید 'اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ' احسان کرد، پس ہر قسم کمالاتِ ظاہری وباطنی اولاً وآخراً، سماءاً اوارضاً دنیاً اوعقباً کہ عنایت نمودہ انداز برکت کاملۂ ایں کلمہ طیبہ عطا فرمودہ اند"۔ (ص:۸)

آخر میں قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس کو اس کلمہ کی لذت نہیں عطا ہوئی وہ دونوں جہان کی نعمتوں سے محروم اور خسارے میں رہا اور ندامتِ ابدی مزید اس کے حال پر طاری ہوگی۔ جب بھی وہ کلمۂ طیبہ کے معتقدوں کا حال دیکھے گا تو حسرت اور رشک کی وجہ سے اپنی لاحاصل زندگی پر خون کے آنسو روئے گا۔

اپنے مضمون کے لحاظ سے یہ بہت اہم رسالہ ہے۔ قاضی صاحب نے جس انداز سے مسائل کو سلجھایا ہے وہ ان کے مقامِ عرفان کی بین دلیل ہے۔

کیفیت مراقبہ: فارسی، قلمی، ۶×۸، صفحات ۱۱

قاضی صاحب نے اس رسالہ کی ابتداء اپنے دستور کے خلاف بالکل نئے انداز سے کی ہے۔ خطبہ حمد وصلوٰۃ کے بجائے صرف بسم اللہ کے بعد اس طرح شروع کرتے ہیں:

کیفیت مراقبہ قدرے نیز درکتابت می آید۔ مراقبہ بمعنی انتظار مقصود اصلی گرفتہ اند چوں اکابر قادریہ ونقشبندیہ وسہروردیہ در

toobaafoundation.com

سلوک قصرِ ہمت برکمالِ اتباع پیغمبر خدا، صلی اللہ علیہ وسلم، دارند،
لہذا در سیر مقامات ومراقبات بسیار قریب اند بلکہ یک طریق کمال
متابعت حبیب خدائے تعالیٰ واصحاب او اختیار کردہ اند" (ص:۱)

اس کتاب میں قاضی صاحب نے مراقبہ کے مندرجہ ذیل مراتب پر بحث کی ہے:

مراقبہ حضور مطلق: اذکار مشہورہ اور نفی واثبات کی تعلیم کی بعد مرید کو مراقبہ حضور مطلق کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس مراقبہ کے وقت تمام اذکار ترک کر کے اپنے باطن کو صرف ذات احدیت کی طرف متوجہ کرنا ہوتا ہے۔ اس پر مداومت کرنے سے رفتہ رفتہ مقصود اصلی کے درجات کا حصول ہوتا رہتا ہے اور طالبِ صادق کا باطن منور ہوتا جاتا ہے۔ جس کو مرشد کامل بنظر بصیرت دیکھ لیتا ہے۔

مراقبۂ حضور مع ملاحظہ معیت: مراقبہ حضور مطلق پر کثرت اور مواظبت کی وجہ سے طالبِ صادق اپنے آپ کو معیت بے کیف کے رنگ میں پاتا ہے، اگرچہ اللہ اور بندہ کی یہ معیت از قسم متشابہات ہے۔ اس معیت کے تین درجات ہیں۔ معیت فعلی، معیت صفاتی اور معیت ذاتی۔ پھر ان تینوں مراتب میں سے ہر ایک کے سات سات درجات ہیں۔ قاضی صاحب نے ان درجات کے حصول اور ان کی کیفیات کا بڑا دلچسپ اور بصیرت افروز تذکرہ کیا ہے۔

مراقبہ صفت معیتِ ذات بملاحظہ صفت اقربیت: قاضی صاحب نے اقربیت کے بھی تین درجات بتائے ہیں۔ اقربیت فعلی، اقربیت صفاتی اور اقربیت ذاتی۔ ان میں سے ہر ایک قسم کے سات سات مراتب ہیں جن پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

مراقبہ بصفت سمعی: مذکورہ بالا تقسیم کی طرح اس کی بھی تین انواع اور سات سات مراتب بتائے ہیں۔

مراقبہ بصفت بصری: اس کے بھی تین قسمیں اور سات سات مراتب بیان کیے گئے ہیں۔

مراقبہ بصفت علمی: اس کی بھی تین قسمیں اور سات سات مراتب بیان کیے ہیں۔

toobaafoundation.com

مراقبہ ذات بصفت حُب: اس کے بھی تین درجات اور سات سات مراتب ہوتے ہیں۔ اس مقام پر پہنچ کر سالک کی کیفیت کا حال قاضی صاحب نے اس طرح بیان کیا ہے:

''دریں زماں سالک مناسبتے بقدر استعداد تام، المعرفت بذات بحت پیدا خواہد کرد، اگر سلوک طالب صادق بسیر مریدی است از اکابر سالکان خواہد بود، واگر بفضل وعنایت حق سبحانہ سلوک بسیر مرادی است، وسیر مرادی گویا مخصوص اکثر برقدم خاتم نبیین محمد رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، میسر می شود، فَطُوبیٰ لِمَنْ کَانَ السَّیْرُ نَصِیْباً لَہٗ' (ص:۴)

مراقبہ ذات بحت: اس مقام پر راہ سلوک کے اکابرین کے قدم بھی ڈگمگانے لگتے ہیں۔ یہاں مکمل ہوش اور قلب صمیم کے ساتھ قدم رکھنا چاہیے۔ خاتم الرسل، صلی اللہ علیہ وسلم، نے بھی جو رئیس محبوباں ہیں اور راہ سلوک کے پیش رو ہیں اور مقبولان شاہراہ ہیں، وہ بھی عجز انکسار کے تصور کے ساتھ فرماتے ہیں: "لَآ اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَآ اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ" تو دوسروں کا حال کیا کہا جائے۔ اس عظیم، بے پایاں سمندر میں ایک ضعیف اور بے بال و پر کا کیا پتا لگے گا۔ اس سب کے باوجود ہمت ہار کر نہ بیٹھنا چاہیے۔ انسان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی" البتہ مقام کی مناسبت سے سعی کرنا چاہیے۔ تاکہ سعی، سعی مشکور بن جائے اور مخلصین کے زمرہ میں شامل ہو جائے۔

علاوہ ازیں قاضی صاحب نے اس کتاب میں انتہائی دل نشین پیرائے میں سیر مریدی اور سیر مرادی، وراء الوراء حجابات نوری، ظلماتی، صفاتی، شیونی، مراتب تحیر، اندراج النہایہ فی البدایہ اور دیگر مسائل تصوف پر بحث کی ہے۔ نفی ماسوی اللہ اور اثبات اللہ کا طریقہ بتایا ہے۔ سالک کی کیفیات کا ذکر کیا ہے۔ ظل کی حقیقت اور مراتب سیر بیان کر کے قاضی صاحب نے اس کتاب کو ختم کیا ہے۔

toobaafoundation.com

تذکرۃ العلوم والمعارف: فارسی، قلمی، ۵×۸ صفحات ۱۰۴

علوم ومعارف کی یہ اہم کتاب جس کا انداز بالکل اچھوتا ہے اور قاضی صاحب نے اس کو تصوف کے رنگ میں ایسا دلچسپ بنا دیا ہے کہ بس پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ جن موضوعات پر اس کتاب میں بحث کی گئی ہے ان میں سے چند نمایاں مضامین کا خاکہ ذیل میں ترتیب دیا جا رہا ہے جس سے کتاب کی اہمیت اور افادیت کا قدرے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

فضیلت علم وعلماء، درجات علماء، فضیلت علمائے ربانی، مراد از علم، علم مکاشفہ، جذب، طاعت باطنی، غفلت ظاہری، علامتِ شیخ کامل، سلوک، موجبات قربِ الٰہی، مقتضائے عشق، حب اللہ، تاثیر صحبت کامل، اعمال صالحہ، تصفیہ قلب، تزکیہ نفس، اخلاص نیت، موجبات قرب، تصدیقات، شطحیات مشائخ، کشف کونی، فضیلت وکمال، کرامت واستدراج، حقیقتِ فضیلت، معجزات، الاستقامت فوق الکرامت، علم معاملہ، عقائد، یقین بقلب واقرارِ زبان، اخلاق، اغراض علم اخلاق، علم فقہ، تعریف فقہ، اقسام اعمال، حصول ثواب، اصلاح معاش عباد، ضروریات علم، اتباع سنت در تعلیم و تعلم، عمل بر محکمات، اعمال روافض وغیرہ، حالت علمائے اہل کتاب، فرائض علماء، علماء سو، تعلیم وتعلم خالصاً للہ، ترویج علم، احتساب خود، بہتر اور بدتر علماء، علوم غیر نافعہ، مآخذ علوم معاملہ، فقاہت، علوم قرآن، علم قراۃ، علم مقتضیات سنت وتفسیر، علوم دینیہ، قرآن و حدیث، اصول حدیث، اصول فقہ، زبانِ عربی، منطق، تدریس علم حدیث، فقہائے متاخرین، علوم مبنی بر جہل مرکب، فلسفہ، ہیئت، علم طبیعی، علوم خلاف شرع، سحر، نجوم، کافر شدن منجم وساحر وکاہن، علوم غیر مستفاد، شطرنج، موسیقی، علوم برائے مصالح دنیا، طب، زراعت، تجارت، اسباب مزیلہ ضرر، علم شعر وشاعری، تاریخ، تاثیر ذکر اولیاء اللہ، حقیقت کلام مجدد، مقاصد علوم مکاشفہ ومعاملہ، تقدم در طلب علم، قلب سلیم، خشیت اللہ، تقویت الایمان وترقی درجات، شرائط برائے حصول برکاتِ باطن قرآنی، توکل، ادائیگی نماز بحضوری قلب وآداب، صرف کردن در مرضات الٰہی، درجات علمائے حق،

toobaafoundation.com

تعریف اعمال صالحہ وطریقہ محفوظ ماندن خسران ابدی۔

اس خاکہ سے اتنا اندازہ ہو جانے کے بعد کہ اس کتاب میں کیا کیا مضامین زیر بحث آئے ہیں، اب کچھ مختصر اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔ علم اور علما کی فضیلت بیان کرنے کے بعد قاضی صاحب بتاتے ہیں کہ علم سے مراد وہ علم ہے جو: ''کہ مستفاد است از رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، ومیراث انبیاء است'' (ص: ۱۰)

علوم مکاشفہ ومعاملہ کے مقاصد بیان کرتے ہوئے قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''کہ علم مکاشفہ مقصود بذاتہٖ است وعلوم معاملہ مقصود ازاں اعمال صالحہ است'' (ص:۹۶)

حصول علم میں ایک ترتیب قائم رکھنی چاہیے تاکہ طالب علم استفادہ کاملہ حاصل کر سکے۔ قاضی صاحب اس کا اصول بتاتے ہیں کہ:

''پس در طلب علوم اہم را بر مہم ومہم را بر غیر مہم باید داشت۔ اہم را گذشتہ ہر کہ در غیر آں مشتغل وفرض عین را ترک دادہ۔ بفرض کفایہ یا بعادۃ نافلہ مشغول باشد، جاہل وزیان کار باشد، مانند کسے کہ تمام وقت ظہر بنوافل مشغول سازد وظہر را ترک دہد۔ ہمچنیں کسے اصلاح نفس خود نکردہ باصلاح دیگراں پردازد، ہالک وزیاں کار است، مانند کسے کہ در پیراہن خود مار وگزدم دارد واز پیرہنہائے دیگراں مگس می چنید، یقین است کہ ہالک باشد۔ قال اللہ تعالیٰ یَااَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَایَضُرُّکُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ یعنی اے مومنان ضرر نکند شمارا کسے کہ گمراہ شود وقتیکہ شما بر ہدایت باشد''

(ص:۹۶۔۹۷)

اعمال صالحہ کے لیے قاضی صاحب چار چیزیں ضروری بتلاتے ہیں:

''لیکن صلاح اعمال بدون تصفیہ قلب وتزکیہ نفس از رزائل و

toobaafoundation.com

اخلاص نیت و محبت حق ممکن نیست''۔ (ص: ۲۵)

یہ کتاب اپنے موضوع اور مضامین کے لحاظ سے نہایت اہم ہے۔ اور تعلیم و تعلم سے شغف رکھنے والوں کے لیے ایک بے نظیر تحفہ ہے۔

جواب شبہات برکلام حضرت مجدد الف ثانی: فارسی، قلمی، ۶×۸، صفحات ۴۸

بعد الحمد للہ سبحانہ والصلوٰۃ علی رسولہ نمودہ می آید کہ چند از اہل عناد پیشہ کہ برکلمات ایشاں قدس سرہ از روئے تعصب بعضے اعتراضات وشبہات ایراد نمودہ بودند، بنابرآں جواب وحل آں بروجہے کہ موافق عقل ونقل بود، جمعے از مخلصان آنحضرت قدس سرہ عزیز، مرقوم نمودند، وبعضے ازآں شبہات کہ من بعد ظاہر شد، ناچار در جواب آنہا چند کلمہ رقمے نمودہ شد و تعیین مغالطہ آنہا کردہ اند''

یہ ہے اس کتاب کا افتتاحیہ اور وجہ تصنیف ۔ اس کتاب میں قاضی صاحب نے چودہ شبہات نقل کر کے ان کے مفصل جوابات بڑی شرح وبسط کے ساتھ لکھے ہیں جن میں تصوف کے بڑے ادق مسائل پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ جو مسائلِ تصوف اس میں زیر بحث آئے ہیں ان کا ایک اجمالی خاکہ یہ ہے: اصالت وحیولت، حقیقت توسط وعدم توسط، سلوک، دعوت محبوب، تعیین اول، تعیین وجودی، تعیین جبی، حقیقت محمدی، حقیقت ابراہیمی، عینیت وجود باری تعالیٰ، ولایت محمدی، ولایت موسوی، نسبت محبوب ومحب، ارادت باللہ، معیت وتوسل، خاصہ محمدیؐ، انتساب تبعیت وطفیلیت بادیگراں واستثنائے خود، مقامات عالیہ، خوارق، ظہور کمالات نبوت، حقیقت کعبہ و حقیقت محمدیؐ، حلاوت ووجدان، بے مزگی وفقدان، استفادہ صحبت۔

نمونہ کے طور پر اس کتاب کا سب سے چھوٹا اقتباس نقل کیا جاتا ہے:

''شبہ ششم آنست کہ در مکتوب ۸۶ می نویسند کہ سلسلہ ارادت من بے توسط باللہ است ۔۔۔۔۔۔ باللہ است ارادت من

toobaafoundation.com

بمحمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کثیرہ است وارادت من باللہ تعالیٰ قبول بوساطت غیر نماید، پس من مرید محمد رسول اللہ ام، صلی اللہ علیہ وسلم، وہم ہم پیرہ وپس رواو، ایں عبارت نیز در ہیچ کتب در نظر نیامدہ است ہر کسے حضرت رسالت را ہم پیرہ گوید۔ ایں عبارت اگر از روے شریعت ثابت شود فبہا والا صریح بے ادبی می نماید۔

جواب ازیں شبہ آنست کہ معنی ہم پیرہ آنست کہ سلسلہ ارادت دو کس بیک مرشد منتہی گردد، وچوں از حدیث نبوی واز کلام مشائخ کہ در جواب شبہ اول گزشتہ معلوم گردید کہ بعض منتہیانِ واصل را بطفیل ومتابعت آنسرور، علیہ السلام، نصیب وبہرہ از ذات تعالیٰ حاصل است وحیلولہ احدی درمیاں مفقود است ہر چند توسل وتبعیت منتہی دریں استفادہ کاین است وبے توسل او، علیہ السلام، حصول آں محال، پس صادق آمد کہ این واصلِ منتہی ہم مرید آنسرور است علیہ السلام، وہم ہم پیرہ او، وپس رواو۔ ودریں اطلاق ہیچ قباحت نمی نماید واز فخر وزعم او ہیچ حجت بر خصم قائم نمی شود"۔ (ص:۲۵)

احقاق الحق: رد اعتراضات عبدالحق بر کلام مجدد الف ثانی، فارسی، قلمی، ۶×۸، صفحات ۳۴، ۱۱۶۰ھ

یوں تو نام ہی کتاب کے نفس مضمون کا پتہ دیتا ہے۔ مزید افتتاحیہ اس پر اور ضیاپاشی کر کے نہ صرف کتاب کے مضامین کی عکاسی کر رہا ہے بلکہ ایک بائیس سالہ نوجوان کے جذبات کی ترجمانی کر رہا ہے۔

اَلحمدُللہ الذی لایُصلِحُ عَمَلَ المُفسِدِینَ وَیُحِقُّ اللہ الحَقَّ بِکَلِمَاتِہِ وَلَوکَرِہَ المُجرِمُونَ وَالصلوٰۃ وَالسلامُ علی مَنْ فَضَّلَہُ علی جَمِیعِ خَلْقِہِ حتّیٰ

toobaafoundation.com

الانْبِيَاءَ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَجَعَلَ مَنْ تَبِعَهُ مِنَ الْهُدَاةِ الْمَهْدِيِّيْنَ وَعَلٰى مَنْ تَبِعَهُ كَمَالَ مُتَابَعَتِهٖ مِنَ الْعُلَمَآءِ الرَّاسِخِيْنَ۔

اس کے بعد قاضی صاحب نے وجہ بتانے کے لیے تقریباً دو صفحات کا دیباچہ لکھا ہے۔ جس میں پہلے انسان کی زندگی کے عظیم مقاصد اور ان کے حصول کی ترکیب بتائی ہے اور پھر بتایا ہے کہ چوں کہ صاحب باطن علماء کو علمائے ظاہر اپنا جیسا خیال کرتے ہیں اور ان کے رموز سے واقفیت نہیں رکھتے۔ اس لیے ان کے کلام کے حقیقی مفہوم تک ان کی رسائی نہیں ہو پاتی۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی کے کلام پر کچھ اعتراضات لکھ کر مخلوق کو بڑا اخروی نقصان پہنچایا ہے جو بھی ان اعتراضات کو دیکھے گا حضرت مجدد سے اس کو بغض پیدا ہو جائے گا۔ حسب ارشاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اِمَاطَةُ الاَذىٰ عَنِ الطَّرِيْقِ جو ایمان کا ایک جزو ہے، ان اعتراضات کا دفعیہ بھی نہایت ضروری ہے۔ خاموش رہنے میں گناہگار ہونے کا اندیشہ ہے۔ لہذا بندۂ عاصی ثناء اللہ درحالت بے استطاعتی وہیچمدانی قصدِ جہاد نمودہ ودفع اذی از غائبان خواستہ''۔

چنانچہ قاضی صاحب نے اپنی پوری مجتہدانہ شان کے ساتھ چھوٹے بڑے بیسیوں اعتراضات کے مختصر اور طویل جوابات نصوصِ قطعیہ اور دلائل قویہ کے ساتھ تحریر فرمائے ہیں۔ اس پوری کتاب کے مباحث کا ایک مختصر خاکہ درج ذیل ہے۔

پیرومرشد پر مرید کی افضلیت، بزرگوں کی تنقیص وتخطیہ، ظل اور اصل، آداب مرشد، ظہور کرامت، کمال محمدی وکمال ابراہیمی، خمیر مایہ وجود رسول، علیہ السلام، فضیلت صحابہ، کمالات محمدیہ درحضرت مجدد، اجتباء واقربیت، سیر مرادی وسیر مریدی، سلوک اور جذب، حقیقت محمدی، حقیقت الحقائق، فنا وبقا، ولایت کبریٰ، محبوبیت، انطباق حقیقت سالک برحقیقت محمدی، ارتفاع حلولیت صفات، حلولیت حقیقت محمدی، رویت باری تعالیٰ، سکر وصحو، ان کے علاوہ اور بھی بہت سے مسائل ہیں۔ غرض کہ

toobaafoundation.com

پوری کتاب تصوف کے ادق مسائل سے پُر ہے۔ تاریخ اختتام: بتاریخ بست پنجم شہر شوال سنہ یکہزار و یک وصد وشصت ہجری در روز شنبہ تمام شد۔

کتاب در وعظ و نصیحت: فارسی، قلمی، ۶×۹، صفحات ۲۹

اس کتاب میں قاضی صاحب نے تصوف کے جن مسائل پر قلم اٹھایا ہے وہ ہیں: لازمۂ قرب الی اللہ، حقیقت عشق ومحبت، کیفیات بے خودی وسرمستی اور چار مکاتیب میں جن میں علم حضوری، وحدت وجودی، طریقت اور نسبت ومسئلہ اقربیت وغیرہ کا تفصیلی بیان ہے:

پہلے موضوع پر بحث کرتے ہوئے قاضی صاحب نے دوٹوک بات بتادی کہ جس کو اللہ تعالیٰ دولت قرب سے نواز دے اس کو چاہیے کہ بس اپنے آپ کو دیدارِ جمالِ جہاں آرا میں محو رکھے اور کسی غیر کو خیال میں بھی نہ لائے۔

دوسرے عنوان میں قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ: محبت، محبوب کے ساتھ اس طرح کے اشتغال قلب کا نام ہے کہ اس کو کسی اور کی طرف توجہ کرنے سے باز رکھے اور محبوب کی طرف دوام توجہ کے علاوہ اسے کوئی چارہ نہ ہو۔ اس کے بعد قاضی صاحب نے بندے کی اللہ سے محبت اور اللہ کی بندے سے محبت کی کیفیات، اس کے مراتب اور ثمرات کا تذکرہ انتہائی شرح وبسط کے ساتھ کیا ہے اور پھر بتایا ہے کہ عشق میں عقل وحواس کی معطلی اور سکر ومستی، تنگیٔ حوصلہ کی بنا پر ہوتی ہے اگر حوصلہ وسیع اور استعداد عالی ہو تو محبت چاہے جس قدر زیادہ ہو، عقل اپنی جگہ پر رہتی ہے اور حواس معطل نہیں ہوتے۔ آگے چل کر قاضی صاحب نے بتایا کہ فرطِ محبت خدا تو سراسر پسندیدہ ہے اگر ہوش مندی کے ساتھ ہو تو عشق سے بہتر ہے۔ فرط محبت کا تقاضا یہ ہے کہ احکام الٰہی کی پابندی کو اپنی طبیعت کے مقتضیات پر مقدم رکھے اور احکام کی تعمیل عذاب کے خوف سے اور ثواب کے لالچ میں نہ ہو۔

اس کے بعد قاضی صاحب نے بے خودی وسرمستی کی کیفیات کا تذکرہ کیا ہے اور بڑی وضاحت کے ساتھ درویشوں اور انبیاء وصحابہ کے حوصلہ واستعداد

toobaafoundation.com

کا حال بیان کیا ہے اور ایک مثال سے اس طرح سمجھایا ہے کہ انبیاء وصحابہ کے حوصلے دریا کی مانند اور درویشوں کے کوزہ کی مانند ہیں۔ فیوض الٰہی کی گنجائش دریا ہی میں ہوتی ہے۔ کوزہ چھلکنے لگتا ہے۔

اس کے بعد قاضی صاحب کے چار مکاتیب ہیں جن میں سے تین شیخ محمد قاضی کرانہ کے نام اور ایک شاہ غلام علی کے نام یہ چاروں خطوط ''کلمات طیبات'' میں چھپ چکے ہیں۔

شرح حزب البحر: فارسی، قلمی، ۶×۹، صفحات ۱۸، ۱۱۸۸ھ

اس دعا کے تاریخی پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے قاضی صاحب نے بتایا کہ کس طرح شیخ ابوالحسن شاذلی (متوفی ۵۵۶ھ) در قیلولہ بایں دعا ملہم شد۔ یہ دعا قاضی صاحب کے معمولات میں داخل تھی۔ اتفاق سے ۱۱۸۸ھ میں شاہ ولی اللہ کی کتاب ''ہوامع'' قاضی صاحب کی نظر سے گزری۔ ''ہوامع'' دعائے حزب البحر کی شرح ہے جو ۱۱۶۵ھ میں لکھی گئی تھی۔ قاضی صاحب لکھتے ہیں: ''شیخ قدس سرہ در ہوامع علوم بسیار کہ بروے نازل شدہ بود وفوائد بے شمار مقید قلم اوزدہ'' (ص:۲) لیکن چوں کہ وہ تمام ادق علوم، عام لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہیں اور ہر ایک ان سے خاطر خواہ استفادہ نہیں کرسکتا ''لہٰذا این فقیر ازاں کتاب فوائد یکہ بہ ہر عام وخاص نفع رساند التقاط نمودہ دریں اوراق نوشتہ'' (ص:۲) چنانچہ قاضی صاحب نے ہوامع کی عام فہم زبان میں تلخیص کی اور جہاں کہیں کوئی شبہ ہوا تو اس کو واضح کردیا۔ مثال کے طور پر شاہ صاحب کے درج ذیل استعجاب:

> ''شیخ قدس سرہ نویسند کہ من تعجب می کنم از کسے کہ در اول وآخر حزب البحر اعتصام واختتام می خواند واز جہۃ کسرِ قوت بعض حروف جلالیہ ادعیہ جمالیہ می خواند، نمی داند کہ شیخ از جہۃ اتساعِ علمِ خود ہمہ ایں مراتب راخود رعایت کردہ است، ابتداء می کند یا علی یا عظیم الی آخرہ واختتام می نماید حَسْبِیَ اللّٰہُ وَبِسْمِ اللّٰہِ

toobaafoundation.com

الَّذِیْ لَایَضُرُّ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ در جنب ہر کلمہ جلالی دو چنداں کلمہ جمالی می آرد"۔ (ص:۴)

کے جواب میں قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"اقول لیکن ایں فقیر را از حضرت پیر دست گیر خود مدظلہ اعتصام و اختتام بہم رسیدہ است وخواندن آں کہ آیات قرآنی واذکار اند البتہ مفید تر خواہد بود"۔ (ص:۴۔۵)

دعائے اعتصام، دعائے حزب البحر اور دعائے اختتام کی شرح لکھنے کے بعد قاضی صاحب نے حزب البحر کے خواص بھی تحریر فرمائے ہیں اور آخر میں یہ دعا پڑھنا تجویز کیا ہے:

"بعدہ این دعاء خواند: رُفِعَتْ بِاَمْرِ اللّٰہِ تَعَالیٰ کُلُّ بَلَاءٍ وَقَضَاءٍ یَجِیْئُ مِن ھٰذِہِ الجِھَاتِ السِّتِّ تَاْمَنُ بِاِذْنِ اللّٰہِ تَعَالیٰ مِن جَمِیعِ الاٰفَاتِ وَالعَاھَاتِ"۔ (ص:۱۷)

تلخیص وتشریح کتاب النجات عن طریق الغوات:

یہ کتاب مطالعے کے لیے دستیاب نہ ہوسکی البتہ اس کے دو باب: ایک "کیفیتِ کلمات مصطلحہ" اور دوسرا "کیفیتِ ذکر نفی واثبات" شاہ نعیم اللہ بہرائچی نے "معمولات مظہریہ" میں نقل کیے ہیں ان سے پتہ لگتا ہے کہ فارسی زبان میں یہ فن تصوف کی کتاب ہے اور اس میں منازل سلوک طے کرنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔

قاضی صاحب نے کلمات مصطلحہ کے تحت جن اصطلاحات اور ان کی کیفیات کا ذکر اور ان پر عمل پیرا ہونے کے جو طریقے بتلائے ہیں وہ یہ ہیں:

"وقوف قلبی، وقوف زمانی، وقوت عددی، ہوش در دم، نظر بر قدم سفر در وطن، خلوت در انجمن، یاد کرد، بازگشت، نگاہ داشت اور یادداشت"۔

ذکر نفی واثبات کا طریقہ قاضی صاحب نے کافی تفصیل سے بتایا ہے۔

toobaafoundation.com

استقامت کے ساتھ اکیس مرتبہ ذکر کے فوائد اور اس کی کثرت کے نقصانات کا بھی ذکر کیا ہے۔

السیف المسلول: فارسی، مطبوعہ، ۶×۹، صفحات ۲۳۶، مطبع احمدی، دہلی، ۱۲۶۸ھ

اس کتاب کا پورا نام "اَلسَّیْفُ الْمَسْلُوْلُ لِلسُّنَّةِ الْعُلْیَا عَلَی الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَکَانُوا شِیَعاً" ہے۔ اس کتاب کا موضوع رد روافض ہے۔ قاضی صاحب کے زمانہ میں شیعوں نے کافی زور پکڑ لیا تھا اور مسلمان گمراہ ہونا شروع ہو گئے تھے جیسا کہ خود انھوں نے لکھا ہے:

> "دریں وقت دریں دیار مذہب اثنا عشریہ [۲۶۰] ظہورے پیدا کردہ، بسبب جہل وحمق اکثر اہل زماں خصوص بعضے از اہل بلدہ پانی پت کہ آباد واجداد شان اہل سنت وایمان بودند، گمراہ شدند"۔ [۲۶۱]

اسی لیے قاضی صاحب نے یہ کتاب تصنیف کی تاکہ ہر شخص اس سے فائدہ حاصل کرے اور شاید گمراہ ہونے سے بچ جائے۔

چوں کہ شیعہ، اہل سنت کی حدیث کی کتابوں پر اعتماد یقین نہیں کرتے ہیں، اس لیے قاضی صاحب نے اس کتاب میں قرآنی آیات سے استدلال کیا ہے اور شیعوں ہی کی ان کتابوں سے دلائل پیش کیے ہیں جن کو شیعہ معتبر سمجھتے ہیں جیسے محمد بن یعقوب الکلینی کی "کافی"، ابوجعفر محمد بن حسن الطوسی کی "تہذیب واستبصار"، محمد بن علی بن بابویہ القمی کی "فقہ من لایحضرہ الفقیہ" اور ابومحمد الحسن العسکری سے منسوب تفسیر وغیرہ کی کتابیں، تاکہ شیعوں کو انکار کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔

عقائد کے جن مسائل میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ان کا تذکرہ اس کتاب میں نہیں کیا گیا ہے۔ صرف عقائد کے وہ مسائل جن میں شیعوں کے بعض فرقوں کو کچھ اختلاف ہے انہی کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔ یہ کتاب ایک مقدمہ، سات مقالے اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں شیعوں کے ۷۲ فرقوں کے نام اور ان کے عقائد کا

toobaafoundation.com

ذکر ہے۔ پہلے مقالے میں شیعہ مذہب کے باطل ہونے اور اہل سنت و جماعت کے برحق ہونے کا مختصر بیان ہے۔ دوسرے مقالے میں اہل سنت کے عقائد کا ثبوت اور شیعوں کے مذہب کے بطلان کا تفصیلی ذکر ہے۔ تیسرے مقالے میں امامت کی بحث ہے جس کو شیعہ اصول عقائد میں شمار کرتے ہیں اور اہل سنت اس کو فروع سمجھتے ہیں۔ چوتھا مقالہ خلفاء وصحابہ کرام اور اہل سنت پر طعن و تشنیع کرنے کے جواب میں ہے۔ پانچواں مقالہ افضلیت صحابہ اور تمام صحابہ کو اچھائی کے ساتھ یاد کرنے اور یزید پر لعنت کے جواز میں ہے۔ چھٹے مقالے میں روافض کی خرافات کا ذکر ہے اور ان کے بعض فروعی مسائل کا بطلان ہے۔ ساتویں مقالہ میں اہل سنت کے بعض ان فروعی مسائل کا ذکر ہے جو ان کو ممتاز بناتے ہیں۔ خاتمہ میں ائمہ اہل بیت اور افضلیت شیخین کا ذکر خیر ہے اور امام مہدی کے شمائل ہیں۔

ان تمام مقالات میں قاضی صاحب نے بڑی شرح وبسط کے ساتھ شیعی روایات سے ہی مذہب روافض کا باطل ہونا ثابت کیا ہے۔ طوالت کے خوف سے ان کی تفصیلات حذف کی جارہی ہیں۔ خاتمہ میں قاضی صاحب نے خالص صوفیانہ رنگ میں بحث کی ہے۔ یوں تو قاضی صاحب امام کے معنی کی تفصیلی بحث تیسرے مقالے میں کر چکے ہیں لیکن یہاں خاتمہ میں کشف کے ذریعہ امامت کا جو مطلب ظاہر ہوتا ہے اس کو بتایا کہ جس طرح اکابرِ امت امام کے لقب سے پکارے جاتے ہیں اسی طرح علوم باطنیہ کی تعلیم کے لیے اہل بیت امامت کے منصب پر فائز ہیں اور یہاں امامت کا مطلب قطبیت ہوتا ہے۔ حضرت علی کمالات ولایت کے درجہ پر فائز تھے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو کمالات نبوت کا مقام حاصل تھا اور حضرت عثمان کو کمالات نبوت اور کمالات ولایت دونوں حاصل تھے۔ اسی لیے ذوالنورین کہلاتے ہیں اور چوں کہ کمالات نبوت میں بلا پردہ صفات کے، براہ راست تجلی ذاتِ باری تعالیٰ ہوتی ہے اس لیے وہ کمالات ولایت سے بہتر ہیں۔ کیوں کہ کمالات ولایت میں تجلی صفاتی ہوتی ہے یا کبھی تجلی ذات در پردۂ صفات ہوتی ہے۔ حضرت علی دروازۂ علم قرار

toobaafoundation.com

پائے ہیں اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رأسِ دین (جیسے بدن میں سر) ہوئے ہیں۔ تمام صحابہ کرام کی نظر کمالات نبوت پر رہتی تھی۔ کمالات ولایت کا کمالات نبوت میں کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے تمام صحابہ کرام اور خود حضرت علی شیخین کی افضلیت کے قائل ہیں اور اس بات پر ان کا اجتماع ہوا ہے، اور دوسروں نے بھی ان کے اجماع کی متابعت کی ہے۔

رسالہ رد روافض: فارسی، قلمی، ۶×۸، صفحات ۲۷، ۱۱۸۰ھ

حسب دستور دیگر کتابوں کی طرح اس میں بھی فہرست عنوانات نہیں ہے۔ اس کتاب میں درج ذیل عنوانات پر بحث کی ہے۔ مقام اول در برہان برحقیقت مذہب اہل سنت و جماعت، مقام دوم در ابطال برہان شیعہ، یہ باب چار مقدموں پر مشتمل ہے: مقدمہ اول آنکہ نصب امام برحق تعالیٰ واجب است، مقدمہ دوم آنکہ عصمت در امام شرط است، مقدمہ سوم آنکہ عصمت بعد پیغمبر، صلی اللہ علیہ وسلم، منحصر است در علی و فاطمہ و ابناء آنہا، مقدمہ چہارم آنکہ اعتقاد بہ ائمہ مثل اعتقاد بہ انبیاء نزد آنہا فرض است، ابطال ہر چہار مقدمات۔ مقام سوم در خلافت، مقام چہارم در شاجرات صحابہ کرام، مقام پنجم در فضیلت شیخین۔

مقام اول میں تیرہ آیات قرآنی اور دو حدیث مبارکہ کے ثبوت کے ساتھ فرقہ اہل سنت والجماعت کے برحق ہونے کے عقلی، نقلی اور منطقی دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ قرآنِ پاک کی متعدد آیات سے سند پیش کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اسی فرقہ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے تائید و نصرت حاصل ہے۔ جو چیز مؤید من اللہ ہو وہی برحق ہوتی ہے۔ نیز یہ بھی نص قطعی اور خبر متواتر سے ثابت کیا ہے کہ اولیاء اللہ صرف اہل سنت میں ہوتے ہیں اور جس جماعت میں اولیاء اللہ ہوتے ہیں وہی جماعت نجات پاتی ہے۔

مقام دوم میں براہین شیعہ کو چار مقدمات میں شیعی دلائل سے واضح کر کے ان کا مدلل ابطال نص قطعی سے ثابت کیا ہے۔ اور سیر حاصل تفصیل کے ساتھ وضاحت

toobaafoundation.com

کی ہے یہاں تک کہ جزئیات کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے۔ حضور، صلی اللہ علیہ وسلم، اور حضرت علی، کرم اللہ وجہہ، کے تقیہ کے متعلق روافض کے عقیدے کے بطلان کا نمونہ درج ذیل ہے:

''جماعت روافض میگویند کہ پیغمبر علیہ السلام وعلی مرتضیٰ با آنجماعۃ سلوک ہائے پسندیدہ بنا بر تقیہ می کردند۔ یعنی مغلوب بودند، قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۔ پیغمبر علیہ السلام وقت بعثت تنہا بود واز کسے نترسید و بہ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ مأمور شد واز کفار ہمیشہ در جہاد ماند۔ کدام جہۃ مغلوبے بود کہ تمام عمر با اصحاب بمکر گزرانید۔ حق تعالیٰ می فرماید: اَلَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسَالَاتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ یعنی پیغمبران می ترسند از خدا ونمی ترسند از دیگرے ۔ ودر حق مومنان می فرماند لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ یعنی نمی ترسند از ملامتِ ملامت کنندہ۔ ایں کور بختا می گویند کہ محمدؐ وعلیؓ می ترسیدند وتقیہ می کردند'' (ص:۱۴)

مقام سوم خلافت کے بارے میں ہے جس میں دو آیات اور چھ احادیث سے مع حوالہ کتب یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حضور، صلی اللہ علیہ وسلم، نے اپنی حیات طیبہ ہی میں خلیفہ بننے کا مجاز قرار دے دیا تھا۔

مقام چہارم در مشاجرات صحابہ کرام میں ثابت کیا ہے کہ صحابہ کرام کا اختلاف ذاتی نہیں، اجتہادی تھا۔ صحابہ کرام میں اگر کچھ لغزشیں نظر آتی ہیں تو ان کو انبیاء کی لغزشوں کی طرح خیال کر کے ان کی اچھی تاویل کی جائے اور اگر اچھی تاویل کرنے پر قادر نہ ہو تو اپنی سمجھ کا قصور سمجھنا چاہیے۔ نمونے کے طور پر حدیث وراثت کی تاویل پیش کی جاتی ہے:

''چوں فاطمہ رضی اللہ عنہا طلبِ میراث پدر کرد، ابوبکرؓ حدیث پیغمبر روایت کرد، لَانُوْرِثُ وَلَانَرِثُ یعنی پیغمبران وارث کسے نمی

toobaafoundation.com

شوند و نہ کسے وارث آنہا می شود۔ چوں فاطمہؓ این سخن بشنید غمگین شد و باز سخن نہ کرد۔ حمقاء می گویند از راہ غصہ باابوبکرؓ سخن نہ گفت۔ حاشانہ ایں چنیں است بلکہ غم خورد بر طلب کردن میراث کہ خلاف شرع واقع شد و باز در ایں بابت سخن نگفت ۔ این تاویل مناسب شان فاطمہؓ است''۔(ص:۲۰)

مقام پنجم میں بائیس احادیث کی سند کے ساتھ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی فضیلت ثابت کر کے لکھتے ہیں:

''درشان حضرت امیر المؤمنین علی ،رضی اللہ عنہ، و وجوب محبت وے از احادیث آنقدر وارد شدہ کہ درحق دیگر از اصحاب وارد نشدہ باشد لیکن از ہیچ حدیثے افضلیت علی ،رضی اللہ عنہ، بر شیخین بفضل کلی ثابت نمی شود''۔(ص:۲۵)

اس کے بعد لزوم حب علی کے ثبوت میں سات احادیث درج کی ہیں جو مراتب قرب حضرت علی بآنحضرت ،صلی اللہ علیہ وسلم، کی واضح دلیلیں ہیں نیز حضرت علیؓ کی درج ذیل گفتگو نقل کی ہے جس سے فضیلت شیخین ثابت ہوتی ہے۔

''امیر المومنین حضرت علی ،رضی اللہ عنہ' خود با فضیلت شیخین تکلم فرمود چوں محمد بن حنفیہ از وے پرسید کہ بہترین امۃ کیست؟ گفت ابوبکر۔ پرسید پس کیست؟ گفت عمر۔ گفت پس تو ی، علی گفت کہ من یک مردے مسلمانم''۔(ص:۲۶)

کتاب کے آخر میں تین سوال و جواب کے ذریعہ وجہ فضیلت کو نص قطعی سے ثابت کرتے ہوئے نہایت دلچسپ بحث کی ہے اور درج ذیل الفاظ کے ساتھ کتاب کا اختتام کیا ہے۔

''بہر حال ایں ہمہ گفتگو بنا بر تسکین قلوب است و تتمیم مقال وگرنہ بعد از آنکہ باجماع افضلیت شیخین ثابت شدہ جائے مقال نیست

toobaafoundation.com

ودریافتن سرافضیلت ضرورنیست"۔(ص:۲۸)

الشہاب الثاقب بطرد الشیطان المارد: فارسی، قلمی، ۶×۸، صفحات ۵۵

کتاب کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے:

"اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِی یَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَی الْبَاطِلِ فَیَدْمَغُہٗ فَاِذَا ھُوَ زَاحِقٌ، وَاَظْھَرُ کَلِمَتِہٖ بِالْقَوْلِ الصَّادِقِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہِ الَّذِیْ جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ وَبَلَّغَ رِسَالَاتِ رَبِّہٖ بِالْکَلَامِ الْفَصِیْحِ النَّاطِقِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ بَذَلُوْ جُھْدَھُمْ وَبَاعُوا اَنْفُسَھُمْ بِالدِّیْنِ الْفَائِقِ"۔

چوں کہ قاضی صاحب کا خطبۃ الکتاب آنے والے مضامین کی مناسبت سے ہوتا ہے اس لیے کتاب کے نفس مضمون کا کسی قدر اندازہ تو ہو ہی جاتا ہے لیکن یہاں قاضی صاحب نے اس بات کو اور زیادہ واضح کر دیا ہے اور لکھا ہے کہ:

"بعد از حمد وصلوٰۃ می گوید فقیر حقیر محمد ثناء اللہ پانی پتی کہ دریں ایام دیدم رسالہ تصنیف عبدالرحیم ملتانی لعین شیطانی مشتمل بر کمال غیظ وعداوت بر اصحاب رسول کریم، راویان قرآن وحامیان دین متین خصوصاً خلفاء الراشدین وزراء رسول رب العالمین حمیت اسلام برآں آورد کہ چند کلمہ در تفضیح او بنویسم"۔(ص:۱)

چنانچہ عبدالرحیم ملتانی کا رسالہ پڑھنے کے بعد قاضی صاحب پر وفور جذبات کی جو کیفیت طاری ہوئی اور غیرت اسلامی نے جو جوش مارا اس کو نصوص قطعیہ کے ساتھ ایسا سپرد قلم کیا ہے کہ اس کا صحیح لطف "الشہاب الثاقب" پڑھ کر ہی ملتا ہے۔ یہ کتاب دراصل قاضی صاحب کی دیگر تصانیف "ردروافض" اور "السیف المسلول" کی طرح ردشیعیت ہی کے موضوع پر ہے اور "السیف المسلول" کے بعد کی تصنیف ہے۔ عبدالرحیم ملتانی نے مذہب اہل سنت پر جو بے شمار رکیک حملے کیے تھے، قاضی صاحب

toobaafoundation.com

نے ان سب کا مدلل جواب لکھا ہے۔ ان بد گوئیوں کی فہرست لکھنے سے ہم احتراماً گریز کررہے ہیں۔ البتہ ایک آدھ اقتباس پیش کرتے ہیں۔ ایک چیز جب تواتر سے ثابت ہونے کے بعد قابل رد ہے تو دوسری چیز تواتر سے کس طرح ثابت کی جاسکتی ہے۔ اس موضوع پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے قاضی صاحب دریافت فرماتے ہیں:

''اگر فضائل شیخین کہ از اخبار متواترہ ثابت شدہ، بعدہ تہمت نفاق یا ارتداد ممکن باشد، فضایل علی بایں اخبار چگونہ ثابت شود''؟۔ (ص:۳۶)

شیعیت کے ابتدائی محرکات پر روشنی ڈالتے ہوئے قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''عبداللہ بن سبا وغیرہ منافقان کہ بناء رفض نہادند، غرض شاں ہمیں بود کہ شک در ایمانیات مسلمانان افتد، یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْکَرِہَ الْکَافِرُوْنَ''۔ (ص:۳۶)

بہر حال وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے۔ قاضی صاحب نے اس کتاب میں ثابت کردیا ہے کہ مذہب روافض کے بطلان کے لیے قرآن کافی ہے۔

حرمتِ متعہ: فارسی، قلمی، ۶×۸، صفحات ۳

اس رسالہ میں قاضی صاحب نے حلت متعہ کے متعلق روافض کے قول کا رد کیا ہے۔ متعہ کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کی حلت وحرمت کے اختلاف کے اسباب بیان کیے ہیں۔ احادیث نبوی، صلی اللہ علیہ وسلم، اور اقوال حضرت علی، کرم اللہ وجہہ، سے متعہ کی حرمت کا صریحی حکم ثابت کرکے آیات قرآنی سے روافض کے استدلال کا رد پیش کیا ہے اور آخر میں علمائے روافض کے اقوال ہی سے متعہ کی حرمت ثابت کی ہے۔

موطا امام مالک کے حوالے سے قاضی صاحب نے حضرت علی کا قول مع حدیث، روایوں کا سلسلہ بیان کرنے کے بعد، اس طرح لکھا ہے:

toobaafoundation.com

''علی رضی اللہ عنہ رویت کردہ کہ مرا رسول، صلی اللہ علیہ وسلم، فرمود کہ ''خبر رسان مردم را بحرمتِ متعہ'' واول امر باباحت فرمودہ بود پس ہر کس را کہ خبر نہی از متعہ وحرمت آں رسید او باز ماند وہر کس را کہ از حرمت خبر نہ رسید، آں را مباح می گفت، چوں عمر رضی اللہ عنہ اختلاف مردم دریافت از متعہ منع کرد ودر نہی آں مبالغہ نمود۔ ایں ہمہ قولِ علی رضی اللہ عنہ'' (ص:۲)

متعہ کی اباحت پر آیت کریمہ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ (سورہ نساء:۲۴) سے روافض جو دلیل لیتے ہیں۔ قاضی صاحب لکھتے ہیں، وہ باطل ہے کیوں کہ اس آیت سے مراد نکاح صحیحہ کے ذریعہ استفادہ کرنا ہے۔ اگر بالفرض اس سے متعہ ثابت ہو جائے تب بھی اللہ تعالیٰ کے قول: اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ (سورہ معارج:۳۰) سے منسوخ ہو گیا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ (سورہ معارج:۳۱) یعنی جو لوگ زوجہ اور مملوکہ کے علاوہ کسی عورت کو طلب کرتے ہیں وہ ظالم ہیں اور حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرتے ہیں۔

آخر میں قاضی صاحب حرمت متعہ کا نہ صرف معقولی ثبوت بلکہ علماء روافض کے اقوال سے حرمتِ متعہ ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ زنِ متعہ کا شمار بیویوں میں نہیں ہوتا۔ خود روافض کے نزدیک عدت، ایلاء، ظہار، لعان اور احصان متعہ میں نہیں ہوتا ہے۔ زن متعہ، مرد کے مرنے کے بعد، اس کے ورثاء میں شمار نہیں ہوتی اور نہ مرد کو وراثت میں حصہ ملتا ہے۔ خود ابونصر، جو روافض کا سردار ہے، اپنی صحیح میں امام جعفر صادق سے روایت کرتا ہے کہ کسی نے ان سے دریافت کیا کہ چاروں بیویوں میں زن متعہ کا شمار ہوتا ہے یا نہیں؟ انھوں نے کہا: نہیں، نہ چار میں سے نہ ستر میں سے۔ یعنی وہ ازواج میں داخل نہیں ہے۔ جب وہ ازواج میں داخل نہیں ہے تو مذکورہ بالا آیت سے اس کی حرمت ثابت ہوگی۔

toobaafoundation.com

تقدیس آباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم: عربی، قلمی، ۶×۸، صفحات ۱۸، ۱۱۹۱ھ

کتاب کے مضامین کی پوری رعایت کے ساتھ قاضی صاحب نے خطبہ حمد وصلوٰۃ اس طرح لکھا ہے:

"اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ فَضَّل مُحَمَّداً عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَجَعَلَہ خَاتَمَ النَّبِیّیْنَ ورَحْمَۃً لِلْعَالَمِیْنَ وَطَھَّرَ بِبَرْکَتِہٖ آبَائِہٖ الاقدَمِیْن، وَاَلْحَقَّ بِہٖ بِفَضْلِہٖ اَخْلَافَہُ الآخِرِیْنَ وَاَتَمَّ عَلَیْہِ نِعْمَتَہُ فِی الْأَوَّلِیْنَ وَالآخِرِیْنَ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وَاَصْحابِہ وَمَنْ اَحَبَّہُ اَجْمَعِیْنَ"۔

اس کتاب میں قاضی صاحب نے یہ ثابت کیا ہے کہ نبی کریم، صلی اللہ علیہ وسلم، کے آبا واجداد، آدم علیہ السلام تک تمام کے تمام باایمان تھے۔ ثبوت کے لیے صحاح کی چھ احادیث مع جرح وقدح وحوالہ جات پیش کر کے قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"وَلاشَکَّ اَنَّ اِطْلَاق الاَفْضَلِ وَالْخَیْرِ وَالِاصْطِفَآءِ وَالطَّاھِرِ لَایَجُوْزُ عَلَی الْکُفَّار"۔ (ص:۲)

اور اس عدم جواز کے ثبوت میں قرآن پاک کی دو آیات پیش کر کے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ:

"أن آبَاء النَّبِیّ صلی اللّٰہُ عَلَیہ وَسَلَّم مِن لَّدُنِّ آدَمَ اِلیٰ عَبْدِالمُطلِبِ کُلُّھُمْ کَانُوا مُؤمِنِیْن"۔ (ص:۲)

اور یہ مشورہ دیتے ہیں کہ اگر کوئی بات اس نتیجہ کے خلاف ملتی ہے تو اس کا رد کرنا واجب ہے۔ اور اس کی تائید میں تاویل پیش کرنا ضروری ہے اور اگر اس کی صحت میں کوئی بات ملتی ہے تو صحاح کی ان احادیث پر اعتقاد کامل رکھنا چاہیے۔ یہی طریقہ مسلمان کو درجہ حسنہ کی طرف لے جانے والا ہے۔

اس کے بعد اجداد مطہرہ کو طبقات میں تقسیم کر کے بڑی تفصیل کے ساتھ ان کا باایمان ہونا ثابت کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر نوح

toobaafoundation.com

علیہ السلام تک دس سو سال کے عرصہ میں اجداد النبی صلی اللہ علیہ وسلم سب کے سب شریعت حق پر تھے اور حق کی دعوت دیا کرتے تھے پھر قرآن وحدیث اور اجماع کی رو سے یہ ثابت کیا ہے کہ نوح علیہ السلام کی اولاد میں تارخ تک نبوت وملوکیت باقی رہی ہے اس کے بعد یہ بحث کی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا نہ کہ آذر۔

وَتَـارِخُ كَـانَ أَبَـاً لِإبرَاهِيمَ فَأما آذر فالأرجحُ كَمَاقال الـرازی أنّـه عُـمُّ إبـراهيـم لاأبُوهُ وقد سَبَقَهُ إلى ذلك جَمَـاعَةٌ مِنَ السّلَفِ قَال السيوطي رُوِينَا بِالأسَانِيدِ عَـنْ إبْـنِ عبّـاس ومُجَاهِد وابن جَرِير وَالسّرِي قالَ لَيسَ آذرُ أبَـاً لابرَاهِيـم إنّـمَـا هُوَ إبرَاهِيمُ بِن تارخ۔ وَقَـال السيـوطـی وَقَـفْـتُ عَـلـى أثَـرٍ من تَفْسِيرِ ابْنُ المُنْذِرِ صَرّحَ فِيه بِأنّه عَمُّهُ (ص:۳۔۴)

اس کے بعد اہل عرب کا دین ابراہیمی پر ہونا نصوص سے ثابت کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ عَمرو بن عامر الخزاعی کے زمانے تک اہل عرب شرک میں مبتلا نہیں ہوئے تھے۔ عَمرو پہلا شخص ہے جس نے دین ابراہیمی میں تغیر پیدا کیا اور بتوں کی پوجا کی ابتدا کی۔ لیکن اجداد النبی، صلی اللہ علیہ وسلم، نے شرک سے اجتناب کیا اور خالص ملت ابراہیمی پر قائم رہے۔ قاضی صاحب نے متعدد احادیث پیش کر کے اجداد النبی، صلی اللہ علیہ وسلم، کے نام گنائے اور یہ تحقیق پیش کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ اسلام سے لے کر مُرَّہ بن کعب تک سب مسلمان اور حق پرست تھے مرہ اور عبدالمطلب کے درمیان چار آباء تھے۔ کلاب، قصی، عبدمناف اور ہاشم۔ ان کا باایمان ہونا ثابت کر کے قاضی صاحب نے عبدالمطلب کے باایمان ہونے پر خاصی بحث کی ہے اور ان کے ملت ابراہیمی پر ہونے کا تحقیقی جائزہ لے کر یہ ثابت کیا ہے کہ وہ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، پر ایمان لے آئے تھے۔

حضور اکرم، صلی اللہ علیہ وسلم، کے والدین، حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب

toobaafoundation.com

اور حضرت آمنہ بنت وہب، کے ایمان کے متعلق قاضی صاحب نے بڑی طویل بحث کی ہے پہلے ان احادیث کا جائزہ لیا ہے جو وہ گروہ پیش کرتا ہے جو (اعوذ باللہ) حضور کے والدین کے خارج از ایمان ہونے کا قائل ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کے ثبوت پیش کیے ہیں جو آپ کے والدین کی نجات کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ توحید پرست تھے اور ملت ابراہیمی پر تھے۔ اس کے بعد ان احادیث کا تجزیہ کیا ہے جو وہ لوگ پیش کرتے ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ حضور، صلی اللہ علیہ وسلم، اپنے والدین کی قبروں پر گئے۔ اللہ سے دعا کی وہ زندہ ہوئے آپ پر ایمان لائے اور پھر مر گئے۔ ان تینوں گروہوں کے راویان احادیث پر قاضی صاحب نے خوب خوب اور دل کھول کر جرح قدح کی ہے۔ آخر میں قاضی صاحب نے تین صفحات پر مشتمل طویل تفصیل کے ساتھ آباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقدیس ثابت کر دی اور خبردار کر دیا کہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالآخِرَۃِ۔

مختصر یہ کہ یہ کتاب اپنی جامعیت اور نفس مضمون کی تحقیق کے نقطہ نظر سے قاضی صاحب کی اہم تصانیف میں سے ایک ہے۔ قاضی صاحب نے نہایت تحقیق و تفتیش اور حوالوں کے ساتھ اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ رسول مقبول، صلی اللہ علیہ وسلم، کے آبا مومن تھے۔ قاضی صاحب کا وسعت مطالعہ اور انسابِ عرب اور تاریخ دور جاہلیت پر ان کی دقتِ نظر کا یہ بہترین نمونہ ہے۔

اللباب ہدیۃ للاصحاب: عربی، قلمی، ۶×۹، صفحات ۲۴۰، بخط مصنف

سیرت نبوی، صلی اللہ علیہ وسلم، پر یہ ایک بے نظیر کتاب ہے اور ان عاشقانِ رسول کے لیے ایک عظیم تحفہ ہے جو اپنے ہر ہر عمل کو سیرت نبوی، صلی اللہ علیہ وسلم، کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں۔ اس کتاب کی تالیف کا محرک بھی دراصل یہی جذبہ تھا۔ مؤلف کتاب قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے پیر و مرشد مرزا مظہر جانجاناں اپنے اعمال کو سنت کی میزان پر پرکھنا چاہتے تھے ان کے دل و دماغ پر اتباع سنت کا خیال چھایا ہوا تھا۔ چنانچہ انھوں نے شاہ ولی اللہ سے حضور پُرنور، صلی اللہ علیہ وسلم، کی سیرت طیبہ

toobaafoundation.com

پر ایک رسالہ لکھنے کی فرمائش کی۔ شاہ صاحب نے رسالہ خلاصۃ السیر کا ترجمہ کر کے مرزا صاحب کی خدمت میں بھیج دیا۔ مگر وہ مرزا صاحب کے خاطر خواہ نہ تھا۔ غالباً مرزا صاحب ایسی کتاب چاہتے تھے جو صرف احادیث نبویہ پر ہی مشتمل ہو۔ اس لیے مرزا صاحب نے قاضی صاحب سے سیرت پاک پر ایک کتاب لکھنے کی فرمائش کی۔[۲۶۲] اور قاضی صاحب کو لکھا:

''جلد ثالث ''سبیل الرشاد'' مملوکہ شما اینجا بعاریت است، وقت ملاقات حوالہ نمودہ می شود، بشرط آنکہ انتخاب بعضی ابواب آں بزبان فارسی برداشتہ بمن بدہید کہ اتباع سنت را بہ ازیں وسیلہ نیست''۔[۲۶۳]

سیرت نبوی، صلی اللہ علیہ وسلم، پر محمد بن یوسف الصالحی الشافعی کی کتاب ''سبیل الہدی والرشاد فی سیر خیر العباد'' چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ تیسری جلد میں آنحضرت، صلی اللہ علیہ وسلم، کے اخلاق، عادات شریفہ، عبادات، معاملات، معاشرت ادعیہ و اذکار، فیصلے، فتاوے اور ہدایا وغیرہ ہیں۔ مرزا صاحب کی فرمائش پر قاضی صاحب نے اس تیسری جلد کی اس طرح تلخیص کی کہ اس کے کسی باب کا کوئی مقصد فوت نہ ہو۔ سلسلہ روایت اور زاید اقوال کو بخوف طوالت ترک کر دیا ہے ایک ہی مضمون کی کئی حدیثوں میں سے زیادہ صحیح کو لکھا ہے۔ اختلاف روایات کی تطبیق اور راجح مذہب کی ترجیح کے وجوہ حسب موقع ایسے مجتہدانہ انداز سے درج کیے ہیں کہ ان کی خوبیوں کا صحیح اندازہ ماہرین حدیث ہی کر سکتے ہیں۔ حوالہ جات کو رموز کی شکل میں اس طرح لکھا ہے:

''فی البخاری: خ، مسلم: م، ابی داؤد: د، ترمذی: ت، نسائی: س، ابن ماجہ: جہ، مالك: ك، احمد: ا، شافعی: ش، ابویعلی: یع، بزار، ر، متفق علیہ البخاری ومسلم: ق، ابن مردویہ: مر، البیہقی: قی، ابن ابی شیبہ: شیبہ، حاکم: کم، ابن حبان: حب،

toobaafoundation.com

ابن عدی: عد، ابن عساکر: کر، بخاری فی الادب: مد، ابن منذر: منذ، ابونعیم: نعیم، عبد بن حمید: عبد، ابوالشیخ: شیخ، ابن سعد: سعد، ابن ابی الدنیا: نیا"۔

اس کتاب میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جن ابواب کے تحت مرتب کیا ہے ان کی چند سرخیاں یہ ہیں:

ابواب صفاته المعنویه، باب فی وفور عقله، باب حسن خلقه، باب حلمه وعفوه مع القدرة، باب فی حیائه وعدم مواجهته بشیئ یکرهه، مدارته، صبره علی مایکره، فی بره وشفقته ورحمته وحسن عهده، فی تواضعه، فی کراهة الاطراء وقیام الناس، فی شجاعته، فی کرمه وجوده، فی خوفه وخشیته وتضرعه، فی استغفاره وتوبته، فی بکائه، فی زهده فی الدنیا، فی اقناعه،فی مزاحه وملاعبته، فی ضحکه سیرته فی کلامه، فی الاستبذان والسلام والمصافحة والمعانقة والتقبیل، فی اداب اکله وذکر ماکولاته، فی شربه وذکر مشروباته، فی نومه وانتباهه، باب الرؤیا، باب اللباس، آلات بیته، فی ردائه، الطهارة، اداب الخلاء، فی ازالة النجاسة، فی سواکه، فی الوضوء، مقدار الماء، موجبات الوضوء، فی التیمم فی غسله، فی الصلوٰة، باب الاذان، یوم الجمعة ولیلتها فی ادابه، باب قیام رمضان، فی عیادت المریض، فی الجنازة، فی

toobaafoundation.com

زیـــارة القبور، فی الصدقات، فی الصـوم، فی الاعتكـاف، فـی آداب تـلاوت الـقـرآن، فی اذكاره ودعـواتـه، فـی الـمعاملات، فی الهدايا والعطايا، فی الـنـكـاح، فی الصید والذبائح، فی العقيقة، اَلاَيمَان، الـنـذر، الـجهاد، الـمصالحة، الجزية، فی العلم، فی تـفسيرهٗ الـقـران، فـاتـحـه، بقر، آل عمران، مائده، انـعـام، اعراف، انفال، اس کے بعد کے اوراق ایسے چپکے ہوئے ہیں کہ ان سے استفادہ مشکل ہے۔

نمونہ کے طور پر ایک اقتباس پیش ہے۔

"باب فی وفور عقله صلی الله عليه وسلم"۔

روی داؤد بـن سيـريـن اَفُضَلُ النَّاسِ اَعُقَلُ النَّاسِ قَالَ وذٰلِكَ نَبِيُّكُمُ، صَلی اللّٰه عَلَيُه وَسَلم، (ص:۳)

یوں تو یہ کتاب مکمل ہے لیکن اچھی حالت میں نہیں ہے۔ کرم خوردہ ہے۔ ابتدائی حصہ ختہ ہے۔ کتاب کے آخر میں کئی جزو کے اوراق ایک دوسرے سے چپاں ہیں۔ یہ نسخہ مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور شاہ نعیم اللہ بہرائچی کے خاندان میں بہرائچ میں موجود ہے۔ کتاب کے سرورق پر کسی نے کتاب کا نام ''حدیث مظہری'' لکھ دیا ہے جب کہ خود قاضی صاحب نے پیش لفظ کے اختتام پر کتاب کا نام اس طرح لکھا ہے: "هذا المختصر المسمی باللباب هدية للاصحاب"۔

اس کتاب کی ایک نقل خدابخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔ جس کو قاضی صاحب کی حیات ہی میں عبدالباقی نے ۱۱۹۸ھ میں اصل مسودے سے نقل کیا ہے۔ یہ مکمل اور صحیح حالت میں ہے۔

خُجَسْتَہ گفتار فی مناقب انصار: فارسی، قلمی، ۶×۸، صفحات ۱۸

حمد و صلوٰۃ کے بعد سب سے پہلے قاضی صاحب نے بتایا کہ اسلام میں جماعت

toobaafoundation.com

انصار کا مرتبہ بہت بڑا ہے اور تمام مسلمانوں پر ان کا زبردست حق ہے۔ قریش میں سے وہ لوگ جو ہجرت سے پہلے اسلام لے آئے اور آنحضرت، صلی اللہ علیہ وسلم، کے ساتھ ہجرت کی وہ تو ضرور انصار سے اشرف وافضل ہیں۔ ان کے علاوہ خواہ قریش ہوں یا کسی بھی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہوں، کوئی بھی انصار کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ اس کے بعد قاضی صاحب نے اسلام کے ابتدائی حالات، بعثت سے ہجرت تک کا تاریخی پس منظر پیش کیا ہے۔ پھر آنحضرت، صلی اللہ علیہ وسلم، اور مہاجرین کے ساتھ انصار کے عدیم المثال تعاون اور قربانی کا ذکر کیا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اقوام عالم کی تاریخ میں ایسی مثالیں نہیں ملتیں۔ قاضی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ آنحضرت، صلی اللہ علیہ وسلم، نے جب مدینہ میں نزولِ اجلال فرمایا تو تمام مہاجرین آپ کے پاس جمع ہوگئے۔ کسی مہاجر کے پاس نہ تو رہنے کا کوئی ٹھکانہ تھا نہ کچھ سروسامان۔ انصار میں سے ہر شخص مہاجرین کو اپنی کفالت میں لینا چاہتا تھا یہاں تک کہ جھگڑا شروع ہوگیا۔ چنانچہ قرعہ اندازی ہوئی۔ ایک روایت میں ہے آنحضرت، صلی اللہ علیہ وسلم، نے ایک ایک انصاری کو ایک ایک مہاجر کا بھائی بنادیا تھا۔ قاضی صاحب نے ایسی متعدد روایات پیش کی ہیں جن سے انصار کی جان نثاری اور ان کی اولوالعزمی کا ثبوت ملتا ہے۔ انصار کے اسی تعاون کا نتیجہ تھا کہ تمام مسلمان، انصار سے بے انتہا محبت کرتے تھے اور کفار کو انصار سے بے انتہا بغض وعداوت تھی۔ قاضی صاحب نے قرآنی آیات اور متعدد احادیث سے انصار کی فضیلت ثابت کر کے لکھا ہے کہ:

''غرض فضائل ومناقب انصار از قرآن واحادیث صحیحہ کہ قدر مشترک آں بتواتر رسیدہ ثابت است واجماع جمیع امت محمدی بر فضیلت شاں منعقد است'' (ص:۱۵)

قاضی صاحب نے آنحضرت، صلی اللہ علیہ وسلم، کے وصال کے بعد پیدا شدہ حالات کا تاریخی جائزہ بھی لیا ہے جس میں خلفائے راشدین کے ساتھ انصار کے تعاون کا ذکر کیا ہے۔ غرض یہ کتاب انتہائی پراز معلومات ہے۔

toobaafoundation.com

قصہ امام احمد بن حنبل وغیرہ: فارسی، قلمی، ۶×۸، صفحات ۴

اس رسالہ میں نو روایات ذکر کی گئی ہیں جن میں ان لوگوں کے احوالِ برزخ درج کیے گئے ہیں۔ امام احمد بن حنبل، سفیان ثوری، عبدالوہاب وراق، بشرؒ حافی، معروف کرخی، زید بن اسلم، امام مالک بن انس اور حضرت خضر علیہ السلام۔ سات روایات میں خواب کے واقعات ہیں۔ اٹھویں اور نویں روایات میں چشم دید واقعے ہیں۔

پہلی روایت میں محمد بن خزیمہ نے اپنے خواب میں امام احمد بن حنبل کو دیکھا، ان سے حال پوچھا۔ انھوں نے اپنی بخشش اور انعامات کا ذکر کیا اور اللہ تعالیٰ سے اپنا مکالمہ بیان کیا۔ پھر امام صاحب نے سفیان ثوری کا حال بتایا کہ ان کو دو سبز باز وعطا ہوئے ہیں جن سے وہ میوے کے باغات میں پرواز کرتے اور حمد وثنا کرتے رہتے ہیں۔ پھر عبدالوہاب وراق کا حال بتایا کہ وہ نور کے دریا پر، نور کے سایہ میں دیدارِ الٰہی کر رہے ہیں۔ پھر بشرؒ حافی کے بارے میں بتایا کہ ان کے تو مزے ہیں۔ خوب خوان نعمت تناول کر رہے ہیں۔

اس طرح مزید اور چھ روایات میں مختلف اولیاء کرام کے برزخی حالات بیان کیے گئے ہیں۔

آٹھویں روایت میں عمرو بن فارض کا بیان ہے جو ایک نمازِ جنازہ میں شریک تھے۔ انھیں یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ پورا خلا سبز پرندوں سے پُر ہے اور ایک بڑا پرندہ میت کو نگل کر اڑ گیا۔ فضا میں سے ایک شخص نمودار ہو کر بولا: تعجب نہ کر! شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں رہتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں خواہ شہدائے سیف ہوں یا شہدائے محبت۔

نویں روایت میں ہے کہ حسن بصری کے پاس ایک شخص آتا ہے اور اپنے دریائی سفر کا حال، ایک اجنبی قلعہ میں پہنچنا، دو سواروں سے ملاقات اور حضرت خضر علیہ السلام کا بیان بتلاتا ہے کہ انھوں نے بتایا کہ وہ قلعہ شہدائے بحر کا ہے وہ دو سوار فرشتے، صبح شام شہدا کو سلام پہنچانے کے لیے مقرر ہیں۔ اور میں خضر ہوں اپنے

toobaafoundation.com

پروردگار سے دعا کرتا ہوں کہ تمہارے نبی کی امت کے ساتھ میرا حشر فرمالے۔

تذکرۃ الموتیٰ والقبور: فارسی، مطبوعہ، ۶×۹، صفحات ۴۶، مطبع نظامی، کانپور، ۱۲۷۹ھ

بعد حمد وصلوٰۃ فقیر حقیر محمد ثناء اللہ عثمانی پانی پتی مجددی می گوید کہ مردن امریست لابُدّ مِنہ، لامَفرَّ مِنہُ وذکرِ موت واحوالِ آں یاد داشتن باعثِ دفع غفلت، وموجب برکات است۔ لہذا رسالہ بزبان فارسی در احوالِ موت واموات وقبور از کلامِ امام المتاخرین شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ استفادہ نمودہ می نویسد تا فیض عام شود۔

یہ ابتدائیہ کتاب کے تعارف کے لیے کافی ہے۔ اس سے یہ بات پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ یہ کتاب موت اور عالم برزخ کے حالات پر مشتمل ہے اور آنے والے حالات سے دوچار ہونے کی یاد تازہ کر کے خشیت الٰہی کا غلبہ پیدا کرتی ہے، دل ودماغ پر چھائے ہوئے غفلت کے پردہ کو چاک کرتی ہے۔ اس کتاب میں قاضی صاحب نے علامہ سیوطی کی کتب سے استفادہ کیا ہے۔ اس کتاب میں درج ذیل عنوانات قائم کیے گئے ہیں۔

بدأ الموت، موت تحفہ مومن است، اطلاع برآمدن موت، علامات خیر وبد واسباب آں، آنچہ انسان در مرضِ موت بگوید، آنچہ مردماں نزد مریض موت خواندہ شود، تلقین میت، احوال ملک الموت، کیفیت مومن وکافر، ملائکہ کہ میت می بینند، شہید، روح میت مومن، دفن، ایصال، ضغط قبر، اعمال، کلام قبر وعذاب قبر، سوال در قبر، کسی کہ اورا سوال نشود وعذاب قبر نشود، فظاعۃ قبر وسہولت آں، مشایعت جنازہ، اسباب نورانیۃ قبر وتاریکی قبر، حساب قبر، عذاب قبر، انقطاع عذاب قبر، کسیکہ در قبر معذوب نشود، انبیاء واولیاء در قبر خود بنماز وذکر خدا مشغول ومتلذذ باشند، زیارتِ قبور، مقرارواح، اعمال زندگانی براقربائے مردہ عرض کردہ می شود، ارواحِ مؤمناں در خواب عروج می کنند تا عرش، آنچہ مردہ را از زندگاں ایذا می رسد، چیزیکہ میت را در قبرِ

toobaafoundation.com

او نفع کند، احسن اوقات برائے موت، جسد انبیاء وشہداء در قبر خاک نشود، ان عنوانات سے کتاب کی اہمیت بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ ہر موضوع پر صرف حدیث کی زبان میں بات کی گئی ہے۔ مثلاً ''احسن اوقات برائے موت'' کا باب اس طرح لکھا ہے:

''ابونعیم از ابن مسعود روایت کردہ کہ فرمود رسول، صلی اللہ علیہ وسلم، ہر کرا اتفاق مردن شد نز تمامی رمضان یا تمامی عرفہ یا دادن صدقہ داخل بہشت شود۔ وابونعیم از خیثمہ روایت کردہ بودند کہ سلف خوش می کرد آنہا را مردن کسی نز عمل صالح، حج یا عمرہ یا روزۂ رمضان یا جہاد۔ واحد از حذیفہ روایت کردہ کہ رسول، صلی اللہ علیہ وسلم، فرمود ہر کہ لا الٰہ الا اللہ گفتہ یا روزہ داشتہ یا صدقہ دادہ برائے حق تعالیٰ وبر آں ختم شد داخل بہشت شود۔ ودیلمی از عائشہؓ روایت کردہ کہ رسول، صلی اللہ علیہ وسلم، فرمود ہر کہ روز جمعہ یا شب جمعہ مرد از عذاب قبر پناہ یافت وروز قیامت آید وبروے علامت شہدا باشد''۔ (ص:۴۵)

تذکرۃ المعاد: فارسی، مطبوعہ، ۶×۹، مطبع منشی نول کشور، ۱۲۹۹ھ صفحات ۵۸

کتاب کا تعارف کراتے ہوئے قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''بعد از حمد وصلوٰۃ فقیر حقیر محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی می نگارد کہ خوف وطمع از جناب الٰہی جالب جمیع خیرات وحاجز از جمیع مکارہ وسیئات واطلاع بر احوال قیامت مثمر این برکات لہذا این فقیر چند اوراق دریں باب بزبان فارسی، بانتخاب واقتباس از ''بدور السافرۃ'' تصنیف امام ہمام علام شیخ جلال الدین بن شیخ کمال الدین، ابی بکر السیوطی، رحمۃ اللہ علیہ، می نویسد تا عامۃ مؤمنین ازاں متمتع شوند''۔

اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ اس کتاب کی تیاری میں قاضی صاحب نے ''بدور السافرۃ'' سے کافی مدد لی ہے۔ عنوانات کی فہرست اس طرح ترتیب دی جاسکتی ہے۔

toobaafoundation.com

علامات قیامت، آمد امام مہدی، آمد دجال، آمد عیسیٰ علیہ السلام، متفرقات، احوال روز بعث ونشور، ذکر کوثر، دوزخ، دخول بہشت بعضے بغیر حساب، صراط شفاعت، رحمت خداوندی، الایمان بین الخوف والرجا، صفت جہنم، درجات جہنم، موکلان جہنم، حال دوزخیاں، عذاب گناہگاران از مسلمین، برآوردن مومنان از دوزخ، ذبح کردن موت، صفت جنت، دخول بہشت، نعمتہائے بہشت، مقام مومنان۔

عنوانات کی فہرست سے کتاب کے مضامین کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے۔ کتاب کا مطالعہ، خشیت الٰہی پیدا کرنے اور اعمال صالحہ پر عمل پیرا ہونے کا بہترین ذریعہ ہے۔ نمونے کے طور پر صفت جہنم میں سے ایک فصل نقل کی جاتی ہے۔

''جہنم راہفت درست یکے بالاے دیگرے وبراے ہر جماعتے قسمت کردہ شدہ۔ اول شانِ جہنم است دراں عذاب کمترست براے گنہگاران این امت۔ پست ترازاں نطی۔ ازاں پست سعیر۔ ازاں پست حطمہ۔ زیرآں سقر زیرآں جحیم۔ پست تر ہاویہ۔ منافقان دردرک اسفل باشند از دوزخ۔ مسلمانان راباید کہ ہمیشہ از دوزخ بحق سبحانہ پناہ جویند، از مجاہد مرویست کہ بندہ را امر کردہ شود کہ در دوزخ اندازند، دوزخ باہم پیچد گفتہ شود کہ چہ حال است۔ دوزخ گوید کہ این مرد از من بتو پناہ میجست۔ حکم شود کہ این را بگذارند۔ بیہقی روایت کردہ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نمی خفت تا کہ تبارک وحٰمٓ سجدہ نمی خواند وفرمود کہ حٰمٓ ہا ہفت اند ودرہائے جہنم ہم ہفت اند۔ حٰمٓ سجدہ ازاں روز قیامت بردرے از درہائے جہنم بایستد وبگوید کہ الٰہی داخل نشود ازیں در کسیکہ بامن ایمان داشت ومرامی خواند''۔ (ص:۳۱)

التعلیقات المقالۃ الوضیہ فی النصیحۃ والوصیۃ: فارسی، مطبوعہ، ۵×۸، صفحات ۶

شاہ ولی اللہ دہلوی نے فارسی میں ایک وصیت نامہ لکھا ہے۔ جس میں آٹھ

toobaafoundation.com

وصیتیں ہیں۔ قاضی صاحب نے اس وصیت نامے کی تیسری، چوتھی، پانچویں اور ساتویں وصیت پر فارسی میں تعلیقات وتوضیحات لکھی ہیں جو بجائے خود ایک کتاب بن گئی ہیں۔ قاضی صاحب کی یہ تعلیقات ایک بار تو المقالۃ الوضیہ کے اس نسخے کے ساتھ شائع ہوئی تھیں جو ۱۲۸۵ھ میں مطبع محمدی، فیروز پور میں چھپا تھا۔ پھر ۱۹۶۴ء میں شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر، آباد سندھ (پاکستان) سے محمد ایوب قادری کا مرتب کردہ ''مجموعہ وصایا اربعہ'' میں شائع ہوئیں۔

شاہ صاحب نے تیسری وصیت میں لکھا تھا کہ اس زمانہ کے مشائخ سے مرید نہ ہونا چاہیے کیوں کہ وہ بدعات میں مبتلا ہیں۔ اس پر قاضی صاحب نے جو کچھ لکھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شاہ صاحب کی اس سے مراد یہ نہیں کہ سب ہی درویشوں کا منکر ہو جائے اور ان کی کرامات کو بالعموم مکر وفریب تصور کرے۔ ایسا نہیں ہے۔ بعض نیک نیت اور اچھے لوگ بھی موجود ہیں طلب صادق کی ضرورت ہے۔ پیر کامل کی تلاش جاری رکھنی چاہیے۔ جلدی نہ کرے۔ مبادا کسی شیطان کے ہاتھ میں ہاتھ پڑ گیا تو ایمان بھی جاتا رہے گا۔ اس کے علاوہ قاضی صاحب نے اور بھی بہت سی چیزوں کی دلچسپ توضیح وتشریح کی ہے جو خاصی طویل ہے۔

چوتھی وصیت میں شاہ صاحب نے فنا وبقا وغیرہ پر بحث کی ہے۔ قاضی صاحب نے ان کی بڑی لمبی تشریح اور کافی تفصیلی بحث کی ہے۔

پانچویں وصیت میں صحابہ کرام اور اہل بیت کے متعلق کیا عقیدہ رکھنا چاہیے، اس کا ذکر ہے۔ قاضی صاحب نے اس موضوع پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے اور ان کی مودت ومحبت کو قرآن وحدیث سے ثابت کیا ہے۔

ساتویں وصیت میں شاہ صاحب نے اتباع عرب اول، نکاح بیوہ، مراسم شادی، وموت اور دینی علوم کے حصول کی تلقین کی ہے۔ قاضی صاحب نے لکھا ہے کہ اس سے ان کی مراد کامل اتباع سنت، حب رسول اور اجتناب معصیت ہے۔ لیکن جہاں تک لباس کا تعلق ہے اس میں اس زمانہ میں انگشت نمائی ہوتی ہے اور آنحضرت،

toobaafoundation.com

صلی اللہ علیہ وسلم، نے ایسے عمل سے منع فرمایا ہے جو انگشت نمائی کا سبب ہو۔ حسب امرء من الشر ان یشار الیه بالاصابع فی دینه او دنیاه کسی آدمی کے لیے یہ بڑی بُری بات ہے کہ اس کے دینی یا دنیوی معاملہ میں اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جائے۔

وصیت نامہ: فارسی، مطبوعہ

قاضی صاحب نے اپنے انتقال سے سات سال پہلے ۱۲۱۹ھ میں یہ وصیت نامہ لکھا تھا۔ اس وقت ان کی عمر اسی سال کی ہو چکی تھی۔ شروع میں ایک طویل خطبہ ہے جس میں حمد وثنا درود وسلام، شکر الٰہی اور مغفرت ورحمت کی طلب ہے۔ اس کے بعد ایک تمہید ہے جس میں اپنی ضعیف العمری اور زندگی کی بے ثباتی کا تذکرہ کر کے بتایا ہے کہ اپنی اولاد اور احباب کے لیے چند باتیں لکھتا ہوں جن میں سے بعض میرے لیے اور بعض دوستوں اور بیٹوں کے لیے مفید اور ضروری ہیں۔[۲۶۵]

وصیت نامہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلی قسم میں تجہیز وتکفین میں سنت کی رعایت، اپنی نمازِ جنازہ مع سورہ فاتحہ چند مخصوص اماموں کے پیچھے، دسواں، بیسواں، چہلم وغیرہ رسومات کی ممانعت، تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرنے کی ہدایت، گریہ وزاری نہ کرنے کا حکم، ایصال ثواب کی تلقین، قرضوں کی ادائیگی میں سعی بلیغ اور ترکہ کی تقسیم کی بتفصیل وصیت ہے۔ دوسری نوع کسی قدر طویل ہے۔ اس میں قاضی صاحب نے ان امور کی طرف توجہ دلائی ہے کہ یہ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے اس میں دنیا کی فکر نہیں کرنی چاہیے بلکہ اگر آخرت کی فکر میں لگا رہے تو دنیا خود بخود تیرے قدم چومے گی۔ یہ دنیا تو آخرت کی کھیتی ہے۔ اس کے بعد منصب قضاء کی ذمہ داریوں کا ذکر کر کے یہ نصیحت کی ہے کہ:

> ''پس از فرزندانِ من کسے کہ خدمتِ قضاء اختیار کند، طمع وخاطر داریٔ ناحق را دخل ندہد، وبروایت معتبر مفتیٰ بہ عمل نماید''۔[۲۶۶]

شادی بیاہ کے سلسلے میں یہ بتایا کہ اس میں دینداری کا لحاظ رکھے۔ لڑکی کسی

toobaafoundation.com

رافضی کے نکاح میں نہ دے۔ اس کے بعد سنت مقدسہ میں کمال اتباع کی تلقین کی ہے۔ پھر رزائل نفس سے خبردار کر کے حسن معاشرت کی نصیحت کی ہے۔ اعزاء واقرباء اور احباب سے تعلقِ خاطر اور اعداء سے حسن سلوک کی نصیحت کر کے علم حاصل کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔

مکاتیب در تصوف: فارسی، مطبوعہ، ۶×۹، صفحات ۵۷

ابوالخیر محمد بن احمد مراد آبادی نے ''کلمات طیبات'' میں شیخ عبدالقادر جیلانی مرزا مظہر جان جاناں قاضی ثناء اللہ پانی پتی، شاہ ولی اللہ دہلوی اور شاہ غلام علی کے خطوط جمع کیے ہیں۔ اس میں قاضی صاحب کے آٹھ مکاتیب ہیں اور مکاتیب کیا ہیں بجائے خود ایک ایک رسالہ ہیں جن میں علوم ومعارف کے دریا بہہ رہے ہیں۔ ذیل میں ان کی سرخیاں دی جارہی ہیں جن سے ان کے نفس مضمون کا کافی حد تک اندازہ ہوجائے گا:

۱۔ مکتوب اول بمولوی غلام علی در بیان نسبت بین الخالق والخلق وتوحید وجودی وشہودی ومسئلہ جبر وقدر ودیگر مسائل ضروریۂ شریعت وطریقت، صفحات ۹

۲۔ مکتوب دوم بمولوی غلام علی در تحقیق مقامات مجددیہ، صفحات ۹

۳۔ مکتوب سوم نیز بشاہ غلام علی در حل اشکالِ واردہ بر بعض مقام طریق وبیان سلوک وجذبہ، صفحات ۷

۴۔ مکتوب چہارم بہ شیخ محمد، قاضی کرانہ، در بیان علم حضوری وحصولی وفوائد دیگر، صفحات ۹

۵۔ مکتوب پنجم بہ شیخ محمد، قاضی مذکور، در تحقیق کلمات صوفیاء، صفحات ۳

۶۔ مکتوب ششم بہ شیخ محمد، قاضی مذکور، در بیان شریعت وطریقت وحقیقت، صفحات ۸

۷۔ مکتوب ہفتم بمولوی نعیم اللہ بہرائچی در تحقیق معنی قیومیت وشرح معنی عشق ومحبت بافوائد دیگر۔ صفحات ۷

toobaafoundation.com

۸۔ مکتوب ہشتم بعزیزے از سادات در باب تجویز لعن بر یزید، صفحات ۵

''کلمات طیبات'' میں ان مکاتیب کے بعد قاضی صاحب کا وصیت نامہ بھی ہے جو ساڑے چار صفحات پر مشتمل ہے۔

مکاتیب متفرقہ:

خانقاہ اخوند ملانسیم، موسومہ بہ خانقاہ نورمحل، اوچ، دیر، پاکستان، میں مرزا مظہر جانجاناں اور ان کے مریدین کے کچھ خطوط محفوظ ہیں۔ جن میں نو خطوط قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے بھی ہیں۔ ان میں پانچ مکتوبات مرزا صاحب کے نام ہیں اور چار خطوط اخوند ملانسیم کے نام ہیں۔ خانقاہ نورمحل کے یہ خطوط ۱۹۷۲ء میں ''لوائح خانقاہ مظہریہ'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

بہرائچ میں حافظ اعزاز الحسن کے پاس، شاہ نعیم اللہ بہرائچی کے ذخیرہ کتب میں قاضی صاحب کے پندرہ خطوط محفوظ ہیں۔ ان میں دس خطوط شاہ نعیم اللہ بہرائچی کے نام ہیں۔ تین خطوط اہلیہ نعیم اللہ کے نام ہیں۔ ایک خط شاہ غلام علی کے نام اور ایک خط شاہ حسام احمد کے نام ہے۔

خطبات جمعہ:

بہرائچ ہی میں شاہ نعیم اللہ بہرائچی کے ذخیرہ کتب میں قاضی صاحب کے تین خطبات جمعہ بھی محفوظ ہیں۔ یہ خطبے مختصر، فصیح عربی میں اور آیات قرآنی واحادیث نبوی، صلی اللہ علیہ وسلم، پر مشتمل ہیں۔

toobaafoundation.com

تفسیر مظہری کا تعارف

زمانہ تالیف:

قاضی صاحب نے قرآن پاک کی ۱۱۴ سورتوں میں سے ۴۶ بڑی بڑی سورتوں کی تفسیر کی تکمیل پر ترقیمہ کی عبارت میں تاریخ اختتام لکھی ہے۔ ذیل میں ان کی ترتیب وار فہرست دی جارہی ہے۔ نیز تقویم کی مدد سے شمسی تاریخوں کا اضافہ بھی کیا جارہا ہے۔

۱۔۲	سورہ فاتحہ و بقرہ	۲۵ ربیع الثانی ۱۱۹۶ھ	= ۹ اپریل ۱۷۸۲ء
۳۔	آل عمران	۲ ذی قعدہ ۱۱۹۷ھ	= ۲۹ ستمبر ۱۷۸۳ء
۴۔	النساء	۱۱ رجب ۱۱۹۸ھ	= ۳۱ مئی ۱۷۸۴ء
۵۔	المائدہ	۱۶ ذی قعدہ ۱۱۹۸ھ	= یکم اکتوبر ۱۷۸۴ء
۶۔	الانعام	۱۹ ربیع الثانی ۱۱۹۹ھ	= یکم مارچ ۱۷۸۵ء
۷۔	الاعراف	۱۶ محرم ۱۲۰۰ھ	= ۱۹ نومبر ۱۷۸۵ء
۸۔	الانفال	بلا تاریخ	
۹۔	التوبہ	۷ ذی الحجہ ۱۲۰۰ھ	= یکم اکتوبر ۱۷۸۶ء
۱۰۔	یونس	۲۹ رمضان ۱۲۰۱ھ	= ۱۵ جولائی ۱۷۸۷ء
۱۱۔	ہود	۱۶ ذی قعدہ ۱۲۰۱ھ	= ۳۰ اگست ۱۷۸۷ء
۱۲۔	یوسف	یکم صفر ۱۲۰۲ھ	= ۱۲ نومبر ۱۷۸۷ء
۱۳۔	الرعد	۱۰ ربیع الثانی ۱۲۰۲ھ	= ۱۰ جنوری ۱۷۸۸ء
۱۴۔	ابراہیم	۱۹ ربیع الثانی ۱۲۰۲ھ	= ۱۹ جنوری ۱۷۸۸ء
۱۵۔	الحجر	۲۶ ربیع الثانی ۱۲۰۲ھ	= ۲۶ جنوری ۱۷۸۸ء

toobaafoundation.com

۱۶۔ النحل	۲ر رجب ۱۲۰۲ھ	=	۸ر اپریل ۱۷۸۸ء
۱۷۔ بنی اسرائیل	۳ر رمضان ۱۲۰۲ھ	=	۷ر جون ۱۷۸۸ء
۱۸۔ الکہف	۱۵ر ذی الحجہ ۱۲۰۲ھ	=	۱۶ر ستمبر ۱۷۸۸ء
۱۹۔ مریم	۵ر صفر ۱۲۰۳ھ	=	۵ر نومبر ۱۷۸۸ء
۲۰۔ طٰہٰ	۸ر ربیع الثانی ۱۲۰۳ھ	=	۶ر جنوری ۱۷۸۹ء
۲۱۔ الانبیاء	۲۵ر جمادی الثانی ۱۲۰۳ھ	=	۲۳ر مارچ ۱۷۸۹ء
۲۲۔ الحج	۸ر ذی الحجہ ۱۲۰۳ھ	=	۳۰ر اگست ۱۷۸۹ء
۲۳۔ المؤمنون	۱۵ر صفر ۱۲۰۴ھ	=	۴ر نومبر ۱۷۸۹ء
۲۴۔ النور	۲۶ر رمضان ۱۲۰۴ھ	=	۱۰ر جون ۱۷۹۰ء
۲۵۔ الفرقان	۱۶ر صفر ۱۲۰۵ھ	=	۲۵ر اکتوبر ۱۷۹۰ء
۲۶۔ الشعراء	۴ر رجب ۱۲۰۵ھ	=	۹ر مارچ ۱۷۹۱ء
۲۷۔ النمل	۲۲ر شعبان ۱۲۰۵ھ	=	۲۶ر اپریل ۱۷۹۱ء
۲۸۔ القصص	۲۸ر ربیع الاول ۱۲۰۶ھ	=	۲۵ر نومبر ۱۷۹۱ء
۲۹۔ العنکبوت	۹ر رجب ۱۲۰۶ھ	=	۴ر مارچ ۱۷۹۲ء
۳۰۔ الروم	۱۵ر رجب ۱۲۰۶ھ	=	۱۰ر مارچ ۱۷۹۲ء
۳۱۔ لقمان	۲۲ر رجب ۱۲۰۶ھ	=	۱۷ر مارچ ۱۷۹۲ء
۳۲۔ السجدۃ	۲۴ر رجب ۱۲۰۶ھ	=	۱۹ر مارچ ۱۷۹۲ء
۳۳۔ الاحزاب	یکم محرم ۱۲۰۷ھ	=	۱۹ر اگست ۱۷۹۲ء
۳۴۔ سبا	۲۰ر محرم ۱۲۰۷ھ	=	۷ر ستمبر ۱۷۹۲ء
۳۵۔ فاطر	۱۱ر صفر ۱۲۰۷ھ	=	۲۸ر ستمبر ۱۷۹۲ء
۳۶۔ یٰسین	۳۰ر ربیع الاول ۱۲۰۷ھ	=	۱۵ر نومبر ۱۷۹۲ء
۳۷۔ الصّٰفّٰت	۲۸ر جمادی الاول ۱۲۰۷ھ	=	۱۱ر جنوری ۱۷۹۳ء
۳۸۔ صٓ	۶ر رجب ۱۲۰۷ھ	=	۱۷ر فروری ۱۷۹۳ء

toobaafoundation.com

۳۹۔ الزمر	یکم رمضان ۱۲۰۷ھ	=	۱۲/اپریل ۱۷۹۳ء
۴۰۔ المؤمن	۲۸/ذی الحجہ ۱۲۰۷ھ	=	۶/اگست ۱۷۹۳ء
۴۱۔ حم السجدہ	۲۸/صفر ۱۲۰۸ھ	=	۵/اکتوبر ۱۷۹۳ء
۴۲۔ الشوریٰ	۱۳/ربیع الاول ۱۲۰۸ھ	=	۱۹/اکتوبر ۱۷۹۳ء
۴۳۔ الزخرف	۲۴/ربیع الاول ۱۲۰۸ھ	=	۳۰/اکتوبر ۱۷۹۳ء
۴۴۔ الدخان	۲۸/ربیع الاول ۱۲۰۸ھ	=	۳/نومبر ۱۷۹۳ء
۴۵۔ الجاثیہ	۲۲/ربیع الثانی ۱۲۰۸ھ	=	۲۷/نومبر ۱۷۹۳ء
۴۶۔ الاحقاف	۱۳/جمادی الاول ۱۲۰۸ھ	=	۱۷/دسمبر ۱۷۹۳ء
۴۷۔ محمدؐ	۲۷/جمادی الاول ۱۲۰۸ھ	=	۳۱/دسمبر ۱۷۹۳ء

مندرجہ بالا سورتوں کے علاوہ کسی صورت کے آخر میں تاریخ اختتام سورہ نہیں لکھی ہے۔ تفسیر مظہری کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ بلاتاریخ والی سورتیں یعنی از سورہ فتح تا سورہ ناس کی تفسیر قاضی صاحب نے پہلے لکھی ہے اور تاریخ والی سورتوں کی تفسیر بعد میں لکھی ہے۔ ذیل میں چند ایسے شواہد پیش کیے جاتے ہیں جن سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

	جلد	صفحہ	سطر
وقد کرنا الحدیث فی تفسیر سورۃ القدر	یوسف ۵	۱۴۱	۱۷
کما ذکرنا القصۃ فی سورۃ الفتح	الرعد ۵	۲۳۹	۵
وقد ذکرنا فی تفسیر سورۃ الکوثر	الرعد ۵	۲۳۴	۶
وقدذکرنا فی تفسیر سورۃ النجم	الاسراء ۵	۳۹۸	۹
وقد مر الحدیث فی سورۃ بنی اسرائیل وسورۃ النجم	مریم ۶	۱۰۲	۱۹
وقد ذکرنا فی تفسیر سورۃ الفتح	الحج ۶	۳۲۹	۶
وقد ذکرنا مسائل سجود التلاوۃ فی سورۃ الانشقاق	الحج ۶	۳۵۲	۳
وقد ذکرنا ماورد من الاحادیث فی فضائل اللیل فی تفسیر سورۃ المزمل	السجدہ: ۷	۲۹۲	۹

ان شواہد سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ سورہ فتح، سورہ نجم، سورہ مزمل، سورہ

toobaafoundation.com

انشقاق، سورہ قدر اور سورہ کوثر کی تفسیر ان سورتوں سے پہلے لکھی گئی ہے جن پر تاریخ اختتام موجود ہے۔ چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ بلا تاریخ والی سورتوں کی تفسیر قاضی صاحب پہلے لکھ چکے تھے۔ اسوقت تاریخ لکھنے کا خیال ان کے ذہن میں نہ رہا ہوگا۔ بعد میں جب شروع کی سورتوں سے تفسیر کی ابتدا کی تو تاریخ اختتام کا التزام کیا۔ نیز وہ سورتیں جن پر تاریخ دی گئی ہے۔ ان میں بھی ایسے شواہد موجود ہیں جنسے ان کی تفسیر کے تقدم وتاخر کا پتہ لگتا ہے:

وسیجئ مثل هذین الایتین آخر سورة الحاقة وقد سبق منی تفسیرها وذکرت هناك مسائل تسبیحات الرکوع والسجود وماورد فیهما من الاحادیث واختلاف الامة فلانعدها الواقعہ۹ : ۱۸۶ : ۷

وقد بسطنا الکلام فی تفسیر الغیب والشهادة فی سورة الجن الحشر ۹ : ۱۵۶ : ۴

مندرجہ بالا عبارتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سورہ الحاقہ کی تفسیر سورہ واقعہ سے پہلے لکھی گئی ہے اور سورہ جن کی تفسیر سورہ حشر سے پہلے۔ بہر کیف یہ تو بالکل واضح ہے کہ سورہ فتح تا سورہ ناس کی تفسیر پہلے لکھی گئی ہے اور سورہ بقرہ تا سورہ محمد کی تفسیر بعد میں لکھی گئی ہے۔ بایں ہمہ کچھ ایسے شواہد بھی موجود ہیں جن سے معاملہ برعکس ہوجاتا ہے۔ مثال کے طور پر:

قدمر المسئلة فی سورة البقرة الممتحنہ ۹:۲۶۲:۹

قد مر سورة النساء الممتحنہ ۹:۲۶۳:۱۰

مر اختلاف القراء فی سورة المجادلة الطلاق ۹:۳۲۲:۱۵

اسی طرح سورہ مریم، حشر، صف، تغابن، تحریم، ملک، قلم، معارج، مرسلات، نباء، نازعات، عبس، تکویر، انفطار، انشقاق، بروج، اعلیٰ، فجر، الضحیٰ، الانشراح، العلق اور تکاثر میں بھی ایسے اشارے موجود ہیں جن سے ایسا خیال ہوتا ہے کہ سورتوں کی

toobaafoundation.com

قرآنی ترتیب کے لحاظ سے من اولہ الی آخرہ تفسیر لکھی گئی ہے۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ ممکن ہے قاضی صاحب نے نظر ثانی کے وقت اس طرح کے اشاروں کا اضافہ کیا ہو، کیوں کہ تصنیفی کام میں ارتقائی نکھار لازمی ہوتا ہے۔

ذیل میں قاضی صاحب کی ایک تحریری شہادت پیش کی جاتی ہے جس سے بلا تاریخ والی سورتوں کی تفسیر کا پہلے لکھا جانا ہی ثابت ہوتا ہے۔ قاضی صاحب نے شاہ نعیم اللہ بہرائچی کو ربیع الاول ۱۲۰۲ھ میں جو خط لکھا ہے اس میں وہ خود اس طرح رقم طراز ہیں:

> ''فقیر اکثر اوقات درخدمت تفسیر وحدیث می گزارد وبنیاز آنحضرت برنام شریفِ ایشاں تفسیری نویسد وتفسیر مظہری نام آن نہادہ بفضل الٰہی تفسیر مظہری راہفتدہ سیپارہ مرتب شدہ'' ۲۶۷

سورہ فتح تا سورہ ناس (بلا تاریخ والی سورتیں) ساڑھے ۴ پارے

سورہ فاتحہ تا سورہ یوسف (تاریخ اختتام یکم محرم ۱۲۰۲ھ) ساڑھے ۱۲ پارے

کل ۱۷ پارے

ان تفصیلات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ پہلے سورہ فتح تا سورہ ناس کی تفسیر لکھی گئی ہے اس کے بعد قرآن پاک کے شروع سے تفسیر لکھنی شروع کی اور تفسیر کا اختتام سورہ محمد پر کیا۔ سورہ محمد کی تفسیر کا ترقیمہ قاضی صاحب یوں لکھتے ہیں کہ ''سورہ محمد کی تفسیر مظہری بروز سہ شنبہ ۲۷/ جمادی اول ۱۲۰۸ھ کو ختم ہوئی۔ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ میرا خاتمہ اس خیر پر ہو جس پر حضور ختم المرسلین کے برگزیدہ لوگوں کا ہوا۔ اے اللہ تفسیر کے ختم ہونے کا ثواب اپنے حبیب محمد رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، اور آپ کے صحابہ اور اولاد اور ازواج مطہرات کی پاک روحوں کو اور اولیاء امتِ محمدیہ خصوصاً شیخ شمس الدین حبیب اللہ مظہر اور آپ کے تمام مشائخ کو پہنچا دے۔ آمین''

ترقیمہ کی عبارت ہے یہ بات صاف ظاہر ہو گئی کہ تفسیر مظہری کی تالیف کا کام ۱۲۰۸ھ میں مکمل ہو گیا تھا اور عشقِ رسول کے داعیہ کے مطابق ختم المرسلین کے

toobaafoundation.com

نام نامی اسم گرامی سے موسوم سورہ محمد کی تفسیر پر اپنی کتاب تفسیر مظہری کو ختم کر کے دعائے خاتمہ بالخیر کی اور نذرانہ ثواب بارگاہِ رسالت مآب میں پیش کیا۔

اب رہ جاتا ہے سوال تفسیر کے آغاز کا۔ کام کی رفتار سے اندازہ ہوتا ہے کہ بلا تاریخ والی سورتوں اور فاتحہ و بقرہ کی تفسیر میں چار پانچ سال تو لگے ہی ہوں گے۔ ممکن ہے ۱۱۹۱ھ یا ۱۱۹۲ھ میں آغاز ہو گیا ہو۔ بہر حال کچھ اس کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔ واللہ اعلم

تفسیر مظہری کے مآخذ:

کسی تصنیف کی اہمیت کا اندازہ اس کے مصنف کی عظمت کے علاوہ ان مآخذ سے بھی ہوتا ہے جن کی مدد سے وہ تصنیف معرض وجود میں آتی ہے۔ وہ ماخذ جتنے اہم اور قابل اعتماد ہوں گے اُتنی ہی وہ تصنیف بھی اہم اور قابل اعتماد ہوگی۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مختلف ایسے مآخذ کی مدد سے جن پر جمہوری علما نے تکیہ کیا ہے، کسی فن میں کوئی تصنیف کی جائے تو وہ زیادہ مفید، پر از معلومات، قابل بھروسہ اور قابل تقلید ہو جاتی ہے۔ تفسیر مظہری کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ قاضی صاحب نے چن چن کر ان ہی کتابوں سے استفادہ کیا ہے جن کو قبول عام حاصل ہے۔ جن کی صحت علماء کے نزدیک مسلم ہے اور جن کی اہمیت پر کسی کو کلام نہیں ہے۔ مزید برآں قاضی صاحب نے ان ۳۳۴ مآخذ کے بیانات پر جرح و تعدیل کر کے تفسیر مظہری میں اور زیادہ حسن پیدا کر دیا ہے اور شکوک و شبہات کی گنجائش ہی ختم کر دی ہے۔

فن تصنیف و تالیف کے جدید طرز میں مآخذ و حوالہ جات کا جو طریقہ ہے وہ ماضی سے مختلف ہے۔ فی زمانہ تو صفحہ اور سطر تک کی نشان دہی کر دی جاتی ہے اور اس کے جو فوائد ہیں وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ لیکن ماضی کے مصنفین اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے بلکہ صرف کتاب یا مصنف کا نام لکھ دینا کافی سمجھتے تھے اور پڑھنے والوں سے یہ توقع رکھتے تھے کہ انھوں نے مشارٌ الیہ کتاب ضرور پڑھ لی ہوگی۔ چنانچہ قاضی صاحب نے اپنے زمانے کے طریقہ کار کی پیروی کی ہے اور کتابوں کے مختصر نام

toobaafoundation.com

یا مصنفین کے مختصر و معروف نام یا کنیت پر اکتفا کیا ہے۔ نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہو:

"روی سعید بن منصور فی سننه والبزار وابویعلی فی مسندیهما وابن جریر وابن المنذر وابن حاتم وابوالشیخ وابن مردویة فی تفاسیرهم والعقیلی وابن حبان فی الضعفاء و الحاکم فی المستدرک وقال صحیح علی شرط مسلم وابونعیم والبیهقی کلاهما فی دلائل النبوة عن جابر رضی الله عنه۔[۲۶۸]

تفسیر مظہری کی خصوصیات:

یہ تفسیر بکثرت خصوصیات کی حامل ہے اور علم تفسیر کے لیے جتنے معاون علوم کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب تبحرانہ مہارت کے ساتھ اس تفسیر میں موجود ہیں۔ یہ تفسیر اپنی سابقہ اہم تفاسیر کا خلاصہ ہے۔ اس میں تجویدی مباحث نہ صرف ایک مشاق قاری کے بیان کی طرح ہیں بلکہ قرائے کبار کے اختلافات بڑی شرح وبسط کے ساتھ محققانہ طور پر بیان کیے گئے ہیں اور اختلاف قرات سے جو معنوی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں ان کو خوب خوب واضح کیا گیا ہے۔ صرفی ونحوی مباحث میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا گیا ہے۔ لغوی و معنوی مباحث سے تفسیری مطالب بہت اچھی طرح واضح کیے گئے ہیں۔ ناسخ ومنسوخ اور شان نزول کا بیان بھی ہے۔ کسی آیت یا آیت کے کسی حصہ سے متعلق تمام احادیث ایک جگہ مل جاتی ہیں، تفسیر بیان کرتے کرتے اگر بات میں کوئی بات نکل آتی ہے تو اس کو بھی پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ قدمائے مفسرین کے تمام اقوال ایک جگہ جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اقوال یا احادیث میں اگر اختلاف پایا جاتا ہے تو ان میں تطبیق کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ تفسیر کے سلسلہ میں صوفیائے کرام کے اقوال سے بھی مطلب واضح کیا گیا ہے۔ فقہی مسائل کے استنباط بھی کیے گئے ہیں اور فقہا کے اختلافات کی بحث بھی ہے اور سب سے اہم چیز یہ ہے کہ اس میں قاضی صاحب کی اپنی آراء ہیں۔ قاضی صاحب نے جس بات کو حق سمجھا

toobaafoundation.com

ہے اور جو ان کے صفحہ دل پر القاء ہوئی ہے اس کو انھوں نے پورے شرح صدر کے ساتھ بلا کسی رورعایت کے بیان کیا ہے اور فیصلہ کن انداز میں بیان کیا ہے۔ گو کہ قاضی صاحب نے حنفی مسلک کو مقدم رکھا ہے لیکن اگر کہیں ان کا فیصلہ مختلف ہے تو اس کو بڑی مجتہدانہ شان کے ساتھ مع دلائل پیش کیا ہے۔ اس مختصر سے بیان کی وضاحت کے لیے چند ایک چیزوں کو مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

علم تجوید اور اختلاف قرأت:

مسلمانوں کو جہاں قرآن کریم کا پڑھنا، اس کے معنی اور مطالب کو سمجھنا اور اس کی ہدایات پر عمل کرنا ضروری ہے وہاں قرآن پاک کی تلاوت اس خوبی سے کرنا بھی ضروری ہے کہ الفاظ صاف اور صحیح تلفظ سے ادا ہوں۔ قرآن اپنے پڑھنے والوں سے یہی تقاضا بھی کرتا ہے: وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا (مزمل:۴) قرأت قرآن کی اسی خوبی ترتیل کو اصطلاحاً ''فن تجوید'' کہتے ہیں۔ ایک مفسر کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ معنی ومطالب اور دیگر تشریحات کے ساتھ ساتھ الفاظ کے مخارج اور طرز ادا سے بحث کرے۔ بسا اوقات مخارج کی تبدیلی سے معنوی تبدیلی رونما ہو جاتی ہے۔ چنانچہ قاضی صاحب نے قواعدِ قرأت کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اور تفسیر بیان کرنے میں فن تجوید کو فوقیت دی ہے۔ چوں کہ بعض الفاظ کا طریقہ ادا صحابہ کرام کے درمیان مختلف اور جداگانہ رہا ہے اور مختلف قراتیں اُن سے روایت کی گئی ہے۔ اسی لیے قراء کے درمیان کچھ اختلافات پائے جاتے ہیں۔ قاضی صاحب نے ایسے اختلافات کو تفسیر مظہری میں کافی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ نمونہ کے طور پر چند مقامات درج ذیل ہیں:

> سورہ فاتحہ میں مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے تحت لکھتے ہیں کہ عاصم، کسائی اور یعقوب کی قرأت میں مَالِكِ آیا ہے اور دیگر قاریوں نے مَلِكِ پڑھا ہے۔ ابوعمرو اَلرَّحِيْمِ مَّلِكِ يومِ الدِّيْنِ پڑھتے ہیں یعنی میم کو میم میں ادغام کرتے ہیں۔ اسی طرح ان دو متحرک

toobaafoundation.com

حروفوں میں ادغام ہوتا ہے جو ایک جنس یا ایک مخارج کے ہوں یا
قریب المخرج ہوں۔[۲۶۹]

اس کے بعد ادغام کے قواعد کی بحث مع مثالوں کے کافی طویل اور کئی صفحات میں کی گئی ہے اور اس سلسلہ میں قاریوں کے مابین جو اختلافات ہیں ان کا ذکر بھی کیا ہے۔ اِشمام، روم اور اظہار کی تفصیلات بھی موجود ہیں۔

سورہ بقرہ کی آیت ۱۷۰ کے الفاظ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ کی تفسیر میں قاضی صاحب ادغام کی بحث اس طرح کرتے ہیں:

"قرا الکسائی بَل نَتَّبِعُ بادغام اللام فی النون فانه یدغم لام هَلُ وبَلُ فی ثمانیة احرف التاء، الثاء، والزاء، والسین، والطاء، والظاء، والضاد، والنون. نحو هَلُ تَّعْلَمُ، وَهَل ثُّوبَ، وَبَلُ زُّيِّنَ، وَبَلُ سَّوَّلَتُ، بَلُ طَّبَعَ، بَلُ ظَّنَنْتُمُ، بَلُ ضَّلُّوا، هَلُ نَّدُلُّكُمُ، هَلُ نُّنَبِّئُكُمُ، وَهَلُ نَّحُنُ وشبهه وَادُغَمَ حَمُزَةَ فی التاء والثاء والسین فقط واختلف عن خلاد عند الطاء فی قوله تعالی بَلُ طَبَعَ اللّٰهُ . واظهر هشام عند النون والضاد وعند التاء فی الرعد هَلُ تَسُتَوِی لاغیر وادغم ابوعمر وَهَل تَّرَیٰ مِنُ فُطُوُرٍ فی الملك، فَهَلُ تَّرَی لَهُمُ فی الحاقة لاغیر واظهر الباقون اللام فی الثمانیة."[۲۷۰]

یعنی کسائی نے بَلُ نَتَّبِعُ میں بَلُ کے لام کو نون میں ادغام کر کے پڑھا ہے کیوں کہ کسائی هل اور بل کے لام کو ان آٹھ حروف میں ادغام کرتے ہیں۔ تا، ثا، زا، سین، طا، ظا، ضاد اور نون۔ جیسے هَلُ تَّعْلَمُ، هَلُ ثُّوبَ، بَل زُّيِّنَ، بَلُ سَّوَّلَتُ، بَلُ طَّبَعَ، بَلُ ظَّنَنْتُمُ، بَلُ ضَّلُّوا، هَلُ نَّدُلُّكُمُ، هَل نُّنَبِّئُكُمُ اور

toobaafoundation.com

هَلْ نَّحْنُ وغیرہ اور حمزہ صرف تا، ثا اور سین ہی میں ادغام کرتے ہیں اور بَل طَبَعَ اللّٰہ کی طاء سے متعلق خلادؒ سے مختلف روایتیں ہیں۔ ہشام نون اور ضاد میں اظہار کرتے ہیں اور صرف سورہ رعد کی آیت ۱۶ کے الفاظ هَلْ تَسْتَوِیْ کی تا میں اظہار کرتے ہیں، باقی تمام مقامات پر ادغام کرتے ہیں۔ ابوعمرو هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ سورہ ملک:۳، فَهَلْ تَرٰی لَهُمْ سورہ حاقہ:۸ میں ادغام کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ باقی تمام قراء نے آٹھویں حروفوں میں لام کو اظہار کے ساتھ پڑھا ہے۔

سورہ بقرہ کی آیت ۲۶۷ کے الفاظ وَلَا تَیَمَّمُوْا کے تحت وصل وسقوط کی تفصیلات قاضی صاحب اس طرح بیان کرتے ہیں کہ یہ دراصل دوتاء کے ساتھ لَا تَتَیَمَّمُوْا تھا۔ ایک تا کو ساقط کر دیا گیا۔ ابن کثیر نے بروایت بزّی وصل کی حالت میں، قرآن مجید میں ۳۱ مقامات پر، ساقط شدہ تاء کو لوٹا کر تشدید تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ جن میں سے ایک تو یہی لفظ، ۲۔ وَلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران:۱۰۳)، ۳۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ (النساء:۹۷)، ۴۔ وَلَا تَعَاوَنُوْا (المائدہ:۲)، ۵۔ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ (انعام:۱۵۳)، ۶۔ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ (اعراف:۱۱۷)، ۷۔ یہی الفاظ (طٰہٰ:۶۹) میں، ۸۔ یہی الفاظ (شعراء:۴۵) میں، ۹۔ وَلَا تَوَلَّوْا (انفال:۲۰)، ۱۰۔ وَلَا تَنَازَعُوْا (انفال:۴۶)، ۱۱۔ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ (توبہ:۵۲)، ۱۲۔ وَاِنْ تَوَلَّوْا (ہود:۳)، ۱۳۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا (ہود:۵۷)، ۱۴۔ وَلَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ (ہود:۱۰۵)، ۱۵۔ مَا تُنَزِّلُ (حجر:)، ۱۶۔ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ (نور:۱۵)، ۱۷۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا (نور:۵۴)، ۱۸۔ مِنْ تَنَزَّلَ (شعراء:۲۲۱)، ۱۹۔ اَلشَّیٰطِیْنُ. تَنَزَّلُ (شعراء:۲۲۲)، ۲۰۔ وَلَا تَبَرَّجْنَ (احزاب:۳۳)، ۲۱۔ وَلَا اَنْ تَبَدَّلَ (احزاب:۵۲)، ۲۲۔ لَا تَنَاصَرُوْنَ (صٰفّٰت:۲۵)، ۲۳۔ وَلَا تَنَابَزُوْا (حجرات:۱۱)، ۲۴۔ وَلَا تَجَسَّسُوْا (حجرات:۱۲)، ۲۵۔ لِتَعَارَفُوْا (حجرات۱۳)، ۲۶۔ اِنْ تَوَلَّوْهُمْ (ممتحنہ:۹)، ۲۷۔ تَكَادُ تَمَیَّزُ (ملک:۸)، ۲۸۔ لَمَا تَخَیَّرُوْنَ (قلم۲۸)، ۲۹۔ عَنْهُ تَلَهّٰی (عبس:۱۰)، ۳۰۔ نَارًا تَلَظّٰی (واللیل:۱۴)، تَنَزَّلُ (قدر:۴)۔

toobaafoundation.com

بعض لوگوں نے بروایت بزی دو الفاظ کا اور اضافہ کیا ہے۔ ۱۔ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ (آل عمران: ۱۴۳)، ۲۔ فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ (واقعہ: ۶۵)۔ اگر وصل نہ ہو اور ابتداء میں تا واقع ہو تو سوائے تخفیف کے اور کوئی صورت نہیں اور اگر تا سے پہلے حرف مَد ہو، جیسا کہ اس آیت میں ہے، تو تمکین میں زیادتی کی جائے گی۔ ابن کثیر کے علاوہ، باقی سب قاریوں نے ہر جگہ، خواہ وصل ہو یا ابتداء، ایک تا کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔[۲۷۱]

اختلاف قرات کی قاضی صاحب نے جس طرح وضاحت کی ہے اس کی مثالیں درج ذیل ہیں۔ سورہ بقرہ کی آیت ۱۷۲ کے الفاظ "فَمَنِ اضْطُرَّ" کے تحت لکھتے ہیں: عاصم، ابوعمرؒ واور حمزہ نے فَمَنِ اضْطُرَّ اور اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ اور اَنِ احْكُمْ اور وَلٰكِنِ انْظُرْ اور اَنِ اغْدُوْا میں نون کو مکسور پڑھا ہے اور لَقَدِ اسْتُهْزِئَ کی دال کو اور قَالَتِ اخْرُجْ کی تا کو اور فَتِيْلًا نِ انْظُرْ اور مُبِيْنًا نِ اقْتُلُوا کی تنوین کو، جب دوسرے ساکن کے بعد ضمہ لازم ہو اور ہمزہ وصل کی ابتداء ضمہ سے ہو، مکسور پڑھا ہے۔ اور ابن عامر تنوین کی صورت میں اتفاق کرتے ہیں۔ اسی طرح "قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ" کے لام کو اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ کے واو کو عاصم اور حمزہ نے مکسور پڑھا ہے۔ اور لام کی صورت میں یعقوب بھی ان کی اتباع کرتے ہیں۔ باقی قراء نے تمام الفاظ مذکورہ میں فعل اول کو ضمہ سے پڑھا ہے۔ ابوجعفر نے فَمَنِ اضْطُرَّ کی طا کو نون کے کسرہ کی وجہ سے مکسور پڑھا ہے۔[۲۷۲]

سورہ بقرہ ہی کی آیت ۲۷۱ کے لفظ فَنِعِمَّا هِيَ کی تفسیر میں قاضی صاحب نے لکھا ہے ابن کثیر، ورش اور حفص نے اس آیت میں اور سورہ نساء میں نِعِمَّا کو نون اور عین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ قالون، ابوبکر اور ابوعمرو نے نون کا تو کسرہ پڑھا ہے مگر عین کی حرکت کا اخفاء کیا ہے اور سکون عین بھی جائز قرار دیا ہے۔ باقی قاریوں نے نون کا فتحہ اور عین کا کسرہ پڑھا ہے یہ سب لغات صحیح ہیں۔[۲۷۳]

سورہ انفطار کی آیت ۷ کے لفظ فَعَدَلَكَ کی تفسیر میں قرات کے اختلاف

toobaafoundation.com

سے معنوی تبدیلی کو اس طرح واضح کیا ہے:

کوفیوں کی قرات میں عَـدَلَكَ ہے یعنی تجھے موڑا اور جس صورت میں چاہا پھیر دیا۔ یا دوسرے حیوانوں کی خلقی صورت وطبیعت سے پھیر دیا یہاں تک کہ تو سب سے ممتاز ہو گیا یا بعض اجزاء کی طبیعت کو بعض کی طرف موڑ کر اعتدال پیدا کر دیا۔ صفراء کی حرارت اور خشکی کو بلغم کی سردی اور رطوبت سے توڑ دیا اور سوداء کی خشکی اور برودت کو خون کی رطوبت وحرارت سے شکستہ کر دیا اور بلغم کی برودت ورطوبت کو صفراء کی حرارت ویبوست سے اور خون کی حرارت ورطوبت کو سوداء کی خشکی وبرودت سے توڑ دیا۔ اس طرح تمام حیوانات سے زیادہ تیرے مزاج میں اعتدال پیدا ہو گیا۔

باقی قاریوں نے تشدید کے ساتھ فَعَدَّلَكَ پڑھا ہے۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے تیری جسمانی ساخت کو متوازن بنایا اور اعضاء جسم متناسب بنائے جن کے اندر اپنے اپنے فرائض کو ادا کرنے کی قوتوں کی قابلیت پیدا کی۔[۲۷۴]

صرفی ونحوی مباحث:

الفاظ کی ہیئت وحالت اور اعراب کی صحیح کیفیت جب تک پوری طرح معلوم نہ ہو ان کے اصلی معانی ومطالب تک رسائی ممکن نہیں ہوتی۔ اسی حالت وکیفیت کو معلوم کرنے کے علم کو "صرف ونحو" کہتے ہیں۔ عربی زبان میں ایک لفظ اپنی صرفی حالت میں مختلف چولے بدلتا رہتا ہے اور اعرابی تبدیلی سے معانی کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے۔ قرآن نہ صرف عربی زبان میں ہے بلکہ دنیا میں فصاحت وبلاغت کا واحد شاہ کار ہے۔ اس لیے اس کے صحیح مفہوم اور اصل روح کو سمجھنے کے لیے جگہ جگہ صرف ونحو کی ضرورت پڑتی ہے۔ چنانچہ ایک مفسر کو تفسیری مطالب کی وضاحت میں ان علوم کا سہارا بھی لینا ہوتا ہے تاکہ معنوی اختلافات پر غور وفکر کرنے کے بعد صحیح نتیجہ اخذ کیا جا سکے۔ چنانچہ قاضی صاحب نے تفسیر مظہری میں صرفی ونحوی قواعد کو کافی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ذیل میں چند مثالیں نمونے کے طور پر درج کی

toobaafoundation.com

جارہی ہیں تا کہ قاضی صاحب کا محققانہ انداز معلوم ہو سکے۔

سورہ بقرہ کی پہلی آیت میں لَارَیْبَ فِیْهِ کے تحت لکھا ہے کہ لا نفی جنس کے لیے ہے۔ رَیْبَ اسم ہے اور فِیْهِ خبر۔ یا فِیْهِ صفت ہے اور لِلْمُتَّقِیْنَ خبر ہے۔ اور هُدًی حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یا لا کی خبر محذوف ہے، جیسا کہ لَاضَیْرَ میں ہے اور فِیْهِ خبر ہے هُدًی کی جو هُدًی کے نکرہ ہونے کی وجہ سے اس پر مقدم ہو گئی ہے۔ تقدیر عبارت یوں سمجھی جائے لَارَیْبَ فِیْهِ فِیْهِ هُدًی۔ حالاں کہ یہ تمام توجیہیں درست ہیں لیکن سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ یہ سب مسلسل مگر علیحدہ علیحدہ جملے قرار دیئے جائیں اور ہر جملۂ لاحقہ کو سابقہ کی تاکید مانا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ دو جملوں کے درمیان حرف علت نہیں لایا گیا۔ پس ذٰلِكَ الْکِتَابُ ایک ایسا جملہ ہے جو اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ یہ کتاب ایسے اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے جو غایت کمال کے ساتھ موصوف ہے اور اس حیثیت سے اس میں کسی طرح کا شک وشبہ نہیں ہو سکتا۔ اسی پر هُدًی لِلْمُتَّقِیْنَ کو قیاس کر لیا جائے۔[۲۷۵]

سورہ بقرہ ہی کی آیت ۲۵۶ میں لفظ "طَاغُوْتَ" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ طَاغُوْتَ، طغیان سے ماخوذ ہے اس کا وزن فعلوت ہے اول واؤ کو طاء اور غین کے درمیان لے گئے اور الف سے بدل دیا۔ یا طاغوت کا وزن فاعول ہے۔ لام کو تا سے بدل دیا یعنی طاغول سے بدل کر طاغوت ہو گیا۔[۲۷۶]

سورہ ہود کی آیت ۹۳ کا لفظ رَقِیْب بروزن فعیل بمعنی راقب جیسے صَرِیْم بمعنی صارم یا بمعنی مراقب جیسے عَشِیْر بمعنی معاشر یا بمعنی مُرْتَقِبْ جیسے رفیع بمعنی مرتفع۔[۲۷۷] اسی سورت کی آیت ۹۵ کا لفظ بُعْد، اس کی اصل بَعُدَ باب کَرُمَ سے ہے اور بَعِدَ باب سَمِعَ سے بھی آتا ہے۔ مصدر دونوں کا بُعد ہے۔ بُعد بمعنی دور ہو گیا اور بَعِدَ بمعنی ہلاک ہونے کی وجہ سے دور ہو گیا۔[۲۷۸]

سورہ انفال کی آیت ۶۰ کے لفظ "رباط" کی صرفی نحوی بحث اس طرح کی گئی ہے کہ لفظ رباط، مصدر بمعنی اسم مفعول ہے۔ رَبَطَ، ربطاً و رِبَاطاً اور

toobaafoundation.com

رَابَطَ، مُرَابَطَةً و رِبَاطاً دونوں طرح سے آتا ہے۔ یا بروزن فعال بمعنی مفعول ہے۔ یا رَبیط کی جمع ہے جیسے فصیل کی جمع فصال۔ مِن رِبَاط کا عطف مِن قُوَّةٍ پر ہے۔[۲۷۹]

سورہ نباء کے پہلے لفظ ''عَمَّ'' میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں اور کیوں، اس کو اس طرح بیان کیا ہے کہ عم اصل میں عن ما تھا۔ ما استفہامیہ اگر حرف جر کے بعد آتا ہے تو الف کو حذف کر دیا جاتا ہے اور ما کو م پڑھا جاتا ہے جیسے لم، فیہ، عم، مم، اس حذف کے دو سبب ہوتے ہیں۔ ایک کثرت استعمال اور دوسرا ما استفہامیہ کا ما موصولہ سے فرق۔ عن ما کے الف کو حذف کر دینے کے بعد نون کو میم میں ادغام کر دیا گیا اور ع کو م کے ساتھ ملا کر عم لکھا جانے لگا۔ کیوں کہ حذف نون کے بعد ع تنہا رہ جاتا ہے۔ اسی طرح ما کا الف حذف ہو کر م رہ جاتا ہے۔[۲۸۰]

لغوی مباحث:

تفسیر مظہری میں تقریباً سات سو الفاظ کی لغوی تشریح بیان کر کے قاضی صاحب نے اپنے قارئین کو لغات القرآن سے بے نیاز کر دیا ہے۔ ذیل میں چند مقامات بطور نمونہ پیش کیے جا رہے ہیں تا کہ تفسیر مظہری کی لغوی خصوصیت معلوم ہو سکے۔

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

الاسم: السمو سے مشتق ہے نہ کہ وسم سے کیوں کہ سُمَیٌّ و سُمَیَّت اس کی دلیل ہے۔[۲۸۱]

اَللّٰہُ: کہا جاتا ہے کہ یہ اسم جامد ہے اور سچ تو یہ ہے کہ لفظ اللہ ''اِلٰہ'' سے مشتق ہے جو معبود کے معنی میں آتا ہے۔ ہمزہ حذف کر کے اس کے عوض الف لام لایا گیا ہے اور چوں کہ یہ عوض بطور لزوم ہے، اس لیے یا اللہ کہنا جائز ہو گیا کیوں کہ اشتقاق کے معنی ہی یہ ہیں کہ دو لفظ معنی اور ترکیب میں مشترک ہوں۔ پھر یہ لفظ اس ذاتِ واجب الوجود کا عَلَم ہو گیا ہے جو مجمع کمالات اور رزائل سے پاک ہے

toobaafoundation.com

اور اسی لیے یہ لفظ خود موصوف ہوا کرتا ہے۔ کسی اور لفظ کی صفت واقع نہیں ہوتا اور اظہار توحید کے وقت لا الٰہ الا اللہ کہا جاتا ہے۔ کبھی اس کا اطلاق اصل معنی پر بھی ہوتا ہے۔ پس قرآن پاک میں فرمایا وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ۔ [۲۸۲]

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم: یہ دونوں رَحْمَةٌ سے مشتق ہیں۔ رحمت، رقتِ قلب کو کہتے ہیں جس کا مقتضیٰ فضل واحسان ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسمآءِ صفات میں غایات ومعانی کا لحاظ رکھا گیا ہے نہ کہ مبادیات کا، کیوں کہ مبادیات انفعالات ہوا کرتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں الفاظ ہم معنی ہیں اور مبالغہ کے صیغے ہیں۔ اور حق بات تو یہ ہے کہ رحمٰن میں زیادتی لفظ کی بنا پر رحیم کی بنسبت مبالغہ زیادہ ہے۔ اسی لیے لفظ رحمٰن اللہ تعالیٰ کی ساتھ مخصوص ہے نہ کہ رحیم۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ: ''یہ دونوں اسم مہربانی پر دلالت کرتے ہیں اور ایک میں دوسرے کی بنسبت زیادتی اور مبالغہ پایا جاتا ہے۔ یہ زیادتی کبھی مقدار کے لحاظ سے ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کو رحمن الدنیا اور رحیم الآخرہ کہا جاتا ہے کیوں کہ رحمت آخرت میں صرف پرہیزگاروں کا حصہ ہے اور کبھی یہ زیادتی محض کیفیت کے لحاظ سے ہوتی ہے، اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کو رحمن الدنیا والآخرہ ورحیم الدنیا کہا جاتا ہے کیوں کہ آخرت کی تمام نعمتیں بیش قیمت ہیں اور دنیا کی بعض نعمتیں حقیر ہیں اور بعض جلیل القدر۔ چوں کہ لفظ رحمٰن اَعلام کی طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اس لیے لفظ رحیم پر مقدم رکھا گیا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ رحمت کو تقدم زمانی حاصل ہے اور عموم رحمت دنیا میں مقدم ہے۔ [۲۸۳]

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (الفاتحہ)

حمد: کسی اختیاری خوبی پر زبان سے تعریف کرنے کو حمد کہتے ہیں۔ اس میں نعمت کی خصوصیت نہیں ہے، اس لیے کہ حمد باعتبار متعلق شکر کی نسبت عام ہے

toobaafoundation.com

کیوں کہ شکر نعمت کے ساتھ مخصوص ہے اور حمد باعتبار مورد کے خاص ہے کیوں کہ شکر، زبان و دل اور دیگر تمام اعضاء سے صادر ہوسکتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، نے فرمایا ہے کہ حمد شکر کی اصل ہے۔ جس شخص نے خدا کی حمد نہ کی اس نے ذرا بھی شکر نہ کیا۔ اس حدیث کو عبدالرزاق نے بروایت قتادہ اور انھوں نے براویت عبداللہ بن عمرؓ و بیان کیا ہے۔ اور مدح حمد کی نسبت عام ہے کیوں کہ مدح صرف خوبی پر ہوا کرتی ہے۔ ۲۸۴

رب: رب کے معنی مالک کے ہیں۔ رَبُّ الدَّار گھر کے مالک کے لیے کہا جاتا ہے۔ اور یہ لفظ تربیت کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے۔ آہستہ آہستہ درجہ کمال تک پہنچا دینے کو تربیت کہتے ہیں۔ اس صورت میں مصدر کا اطلاق بطور مبالغہ ہوگا جیسا کہ خالدٌ صومٌ اور زیدٌ عدلٌ میں۔ اور لفظ رب کا اطلاق بلا قید اضافت وغیرہ، غیر اللہ پر نہیں ہوسکتا جیسے رب الدار۔ اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ عالم، ابتداء کی طرح اپنی بقا میں بھی رب کا محتاج ہے۔ ۲۸۵

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ:

غضب: انتقام کے ارادہ سے نفس کے برانگیختہ اور پُر جوش ہونے کو غضب کہتے ہیں لیکن جب اس کی نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے تو اس سے نتیجۂ غضب اور اس کا منتہیٰ مراد ہوا کرتا ہے۔ یعنی عتاب۔

ضَلَالَتْ: ہدایت کی ضد ہے۔ یعنی اس راہ سے عدول کرنے کو ضلالت کہتے ہیں جو اللہ تک پہنچانے والی ہے اور اس کے بہت سے مراتب و مدارج ہیں۔

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ سے وہ لوگ مراد ہیں جو غضب خداوندی اور گمراہی سے سالم و محفوظ ہیں۔ یہ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے بدل ہے۔ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، نے فرمایا کہ ''جن پر خدا کا غضب نازل ہوا، ان سے یہود اور گمراہوں سے نصاریٰ مراد ہیں'' (احمد، ابن حبان، ترمذی) آیت کے الفاظ عام ہیں جن کے تحت تمام کفار، اللہ کے نافرمان اور بدعتی سب لوگ آجاتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ

toobaafoundation.com

نے اس شخص کے حق میں جو کسی ممنوع القتل کو قصداً قتل کردے غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فرمایا ہے اور کفار و بدعتیوں کے بارے میں ارشاد ہوا: فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ اور اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (یونس:۳۲، الکہف:۴-۵ علی الترتیب)۔ ۲۸۶

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ

متقی: متقی اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی آپ کو ایسی چیز سے محفوظ رکھے جو اس کے لیے آخرت میں تکلیف دہ اور ضرر رساں ثابت ہو۔ اگر وہ مضرت دہ چیز شرک ہے اور اس سے آدمی بچتا ہے تو یہ تقویٰ کا ادنیٰ مرتبہ ہے۔ گناہ اور معصیت سے بچنا تقویٰ کا وسطی مرتبہ ہے مگر اعلیٰ درجہ کا متقی وہ ہے جو لایعنی چیزوں سے منہ موڑ کر ذکر الٰہی میں مستغرق ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان حق تُقٰتِهٖ (آل عمران:۱۰۲) سے یہی مراد ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ دراصل تقویٰ یہ ہے کہ تو اپنے نفس کو کسی سے بہتر و برتر نہ دیکھے۔ شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ متقی وہ ہے جو حرام اور ناجائز باتوں میں پڑ جانے کے خوف سے ان چیزوں کو ترک کردے جن میں کوئی شرعی خطرہ نہ ہو۔

صحیحین میں بروایت ابن عدی بحوالہ حضرت نعمان بن بشیر آیا ہے کہ جناب رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، نے فرمایا: حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان بہت سے مشتبہ امور ہیں، جنھیں اکثر لوگ نہیں جان پاتے ہیں، تو جو شخص مشتبہ امور سے بچ گیا اس نے اپنی آبرو بچالی اور دین کو پاک کرلیا اور جو مشتبہ امور میں پڑ گیا وہ حرام میں جا پڑا۔ جیسے کہ کوئی چرواہا کسی محفوظ، ممنوع چراگاہ کے گرداگرد جانور چرا رہا ہو تو قریب ہے کہ ممنوع چراگاہ میں جا پڑے۔ سنو! ہر بادشاہ کا ایک ممنوع باڑہ ہوتا ہے۔ سنو! زمین پر اللہ کا ممنوعہ علاقہ، اس کے محارم ہیں۔ سنو! جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ جب وہ درست اور اصلاح یافتہ ہوتا ہے تو سارا بدن درست اور صحیح رہتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ سنو! وہ

toobaafoundation.com

گوشت کا لوتھڑا دل ہے"۔

طبرانی نے "صغیر" میں روایت کیا ہے کہ حلال اور حرام دونوں ظاہر ہیں، تو جو چیز تجھے شک میں ڈالے اسے ترک کر کے غیر مشکوک کی طرف رخ کر۔

قاضی صاحب عالم دین، مفسر، محدث، فقیہ اور مجتہد ہونے کے ساتھ ساتھ خدا رسیدہ بزرگ، متقی اور بلند مرتبہ صوفی بھی تھے۔ اس لیے محققانہ انداز کے ساتھ ساتھ صوفیانہ نقطۂ نظر سے بھی کام لیتے تھے۔ چنانچہ ان کی اپنی رائے یہ ہے:

میں کہتا ہوں کہ حدیث میں جو دل کی صلاحیت اور درستی کا ذکر ہوا ہے اس سے، اصطلاح صوفیہ کے مطابق، فنائے قلب مراد ہے۔ یعنی دل کی صلاحیت یہی ہے کہ اسے فنا فی اللہ کر دیا جائے اور یہ مراتب ولایت میں سے پہلا مرتبہ ہے اور درستی جسم کو مستلزم ہے۔ نیز ارتکابِ محرمات کے خوف کے سبب، مشتبہ امور سے تحفظ اِسی کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔ الغرض تقویٰ ولایت کو لازم ہے۔ ان ہی متقیوں کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: إِنْ أَوْلِيَآؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ (انفال:۳۴) لیکن اس آیت (هُدًى لِلْمُتَّقِينَ) میں مجازاً اس شخص کو متقی کہا گیا ہے جو تقویٰ کا دروازہ کھٹ کھٹا رہا ہو۔ اس صورت میں هُدًى لِلْمُتَّقِينَ کے بالکل ویسے ہی معنی ہوں گے جیسے مَنْ قَتَلَا قَتِيلًا کے ہیں۔ یعنی جس طرح اس حدیث میں اس شخص کو مقتول کہا گیا ہے جو بالفعل نہیں مگر آئندہ مقتول ہوگا۔ اسی طرح اس آیت میں اس شخص کو متقی کہا گیا ہے جو آئندہ تقویٰ کے مرتبہ کو پہنچے گا۔[۲۸۷]

حروف مقطعات کی بحث:

قرآن مجید کی بعض سورتوں کی ابتدا میں جو حروف مقطعات آتے ہیں ان کی تحقیق میں علماء مفسرین کی مختلف رائیں اور متعدد اقوال ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ ان سورتوں کے نام ہیں جن کی ابتدا میں یہ واقع ہوئے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ان سے ایک کلام کے منقطع ہونے اور دوسرے کلام کے شروع ہونے پر تنبیہ مقصود ہوا کرتی ہے۔ بعض کا بیان ہے کہ حروف مقطعات سے ان کلمات کی طرف اشارہ ہے جن کے

toobaafoundation.com

شروع میں یہ حروف واقع ہوئے ہیں۔ جیسا کہ عرب کے ایک شاعر کا قول ہے:

فقلت لها قفی فقالت لی قاف (یعنی وقفت)

ان جریر اور ابن ابی حاتم نے ابوالعالیہ سے روایت کی ہے کہ الٓمٓ میں الف سے الاء اللّٰہ، لام سے لطف اللہ اور میم سے اس کا ملک لازوال مراد ہے۔ عبد بن حمید، ابن جریر، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے ابوالعالیہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ الٓرٓ اور حٰمٓ اور نٓ کا مجموعہ الرحمٰن ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ الٓمٓ کے معنی ہیں اَنَا اللّٰہُ اَعلَمُ علامہ بغوی نے بروایت سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ الٓمٓصٓ کے معنی ہیں اَنَا اللّٰہُ اَعلَمُ وَاَفضَل۔ اسی طرح الٓرٓ کے معنی ہیں اَنَا اللّٰہُ اَریٰ اور الٓمٓرٰ سے اَنَا اللّٰہ اعلم وَاَریٰ مراد ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ حروف مقطعات سے بحساب ابجد قوموں کی زندگی کی مدتیں اور اس امت کے بڑے انقلابات مراد ہیں۔ چنانچہ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ابن جریر نے بسند ضعیف بیان کیا ہے کہ جب نبی کریم، صلی اللہ علیہ وسلم، کے پاس کچھ یہودی آئے اور ان کے روبرو سورہ بقرہ پڑھی تو انھوں نے حساب لگا کر اور دل ہی دل میں کچھ شمار کر کے کہا۔ ہم ایسے دین میں کیوں کر داخل ہو سکتے ہیں جس کی مدت زیادہ سے زیادہ اکہتر سال ہے کیوں کہ الٓمٓ کے کل عدد بحساب ابجد اے ہوتے ہیں۔ نبی کریم، صلی اللہ علیہ وسلم، نے سنا تو مسکرا کر خاموش ہو گئے۔ ایک یہودی نے حضور، صلی اللہ علیہ وسلم، کی طرف متوجہ ہو کر کہا: کیا اس کے علاوہ کچھ اور بھی آپ پر نازل ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں الٓمٓصٓ الٓرٓ اور الٓمٓرٰ یہ سن کر یہود بولے: ابوالقاسم! تم نے ہم کو اشتباہ میں ڈال دیا۔ اب ہم حیران ہیں کہ کس کو لیں اور کس کو چھوڑ دیں۔

اس کے بعد قاضی صاحب تفصیل کے ساتھ ان اقوال کی تردید اس طرح کرتے ہیں کہ یہ تمام اقوال علماء محققین کے نزدیک مردود اور نا قابل قبول ہیں۔ قول اول اس لیے غلط ہے حروفِ مقطعات کو سورتوں کے نام تسلیم کرنے پر لازم آتا ہے کہ ایک واضع کی طرف سے اعلام میں اشتراک واقع ہو، اور یہ نہ صرف فصحاء کے نزدیک

toobaafoundation.com

ناپسندیدہ ہے بلکہ مقصود بالعلمیہ کے منافی ہے۔ علاوہ برایں ایک چیز کا تین یا تین سے زیادہ کلمات سے مرکب کر کے نام رکھنے کو اہل دانش کا ذوق سلیم تسلیم نہیں کرتا ہے۔ نیز بعض سورتوں کا ان ناموں کے ساتھ موسوم ہونا اور بعض کا نہ ہونا یہ بھی شانِ متکلم سے بعید ہے۔ دوسرا قول اس لیے غلط ہے کہ حروف مقطعات نہ صرف وضعاً بلکہ عرفاً بھی اس لیے مقرر نہیں کیے گئے ہیں کہ ان سے ایک کلام کے منقطع ہونے اور دوسرے کلام کے از سر نو شروع ہونے پر مزید تنبیہ مقصود ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر سورت کی ابتداء میں حروف مقطعات کا ہونا لازمی اور ضروری تھا۔ تیسرے قول کے غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حروف مقطعات سے کلمہ کے بعض حروف پر اقتصار کی طرف اشارہ ہونا، کلام عرب میں غیر مستعمل ہے اور اس پر شعر سے سند لانا محض شاذ اور نا قابل قبول ہے۔ نیز شعر میں کلمہ قفی اس بات پر صریح قرینہ ہے کہ شاعر کی مخاطبہ کا قول قاف، وقفت سے ماخوذ ہے بخلاف حروف مقطعات کے کہ وہاں اس قسم کا کوئی قرینہ نہیں پایا جاتا۔ مثلاً الم میں کوئی قرینہ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ الف الاء اللہ سے اور لام لطف اللہ سے اور میم ملک اللہ سے ماخوذ ہے۔[۲۸۸]

اب رہی یہ بات کہ بعض صحابیوں اور تابعیوں سے جو اس قسم کے آثار و اقوال منقول ہیں ان کا یہ جواب ہے کہ وہ اقوال صرف عن الظاہر ہیں کیوں کہ اگر ایسا نہ ہوگا تو ان اقوال میں تعارض ماننا پڑے گا۔ کیوں کہ جب چند کلمے کئی حرفوں کو شامل ہوں تو ان میں سے صرف ایک کلمہ کے ساتھ حرف کی تخصیص کرنا اور دیگر حروف سے اعراض کرنا بھی ترجیح بلا مرجح ہے۔ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، کا فہم یہود پر مسکرانا، تبسم رضا نہ تھا بلکہ ان کے جہل، نادانی اور کوتاہ فہمی پر تبسم تعجب تھا۔[۲۸۹]

بعض مفسروں نے جو یہ کہا کہ حروف مقطعات قسمیہ حروف ہیں۔ یعنی یہ حروف چوں کہ خاص قسم کی شرافت و بزرگی رکھتے ہیں، کیوں کہ یہ مادۂ اسماءِ الٰہی اور اصولِ لغات ہیں، اس لیے اللہ نے ان کی قسم کھائی ہے تو یہ تاویل چند ایسی چیزوں کی محتاج ہے جن پر اب تک کوئی یقینی دلیل اور قطعی برہان قائم نہیں کی گئی۔ الغرض علماء محققین

toobaafoundation.com

نے مفسروں کی ان توجیہات کی جو حروف مقطعات کے بارے میں یہاں مذکور ہوئیں، بوجوہ بالا تردید کی ہے اور کسی توجیہ کو قابل تسلیم نہیں بتایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قاضی بیضاوی نے ان تمام توجیہات سے پہلو بچا کر ایک عجیب توجیہ اختیار کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ چوں کہ حروف تہجی عنصر کلام اور مادۂ لغات ہیں اور کلام ان ہی سے ترکیب پاتا ہے اس لیے ان میں سے بعض حروف کے ساتھ قرآن مجید کی سورتوں کی ابتدا کی گئی ہے۔ اس سے ان لوگوں کو تنبیہ کرنی مقصود ہے جو قرآن کے منزل من اللہ ہونے کا انکار کرتے ہیں اور اس کو غیر اللہ کا کلام بتاتے ہیں کہ جو کلام تمہیں پڑھ کر سنایا جاتا ہے ان ہی حرفوں سے مرکب ہے جن سے تم اپنے کلام کو ترکیب دیتے ہو، پھر اگر یہ اللہ کا کلام نہیں ہے تو اس جیسے کلام بنالانے سے تم کیوں عاجز ہو اور نیز حروف تہجی اس لیے بھی سورتوں کی ابتداء میں لائے گئے ہیں کہ سب سے پہلے جو چیز سامعین کے کانوں میں پہنچے وہ اعجاز کی ایک نوعِ مستقل ہو کیوں کہ اُمی محض کا اسماء حروف کو ذکر کرنا ایک صریحی معجزہ ہے۔ ان حرفوں کے لانے میں ان نکات اور دقائق کی رعایت کی گئی ہے جن سے بڑے سے بڑا ادیب جو فنِ ادب میں فائق و مشہور ہو، عاجز و قاصر رہتا ہے اور ماہر عربیت ان کی نگہہ داشت نہیں کر سکتا۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ قرآن مجید کی انتیس سورتوں میں چودہ حروف لائے گئے ہیں اور ایسے انداز سے لائے گئے ہیں کہ حروف کی تمام قسمیں، یعنی مہموسہ ۲۹۰ مجہورہ ۲۹۱ شدیدہ ۲۹۲ اور رخوہ ۲۹۳ وغیرہ سب کو احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ کیوں کہ ہر قسم کے نصف نصف حروف ان میں موجود ہیں۔ ایک اور بات یہ بھی ہے کہ قرآن مجید کی سورتوں کی ابتداء میں وہی چودہ حروف لائے گئے ہیں جن سے اکثر اوقات کلام مرکب ہوا کرتا ہے۔ ان کے علاوہ باقی چودہ حروف جو مقطعات کی فہرست سے خارج ہیں وہ ترکیب کلام کا کام نہیں دیتے۔ گویا الٓمٓ اور الٓرٰ وغیرہ کے معنی یہ ہیں کہ یہ قرآن جس کے مقابلہ کی دعوت دی جا رہی ہے۔ ان ہی حروف کی جنس سے مرکب ہیں جن سے تمہارے کلام ترکیب پاتے ہیں، تو تم، اے منکرین قرآن، اس جیسا کلام بنالانے سے کیوں عاجز ہوتے ہو۔

toobaafoundation.com

اس پوری بحث کے بعد قاضی صاحب اپنا فیصلہ اس طرح صادر کرتے ہیں کہ 'قرآنی مقطعات کے بارے میں میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کے متشابہات اور ان مخفی رموز واسرار میں سے ہیں جو صرف حق تعالیٰ اور اس کے نبی کریم، صلی اللہ علیہ وسلم، کے مابین دائر ہیں اور جنھیں عام لوگ سمجھنے کی لیاقت نہیں رکھتے بلکہ خود اللہ کو منظور نہیں کہ عام لوگ ان سے مطلع ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم، صلی اللہ علیہ وسلم، کو اور آپ کے کامل پیروؤں اور معتقدوں میں سے جسے چاہا اس کو سمجھا دیا'۔[۲۹۴]

امام بغوی کہتے ہیں: جناب صدیق اکبر، رضی اللہ عنہ، نے فرمایا کہ ہر کتاب میں ایک مخفی بھید اور پوشیدہ راز ہوا کرتا ہے۔ قرآن مجید میں خدا کا بھید اوائل سور، یعنی حروف مقطعات ہیں، حضرت علی، کرم اللہ وجہہ، نے فرمایا کہ ہر کتاب کا ایک انتخاب اور خلاصہ ہوا کرتا ہے۔ قرآن مجید کا خلاصہ حروف تہجی ہیں۔ اس روایت کو امام ثعلبی نے حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے اور سمرقندی نے حضرت فاروق اعظم اور عثمان بن عفان اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے۔ قرطبی نے سفیان ثوری سے اور ربیع بن خثعم اور ابوبکر بن الانباری اور ابن ابی حاتم اور محدثین کی ایک جماعت نے مختلف رواۃ سے نقل کیا ہے۔

حضرت سجاد ندوی کا قول ہے کہ حروفِ مقطعات کے بارے میں صدر اول کے متفقہ الفاظ یہ ہیں: اِنَّهَا سِرٌّ بَيْنَ اللّٰهِ وَبَيْنَ نَبِيِّهٖ صلى الله عليه وسلم اور کبھی ایسے دو شخصوں کے درمیان جو باہم ایک دوسرے کے راز دار اور مزاج شناس ہوتے ہیں۔ وہ راز کی باتیں اور معمے جاری ہوتے ہیں جو ان کے باہمیں اسرار کی طرف مشیر ہوتے ہیں۔

یہ بات کہ مقطعات اور متشابہات کا علم صرف اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ نہ تو رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، ہی ان پر مطلع ہوئے اور نہ آپ کے متبعین میں سے کوئی شخص مطلع ہوا، بعید از قیاس ہے کیوں کہ اس سے قرآن کریم کا معلوم المعنی نہ ہونا

toobaafoundation.com

لازم آتا ہے۔ نیز خطاب سے تفہیم مقصود ہوا کرتی ہے۔ اگر حروف مقطعات سے سامع کو کوئی فائدہ نہ ہوگا اور شارع کو ان سے کسی طرح کی افہام و تفہیم مقصود نہ ہوگی تو یہ خطاب گویا مہمل کلمات سے خطاب کرنا ہوگا۔ جیسے ہندوستانی شخص سے عربی زبان میں مخاطب ہونا۔ اس صورت میں قرآن مجید بتمامہ بیان اور ہدایت نہ رہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے اپنے قول ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ میں معاذ اللہ وعدہ خلاف ہونا بھی لازم آئے گا کیوں کہ یہ آیت بطریق اقتضاء صاف اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ قرآن مجید متشابہ ہو یا محکم۔ اس کا بیان و تفسیر نبی کریم، صلی اللہ علیہ وسلم، کے لیے اللہ کی طرف سے واجب اور ضروری ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ میں راسخین فی العلم میں سے ہوں اور جو لوگ متشابہات اور مقطعات کی تفسیر کے عالم ہیں ان میں سے ایک میں بھی ہوں۔ یہی قول حضرت مجاہد کا بھی ہے۔ مجدد الف ثانی، رضی اللہ عنہ، نے دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر قرآنی مقطعات کی تاویل اور ان کے اسرار ظاہر کیے ہیں لیکن ان کا سمجھنا عام لوگوں کے لیے مشکل ہے۔ چنانچہ حروف مقطعات کا اسرار الٰہی میں سے ایک سرّ ہونا باطل قرار پاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حروف مقطعات اسمائے الٰہی ہیں جیسا کہ ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے تخریج کی ہے۔ اور ابن مردویہ نے کتاب الاسماء والصفات میں حضرت ابن عباس، رضی اللہ عنہما، سے روایت کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح بتایا ہے۔ ابن ماجہ کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت علی، کرم اللہ وجہہ، اپنی دعاء میں فرمایا کرتے تھے یاکٓھٰیٰعٓصٓ اِغْفِرْلِیْ۔ ربیع بن انس کہتے ہیں کٓھٰیٰعٓصٓ کے یہ معنی ہیں کہ وہ جس کو چاہے پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دیتا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ حروف مقطعات قرآن کے نام ہیں جیسا کہ عبدالرزاق نے قتادہ سے روایت کیا ہے۔ قتادہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ حروفِ مقطعات سے قرآن اور کتاب ہونے کی خبر دی گئی ہے۔

قاضی صاحب اس بات کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر قرآنی

toobaafoundation.com

مقطعات کی بابت اس بات کو تسلیم کرلیا جائے کہ وہ اسمائے الٰہی ہیں تو ساتھ ہی یہ بھی قطعاً ماننا پڑے گا کہ وہ اللہ کی بعض صفات پر دلالت کرتے ہیں جیسے کہ اور اسماء صفات دلالت کرتے ہیں۔ علی ہذا القیاس جب وہ قرآن کے نام مان لیے جائیں گے تو بعض صفات قرآنی پر ضرور دلالت کریں گے جیسا کہ لفظ قرآن اور فرقان اور نور اور حیات اور روح اور ذکر اور کتاب وغیرہ قرآنی صفات میں سے ایک نہ ایک صفت پر ضرور دلالت کرتے ہیں مگر مقطعات کی دلالت دونوں تقدیر پر اس طرح کی نہیں ہے جس کو عام لوگ سمجھ سکتے ہوں بلکہ فہم مخاطب کے ساتھ مختص ہے یا جس کو اللہ تعالیٰ سمجھانا چاہتا ہے اور اس بات کا حکم لگا دینا کہ وہ اسماء الٰہی ہیں اس وقت متصور ہوسکتا ہے جب کہ ان کے معنی بھی سمجھے جاتے ہوں۔ تو یہ دونوں قول بر تقدیرِ صحت اسی قول کی طرف راجع ہوں گے جس کی ہم سابق میں تحقیق کرائے ہیں کہ حروفِ مقطعات اللہ اور اس کے رسول، صلی اللہ علیہ وسلم، کے درمیان اسرار ہیں جنھیں نبی کریم، صلی اللہ علیہ وسلم، کے سوا دوسرا سمجھ نہیں سکتا ہاں اگر اللہ چاہے تو آپ ؐ کے متبعین کاملین بھی سمجھ سکتے ہیں۔[۲۹۵]

مقطعات کے ضمن میں متشابہات کا جو ذکر آیا ہے اس کی تفصیل بیان کرنے کے بعد قاضی صاحب لکھتے ہیں: ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اسماء میں سے جو عام لوگوں سے مخفی ہیں اور جن کے مقابلہ میں ان کی زبان ولغت میں الفاظ وضع نہیں کیے گئے ہیں، بعض اسماء اپنے رسول، صلی اللہ علیہ وسلم، کو اور ان لوگوں کو بھی تعلیم والہام کردیئے ہوں جنھوں نے نبی کریم، صلی اللہ علیہ وسلم، کی پیروی میں انتہا سے زیادہ گرمی دکھائی ہو اور مزید ان لوگوں میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا بدیہی اور یقینی علم پیدا کردیا ہو جو خود بخود ان حروفوں سے مستفاد ہوتا ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم، علیہ السلام، کو تمام چیزوں کے نام تعلیم کردیئے اور ان میں ایک بدیہی علم پیدا کردیا بغیر اس کے کہ انھیں پہلے سے اس بات کا علم ہو کہ یہ لفظ اس معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو تسلسل لازم آتا اور ممکن ہے کہ یہ اسماء اور صفات نبی کریم،

toobaafoundation.com

صلی اللہ علیہ وسلم، پر حروف مقطعات کی تلاوت کے وقت جلوہ گر ہو گئے ہوں۔

قاضی صاحب لکھتے ہیں میرے شیخ اور استاد قدسنا اللہ سرہ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص سارے قرآن کو من اولہ الی آخرہ نظرِ کشف سے دیکھے گا تو اس پر یہ بات بخوبی ظاہر ہو جائے گی۔ کیوں کہ قرآن مجید گویا برکات الٰہیہ کا ایک نہایت عمیق اور گہرا دریا ہے اور اس عمیق، طویل اور عریض دریا میں حروف مقطعات ایسے ظاہر ہوتے ہیں جیسے بحرِ ذخار میں ابلتے ہوئے چشمے اور جوش مارتے ہوئے فوارے، جن سے ایک بڑا دریا نکل کر بہتا ہے۔ اس مکاشفہ کے لحاظ سے اگر قرآنی مقطعات، اسمائے قرآنی قرار دیے جائیں تو چنداں بعید نہیں۔ گویا سارا قرآن اس اجمال کی تفصیل ہے جو حروف مقطعات میں موجود ہے۔ واللہ اعلم

آخر میں قاضی صاحب اپنی رائے کی اس مکاشفہ سے تطبیق کرتے ہوئے اس بحث کو اس طرح ختم کرتے ہیں کہ: میں کہتا ہوں یہ توجیہ اس قول کے ہرگز منافی نہیں ہے جسے بیضاوی نے اختیار کیا ہے کیوں کہ قرآن کی ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور ہر حَدِّ عِلْم کا ایک مطلع ہے۔ بغوی نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ ہر حرف کی ایک حد ہے اور ہر حد کا ایک مطلع ہے۔ پس جس طرح حروف تہجی ظاہر میں عنصرِ قرآن اور بسائط قران ہیں اور اکثر کلام ان ہی سے ترکیب پاتا ہے، نیز قرآن میں طرح طرح کے لطائف اور قسم قسم کے اعجاز کی رعایت رکھی گئی ہے۔ اسی طرح یہی حروف اجمالِ قرآن اور برکات الٰہیہ کے بحرِ ذخار کے جوش زن چشمے اور اللہ اور رسول کے درمیان وہ اسرار ہیں جن پر اللہ کے سوا اور کوئی مطلع نہیں ہو سکتا، ہاں وہ شخص اطلاع پا سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ خطاب کا اعزاز بخشے یا کسی اور طرح سے اپنے اسرارِ خاص پر واقف کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم[۲۹۶]

فقہی مسائل کا استنباط:

قرآن مجید ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ یہ مذہبی، تمدنی، ملکی، تجارتی، دیوانی، فوجداری وغیرہ ہر ایک امر پر حاوی ہے۔ مذہبی عبادات سے لے کر تجارتی

toobaafoundation.com

کاروبار، روحانی نجات سے لے کر جسمانی صحت کے اصول، حقوق اللہ سے لے کر حقوق العباد، اخلاق سے لے کر جرائم اور دنیوی سزا سے لے کر اُخروی جزا تک کے عام احکام قرآن مجید میں موجود ہیں۔ قرآن ایک ایسا بے نظیر قانون ہے جو انسانوں کو ان کے اعمال کے وجوب وحرمت، استحباب وکراہت اور جواز وعدم جواز کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ قرآن پاک کے یہ تمام احکامات مختلف مقامات پر محکمات ومتشابہات کی شکل میں پائے جاتے ہیں جن سے مسائل شرعیہ کا استنباط کرنا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس کے لیے مفسر ومحدث، محقق ومجتہد اور فقیہ ہونا ضروری ہے، جو کتاب وسنت سے استخراجِ احکام پر قدرت رکھتا ہو، آیات، احادیث اور آثار کو خوب تلاش کر چکا ہو اور متعارض دلیلوں میں سے کسی ایک کے اختصاص کرنے کی قابلیت رکھتا ہو اور ان کے جو معانی ومطالب ہو سکتے ہوں ان سب کو مدلل بیان کر سکتا ہو، احکام کے ماخذ سے بخوبی واقف ہو، جدید مسائل کا جواب ان مسائل سے نکال سکتا ہو جن سے سلف صالحین نے جواب دیئے ہیں۔ فروعی، پیش آمدہ مسائل میں مدلل رائے قائم کر سکتا ہو۔ جس طرح عبارت قرآن سے مسائل نکلتے ہیں اسی طرح دلالت واشارت اور اقتضاء سے بھی استنباط مسائل ہوتا ہے۔ قرآن وحدیث میں جس طرح الفاظ معنی موضوع لہ میں مستعمل ہیں اسی طرح معنی غیر موضوع لہ میں بھی مستعمل ہیں۔ چنانچہ فقیہ کے لیے ضروری ہے کہ قرآن وحدیث میں اس کو اس قدر دستگاہ ہو کہ ان امور کو بخوبی سمجھ سکتا ہو۔ علم لغت میں ایسا کمال حاصل ہو کہ الفاظ کے لغوی و اصطلاحی معانی اور محاورات زبان پر کامل عبور ہو۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی چوں کہ ان تمام خوبیوں کے حامل تھے اس لیے انھوں نے تفسیر مظہری میں قرآنی آیات سے جو فقہی احکام مستنبط ہوتے ہیں ان کو مع دلائل شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ نیز فروعی مسائل کے استخراج میں بھی دقت نظر سے کام لیا ہے۔ ذیل میں نمونہ کے طور پر چند ایک مقامات کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ فقہی مباحث کافی طویل ہیں اور یہاں مقصد صرف قاضی صاحب کا اندازِ استنباط پیش کرنا ہے، اس لیے نمونتاً صرف دو مباحث

toobaafoundation.com

درج کیے جارہے ہیں۔

يُوفُونَ بِالنَّذرِ (سورہ دہر:۷)

اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے قاضی صاحب نے نذر کے لغوی معنی لکھے ہیں کہ: ''غیر واجب چیز کو اپنے اوپر واجب کر لینا'' اس آیت سے نذر کے جن چھ مسائل کا قاضی صاحب نے استنباط کیا ہے ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

نذر کے واجب ہونے کی شرطیں:

جب نذر کے معنی ہیں غیر واجب کو اپنے اوپر واجب بنالینا تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نذر کے انعقاد کے لیے دو شرطیں ضروری ہیں۔

۱۔ جس چیز کی نذر مانی جائے وہ طاعت ہو (معصیت نہ ہو) اگر طاعت نہ ہوگی تو اس قابل نہ ہوگی کہ اس کو واجب بنایا جائے۔ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، کا ارشاد ہے کہ نذر وہی ہوتی ہے جو خالص مرضی مولیٰ کی طلب کے لیے ہو۔ (رواہ احمد من حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص)

۲۔ پہلے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب کردہ نہ ہو۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک دو شرطیں اور بھی ہیں:

۱۔ وہ عبادت مقصودہ ہو، اس لیے عبادت غیر مقصودہ جیسے وضو، طہارت جسم کی نذر صحیح نہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ واجبات میں سے اُسی قسم کا کوئی دوسرا واجب موجود ہو۔

جمہور کے نزدیک یہ دونوں شرطیں ضروری نہیں۔ اس لیے کہ اعتکاف کی نذر کے درست ہونے پر اجتماع ہے باوجودیکہ اعتکاف خود عبادتِ مقصودہ نہیں ہے بلکہ اس کا عبادت ہونا نماز کے انتظار کے لیے ہے، بجائے خود یہ عبادت نہیں۔ پھر کسی قسم کا دوسرا اعتکاف اللہ کی طرف سے واجب بھی نہیں۔ اسی لیے امام شافعی نے فرمایا ہے کہ نذر کی وجہ سے اس عبادت کا وجوب ہو جاتا ہے جو پہلے واجب نہ تھی۔ جیسے:

toobaafoundation.com

مریض کی عیادت، جنازے کے ساتھ جانا، سلام کرنا۔

وجوب نذر کی تعمیم پر حضرت عائشہ کی حدیث دلالت کر رہی ہے۔ فرمایا: جس نے اللہ کی اطاعت کی منت مانی اس کو اطاعت کرنی چاہیے اور جس نے اللہ کی نافرمانی کی نذر مانی اس کو نافرمانی نہ کرنی چاہیے۔ (راہ البخاری) طحاوی نے اس روایت میں اتنا مزید نقل کیا ہے کہ کفارۂ قسم ادا کرے۔ ابن عطاء نے کہا کہ طحاوی کی روایت میں جو یہ زیادتی ہے اس کے مرفوع ہونے میں شک ہے۔[۲۹۷]

نذر کو غیر ضروری چیز کے ساتھ مشروط کرنے کا مسئلہ:

اگر کسی نے نذرِ اطاعت کی مگر نذر کو بعض شرائط کے ساتھ مشروط کر دیا تو نذر کا ایفاء واجب ہو جائے گا اور شرطیں لغو قرار پائیں گی۔ جیسے کسی نے نذر مانی کی کسی خاص جگہ نماز پڑھوں گا یا روزہ میں کھڑا رہوں گا۔ وغیرہ، اس صورت میں کسی بھی جگہ نماز ادا کر لینا اور کسی بھی حال میں روزہ رکھ لینا واجب ہو جائے گا اور یہ نذر پوری ہو جائے گی۔ اس پر اجماع ہے۔ لیکن امام ابو یوسف اور امام شافعی وغیرہ کے نزدیک اگر مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی نذر مانی ہو تو کسی دوسری مسجد میں پڑھنے سے نذر پوری نہ ہوگی۔ اور اگر مسجد اقصیٰ یا مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو مسجد حرام میں پڑھنے سے نذر پوری ہو جائے گی۔ غرض کم فضیلت والی مسجد میں نماز پڑھنے سے اس نماز کی نذر پوری نہ ہوگی جو زیادہ فضیلت والی مسجد میں لازم کی گئی ہو۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہر صورت میں ہر جگہ نماز پڑھنے سے نذر پوری ہو جائے گی۔ حضرت جابر کی روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، میں نے منت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو فتح مکہ نصیب فرما دے گا تو میں بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا۔ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، نے فرمایا: اسی جگہ نماز پڑھ لو۔ اس شخص نے دو یا تین مرتبہ یہی گزارش کی آخر نبی کریم، صلی اللہ علیہ وسلم، نے ارشاد فرمایا: تم جانو تمہارا حال۔ یعنی تم کو اختیار ہے جو چاہو کرو۔ یہاں پڑھو یا وہاں۔ (رواہ ابوداؤد والدارمی) اسی حدیث کی بنا پر امام ابوحنیفہ نے شرطِ مکانی کو لغو قرار دیا ہے۔

toobaafoundation.com

امام ابو یوسف اور امام شافعی نے فرمایا کہ تینوں مساجد میں سے کسی مسجد کی شرط لگانے میں ثواب کی کثرت ملحوظ ہوتی ہے۔ اور مقصود طاعت ہے لہذا یہ شرط لغو نہ ہوگی۔

علاوہ طاعت کے دوسری شرائط کے لغو ہونے پر حضرت ابن عباسؓ کی حدیث دلالت کر رہی ہے۔ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، خطبہ دے رہے تھے دفعتاً ایک شخص دھوپ میں کھڑا نظر آیا۔ اس کے متعلق کیفیت دریافت کی۔ ابواسرائیل نے عرض کیا: اس نے منت مانی ہے کہ نہ بیٹھے گا، نہ سایہ میں جائے گا، نہ بات کرے گا اور اسی طرح روزہ پورا کرے گا۔ آپ نے فرمایا: اس کو حکم دو کہ بات کرے، سائے میں جائے، بیٹھ جائے اور روزہ پورا کرے۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ وابن حبان) بخاری کی روایت میں دھوپ کا ذکر نہیں ہے۔ امام مالک نے اس حدیث کو موطا میں مرسلاً ذکر کیا ہے۔ موطا میں ہے کہ اس کو حکم دو طاعت خداوندی کو پورا کرے اور جو معصیت ہے اس کو ترک کر دے۔ امام مالک نے بیان کیا ہے کہ ہم کو یہ بات نہیں پہنچی کہ حضور، صلی اللہ علیہ وسلم، نے کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا ہو۔ امام شافعی نے بھی یہ حدیث بیان کی جس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ حضور، صلی اللہ علیہ وسلم، نے کفارہ کا حکم نہیں دیا۔ البتہ بیہقی نے بوساطت محمد بن کریب حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے، اس میں کفارہ کا حکم ہے مگر محمد بن کریب ضعیف الروایات ہیں۔[۲۹۸]

نذر کی قضا کا مسئلہ:

اگر واجب نذر ادا نہ کر سکے تو قضا واجب ہے۔ نذر کی مثل ادا کرے خواہ مثل حقیقی ہو یا حکمی۔ جیسے نمازِ نذر کے عوض نماز، صوم نذر کے عوض صوم۔ ضعیف و ناتواں ہر صوم نذر کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ اگر کسی نے پیدل حج کرنے کی منت مانی اور کسی عذر کی وجہ سے سوار ہو گیا تو جمہور کے نزدیک اس کو ایک جانور کی قربانی پیش کرنی چاہیے۔ صحیح روایت سے امام ابوحنیفہ کا بھی یہی مسلک ثابت ہے۔ اصل روایت میں امام صاحب کا یہ قول آیا ہے کہ پیدل حج کی نذر ماننے والے پر پیدل جانا واجب ہی نہیں ہے اس لیے اگر سوار ہو جائے تو قربانی واجب نہیں کیوں کہ

toobaafoundation.com

حضرت عقبہ بن عامر جہنی کی روایت ہے کہ انھوں نے کہا: میری بہن نے برہنہ سر ننگے پاؤں اور پیدل کعبہ کو جانے کی منت مانی۔ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، نے دیکھا تو دریافت کیا۔ اس کی کیا کیفیت ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: اس نے ننگے سر، ننگے پاؤں اور پیدل کعبہ کو جانے کی نذر مانی ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کو حکم دو سوار ہو جائے۔ اور سر ڈھک لے۔ (متفق علیہ) اور حضرت انس کی روایت ہے: رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، نے دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی اپنے دو لڑکوں کے درمیان دونوں کے سہارے جا رہا ہے۔ وجہ دریافت فرمائی، جواب ملا: اس نے پیدل حج کو جانے کی نذر مانی ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ کو اس کو عذاب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اس کو سوار ہونے کا حکم دیا۔ (متفق علیہ)

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت عقبہ بن عامر کی روایت کو ابوداؤد نے سندِ جیّد کے ساتھ نقل کیا ہے کہ میری بہن نے کعبہ تک پیادہ جانے کی منت مانی تھی مگر رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، نے اس کو سوار ہونے اور ایک قربانی کرنے کا حکم دیا۔ ابوداؤد ہی میں زید بن عباس کی روایت سے یہ الفاظ آئے ہیں۔ عقبہ بن عامر کی بہن نے نذر مانی تھی کہ پیدل حج کو جائے گی اور اس میں اس کی طاقت نہیں تھی تو حضور اقدس، صلی اللہ علیہ وسلم، نے فرمایا: یقیناً اللہ کو تیری بہن کے پیدل چلنے کی پرواہ نہیں۔ وہ سوار ہو جائے اور ایک اونٹ قربانی دے۔ طحاوی نے بھی اسی طرح حضرت عقبہ بن عامر کی روایت اچھی سند کے ساتھ نقل کی ہے۔ ان تصریحات سے ظاہر ہو گیا کہ صحیحین کی روایات میں اختصار ہے۔ ہماری نقل کردہ روایات سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ قربانی کے لیے اونٹ ہی مخصوص ہے۔ عبدالرزاق نے صحیح سند کے ساتھ حضرت علی کا قول نقل کیا ہے کہ جس نے کعبہ کو پیدل جانے کی منت مانی ہو تو اس کو پیدل چلنا چاہیے۔ اگر تھک جائے تو سوار ہو جائے اور اونٹ کی قربانی دے۔ حضرت ابن عمرؓ و حضرت ابن عباس، قتادہ اور حسن بصری سے بھی ایسے ہی اقوال منقول ہیں۔[۲۹۹]

toobaafoundation.com

گناہ کی نذر کا مسئلہ:

اگر کسی نے گناہ کی نذر مانی یا ایسے امر مباح کی منت مانی جو طاعت نہیں ہوسکتا تو اس کو پورا کرنا واجب نہیں اور بالاجماع وہ نذر درست نہ ہوگی۔ امام اعظم کے نزدیک کلام لغو ہو جائے گا۔ اور جمہور کے نزدیک نذر نہیں ہوگی۔ لیکن کلام بھی لغو نہ ہوگا بلکہ قسم کے حکم میں آجائے گا۔ جہاں تک ہو سکے صحیح العقل کے کلام کو لغویت سے محفوظ رکھا جائے۔ نذر کے الفاظ میں چوں کہ پختہ تاکید ہوتی ہے اور اللہ کے نام کا ذکر ہوتا ہے، اس لیے کلام لفظاً قسم بن جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور معناً بھی وہ قسم ہوسکتا ہے کیوں کہ جس چیز کی منت کو واجب بنایا ہے لامحالہ اس کی ضد حرام ہوگی۔ لہذا جمہور کے نزدیک اس قسم کو توڑنا اور نذرِ معصیت کی صورت میں کفارہ قسم دینا واجب ہے۔ مگر نذرِ مباح کی صورت میں اختیار ہے۔ نذر کو پورا کرے یا توڑ کر کفارہ ادا کرے۔

جمہور کے اقوال کو ثابت کرنے والی مختلف احادیث ہیں۔ ایک حدیث تو حضرت عقبہ بن عامر والی ہی ہے کہ کفارۂ نذر وہی ہے جو کفارۂ قسم ہے۔ (رواہ مسلم) دوسری حضرت عمران بن حصین کی حدیث مرفوع ہے کہ معصیتِ خدا کی کوئی نذر جائز نہیں اور اس کا کفارہ، قسم کا کفارہ ہے۔ (رواہ نسائی، حاکم وبیہقی) اس روایت کا مدار محمد بن زبیر حنظلی پر ہے اور یہ راوی قوی نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر کی رائے ہے کہ یہ حدیث دوسرے طریقوں سے بھی منقول ہے جن کی اسناد صحیح ہیں، مگر ہے معلول، امام احمد اور اصحاب سنن اور بیہقی نے بوساطت زہریؒ از ابوسلمہؓ از ابو ہریرہؓ بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے مگر یہ سلسلہ منقطع ہے۔ ابوسلمہ نے ابو ہریرہ سے سماعت نہیں کی۔ اصحاب سنن نے یہ حدیث حضرت عائشہ کی روایت سے بھی نقل کی ہے لیکن اس سلسلہ میں ایک راوی سلیمان بن ارقم ہے جو متروک ہے۔ دار قطنی نے بھی حضرت عائشہ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ جس نے معصیت خدا کی منت مانی اس کا کفارہ، قسم کا کفارہ ہے۔ اس کی سند میں غالب بن عبداللہ متروک ہے۔ ابوداؤد نے کریب کی

toobaafoundation.com

وساطت سے حضرت ابن عباس کی جو روایت نقل کی ہے اس کی سند حسن ہے لیکن نووی نے لکھا ہے کہ معصیتِ خدا کی کوئی نذر درست نہیں، اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ باتفاق علمائے حدیث، یہ حدیث ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ طحاوی نے اس حدیث کو صحیح مانا ہے اور ابوعلی بن سکن نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول، اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، نے فرمایا: جس نے معیّن نذر مانی اس کا کفارہ، قسم کا کفارہ ہے اور جس نے گناہ کی منت مانی اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اور جس نے ایسی منت مانی جس کو ادا کرنے کی اس میں طاقت نہیں اس کا کفارہ، قسم کا کفار ہے اور جس نے قابل برداشت نذر مانی تو اس کو پورا کرے۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ) حضرت ثابت بن ضحاک کی روایت ہے کہ ایک شخص نے کسی خاص مقام پر، ایک روایت میں اس مقام کا نام ''بوانہ'' آیا ہے، اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی۔ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا جاہلیت کے دور میں وہاں کسی بت کی پوجا ہوتی تھی؟ لوگوں نے عرض کیا: نہیں، آپ نے فرمایا: کیا جاہلیت والوں کا کوئی خوشی کا میلہ وہاں لگتا تھا؟ لوگوں نے جواب دیا: نہیں، آپ نے فرمایا: تو اپنی نذر پوری کر۔ (رواہ ابوداؤد) اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اس حدیث کو عَمرُو بن شعیب نے اپنے باپ اور پردادا کی روایت سے نقل کیا ہے اور اسی طرح ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس کی روایت بھی لکھی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایسی چیز کی نذر مانی ہو جو نہ طاعت ہے نہ معصیت تو اس کو پورا کرنا چاہیے۔

عَمرُو بن شعیب کے باپ نے دادا کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا: یارسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، میں نے منت مانی تھی کہ آپ کی سر پر دف بجاؤں گی۔ اس کی مراد یہ تھی کہ آپ کی تشریف آوری پر آپ کے سامنے دف بجاؤں گی۔ حضور، صلی اللہ علیہ وسلم، نے فرمایا: اپنی منت پوری کر لے۔ یہ حدیث ابوداؤد نے نقل کی ہے۔[۳۰۰]

toobaafoundation.com

نذر معلق بالشرط کا مسئلہ:

نذر معلق بالشرط، بوقت تحقق شرط، نذر قطعی کے حکم میں ہے۔ ظاہر روایت میں امام اعظم کا یہی قول ہے۔ اور ابو یوسف کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام شافعی کا قول بھی ایک روایت میں یہی آیا ہے۔ امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں۔ مگر انھوں نے اس طرح کہا ہے کہ اگر کسی نے نذر مشروط کی صورت میں کل مال خیرات کرنے کی منت مانی اور شرط واقع ہوگئی تو ایک تہائی مال خیرات کرنا لازم ہے۔ باقی جو صورت بھی ہو ہر حالت میں جو منت مانی ہے اس کو پورا کرنا ضروری ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ امام اعظم نے قولِ مذکور سے رجوع کر لیا تھا اور فرمایا تھا کہ نذر معلق اگر پوری کرے تو خیر ورنہ کفارہ قسم ادا کرنا کافی ہے۔ یہی قول امام محمد کا ہے۔ صاحب ہدایہ اور دوسرے محققین حنفیہ نے کہا ہے کہ کفارہ قسم امام صاحب کے نزدیک اس شرط کے وقت کافی ہوگا جس شرط کا تحقق وہ چاہتا نہ ہو۔ مثلاً یوں کہے کہ اگر میں گھر کے اندر آجاؤں یا فلاں کام کروں یا فلاں شخص سے بات کروں تو مجھ پر حج یا ایک سال کے روزے لازم ہیں۔ اس نذر کو ''نذر حاج'' کہا جاتا ہے لیکن اگر شرط ایسی ہے جس کا وقوع وہ خود چاہتا ہے تو نذر پوری کرنا لازم ہے۔ مثلاً یوں کہا کہ اگر فلاں غائب شخص آجائے یا میرا دشمن مر جائے یا میرا فلاں کام ہو جائے یا میری بیوی کے لڑکا پیدا ہو تو مجھ پر یہ چیز لازم ہے تو اس صورت میں لامحالہ اس پر وہی چیز ادا کرنی لازمی ہوگی جو اس نے مانی ہے۔ اس نذر کا نام ''نذرِ تبرُّر'' ہے۔ اسی تفصیل کے امام احمد بھی قائل ہیں۔ اور ظاہر ترین روایت میں امام شافعی کا بھی یہی قول آیا ہے۔ ایک روایت میں امام شافعی کا ایک تیسرا قول بھی آیا ہے۔ جو ایک روایت میں امام احمد کی طرف بھی منسوب ہے کہ نذر حاج میں کفارہ قسم ہی واجب ہے، مانی ہوئی منت ادا کرنی جائز نہیں۔

سعید بن مسیب نے بیان کیا کہ دو انصاری بھائی کسی میراث کے مشترکہ

toobaafoundation.com

وارث ہوئے۔ ایک نے دوسرے سے تقسیم کی خواہش کی اس نے جواب دیا: اگر تو نے دوبارہ تقسیم کے لیے کہا تو میرا کل مال کعبہ کے منافع کے لیے ہے۔ حضرت عمر، رضی اللہ عنہ، نے فرمایا: کعبہ کو تیرے مال کی ضرورت نہیں۔ اپنی قسم کا کفارہ ادا کر اور اپنے بھائی سے کلام کر۔ میں نے رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، سے سنا ہے۔ حضور، صلی اللہ علیہ وسلم، فرما رہے تھے کہ تم پر نہ کوئی قسم پڑے گی نہ نذر، اگر اللہ کی نافرمانی یا قطع رشتہ داری یا ایسی چیز کے متعلق ہو جس کے تم مالک نہ ہو۔ (رواہ ابوداؤد) [۳۰۱]

تکلیف مالا یطاق کی نذر کا مسئلہ:

جس نے خارج از طاقت عبادت کی نذر مانی تو کفارہ دینا جائز ہے۔ امام اعظم کے نزدیک کفارہ لازم نہ ہوگا۔ صرف اللہ سے استغفار کرے۔

ہماری دلیل حضرت ابن عباس کی وہ حدیث ہے جو اوپر گزر چکی کہ جس نے خارج از طاقت چیز کی منت مانی اس کا کفارہ، قسم کا کفارہ ہے۔ حضرت عقبہ کی بہن کے قصے میں آیا ہے کہ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، نے فرمایا تھا کہ تیری بہن کے پیدل چلنے کی سخت تھکان سے اللہ کو کچھ فائدہ نہیں۔ وہ سوار ہو جائے اور سوار ہو کر حج کو جائے اور اپنی قسم کا کفارہ دیدے۔ (رواہ ابوداؤد) عبداللہ بن مبارک نے کہا کہ حضرت عقبہ بن عامر نے بیان کیا کہ میری بہن نے ننگے سر اور پیدل چل کر حج کو جانے کی منت مانی تھی اس کا تذکرہ حضور، صلی اللہ علیہ وسلم، کے سامنے آیا ارشاد فرمایا اپنی بہن سے کہہ دے کہ سر پر اوڑھنی اوڑھے سوار ہو اور تین روزے رکھے۔ (رواہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی اور طحاوی)

اختلاف احادیث کو دور کرنے کی توجیہ یہ ہے کہ شاید حضور، صلی اللہ علیہ وسلم، نے کفارہ کا حکم اس وقت دیا جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ وہ عورت نذر پوری کرنے سے عاجز ہے۔ واللہ اعلم [۳۰۲]

مزید تفصیل اگر کسی کو دیکھنی ہو تو تفسیر مظہری کی چھٹی جلد میں سورہ حج کی آیت نمبر ۲۹ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ کی تفسیر کے تحت نذر کے مسائل دیکھے۔ وہاں

toobaafoundation.com

قاضی صاحب نے نہایت تفصیل کے ساتھ ساڑھے ۲۱ صفحات میں (صفحہ ۲۸۴ تا ۳۰۵) نذر کے مسائل بیان کیے ہیں۔

تہجد کی نماز

فَاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ (سورہ مزمل: ۲۰)

قاضی صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں بتایا کہ قرأت کے لفظ سے نماز مراد ہے اور اس آیت کا اقتضاء ہے کہ قرأت کو رکن صلوٰۃ کہا جائے۔ قیام اور قرأت کے رکن صلوٰۃ ہونے پر تو اجماع ہے ہی اس آیت سے قیام محدود منسوخ ہو گیا لیکن مطلق نماز شب واجب رہی۔ پھر پنجگانہ نمازوں کی فرضیت کے بعد نماز تہجد کی فرضیت بالکل منسوخ ہو گئی اور تہجد بصورت نفل باقی رہی۔ اس سلسلہ میں اختلافات کا ذکر کرنے کے بعد قاضی صاحب نے جن پانچ مسائل کا اخراج کیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

تہجد کی نماز سنت یا نفل ہونے کا مسئلہ:

تہجد کی نماز سنت مؤکدہ ہے یا مستحبہ؟ یہ اختلافی مسئلہ ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ ہمارے لیے مستحبہ ہے اور رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، پر وفات کے وقت تک فرض تھی۔ قولی دلیل مفید استحباب ہوتی ہے اور فعلی مداومت بطور نفل نہ تھی اور سنت وہی فعل ہوتا ہے جس پر رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، نے مداومت بطور نفل کی ہو۔ لہذا تہجد کا استحباب باقی رہا۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں: میرے نزدیک صلوٰۃ تہجد سنن ہدیٰ میں سے ہے کیوں کہ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، کی اس پر مداومت ہمارے نزدیک بطور نفل تھی اور بطور وجوب بھی مداومت اگر مان لی جائے تب بھی کوئی حرج نہیں۔ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، کی کسی عمل پر مداومت، خواہ بطور وجوب ہو یا بطور نفل جس طرح بھی ہو، اس عمل کے مسنون ہونے پر دلالت کرتی ہے بشرطیکہ دوسروں کو اس سے روک نہ دیا گیا ہو جیسے کہ صوم وصال سے روک دیا گیا۔

toobaafoundation.com

تہجد کے سنت مؤکدہ ہونے پر حضرت ابن مسعود کی حدیث دلالت کررہی ہے۔ انھوں نے فرمایا: ایک آدمی کا رسول اللہ کے سامنے تذکرہ آیا کہ وہ صبح تک سوتا رہتا ہے تہجد کی نماز کو نہیں اٹھتا۔ فرمایا: وہ ایسا آدمی ہے کہ اس کے کان میں، یا فرمایا اس کے دونوں کانوں میں شیطان پیشاب کردیتا ہے۔ (متفق علیہ) مستحب کا ترک مستحق ملامت وعتاب نہیں بناتا۔[۳۰۳]

مقدار قرأت کا مسئلہ:

قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ آیت فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ کی تفسیر میں بعض علماء نے کہا کہ اس سے مراد پانچوں نمازوں میں قرآن کی قرات ہے۔ اس بات کا ثبوت پیش کرنے کے بعد قاضی صاحب نے مقدار قرأت کے مسئلہ پر درج ذیل بحث کی ہے۔

مقدار قرأت کتنی واجب ہے جس کے بغیر نماز درست نہیں، یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ ایک روایت میں امام اعظم کا قول یہ ہے کہ جتنی قرأت رکن صلوٰۃ ہے اور جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی وہ کم از کم اتنا حصہ ہے جس پر لفظ قرآن کا اطلاق کیا جاسکتا ہو۔ یعنی کسی انسان کے کلام کے مشابہ نہ ہو۔ اس روایت کا تقاضا ہے کہ ایک آیت سے کم کی قرأت بھی جواز صلوٰۃ کے لیے کافی ہے۔ قدوری نے اسی روایت پر اعتماد کیا ہے۔

امام اعظم کا ایک قول دوسری روایت میں یہ ہے اور یہی امام احمد کا بھی مسلک ہے کہ ایک آیت سے کم پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی۔ اس روایت کو صاحب ہدایہ نے اختیار کیا ہے۔

امام اعظم کی تیسری روایت یہ ہے کہ چھوٹی تین آیات، جیسے سورہ کوثر کی، اور بڑی ایک آیت جو تین آیات کے برابر ہو، پڑھنا لازم ہے۔ اتنی قرأت کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ امام محمد اور امام ابو یوسف کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن اس کے ساتھ امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد کا یہ بھی قول ہے کہ سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ ایک سورت (تین آیات یا ایک بڑی آیت) کی مقدار پڑھنی واجب ہے۔ اگر سہواً ترک

toobaafoundation.com

ہوگئی تو سجدہ سہو واجب ہے۔ اگر سہو نہ کیا اور قصداً چھوڑ دیا تو گنہگار ہوگا نماز کا اعادہ واجب ہے مگر فرض نہیں۔[۳۰۴]

نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ:

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک بغیر سورہ فاتحہ کے نماز ہی درست نہیں اور سورہ فاتحہ کے ساتھ کسی سورت کو ملانا مسنون ہے، واجب نہیں۔ ان ائمہ نے اپنے دعوے کے ثبوت میں یہ حدیث پیش کی ہے کہ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، نے فرمایا: لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب (جس نے فاتحہ کتاب نہیں پڑھی اس کی نماز ہی نہیں) (متفق علیہ) اس حدیث کے راوی عبادہ بن صامت ہیں۔ دار قطنی کی روایت میں ہے کہ لایجوز صلوٰۃ من لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب (جس نے فاتحۃ الکتاب نہیں پڑھی اس کی نماز جائز نہیں) دار قطنی نے اس حدیث کی سند کو صحیح بتلایا ہے۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے ان ہی الفاظ میں یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے نقل کی ہے۔ اس میں اتنا زائد ہے کہ راوی نے کہا اگر میں امام کے پیچھے ہوں؟ تو میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: دل مین پڑھ لیا کر۔ امام مسلم اور امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت اس طرح نقل کی ہے کہ جس نے نماز پڑھی اور اس میں ام القرآن (سورہ فاتحہ) نہیں پڑھی تو نماز ناقص ہے، ناقص ہے ناتمام ہے۔ (راوی کہتا ہے) میں نے کہا: اے ابو ہریرہ میں کبھی امام کے پیچھے ہوتا ہوں تو انھوں نے فرمایا: اے فارسی! اس کو دل دل میں پڑھ لیا کر۔ حاکم نے بطریق اشہب از ابوعتبہ بروایت ابو ہریرہ از محمد بن ربیع از عبادہ بن صامت مرفوعاً نقل کیا ہے کہ ام القرآن دوسری سورت کا تو بدل ہے لیکن کوئی دوسری سورت ام القرآن کا بدل نہیں۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ ہم نے حدیث فاتحۃ الکتاب کو جو مختلف الفاظ کے ساتھ مختلف راویوں کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ لاصلوٰۃ اِلا بفاتحۃ الکتاب کے معنی جو لوگ بیان کرتے ہیں کہ بغیر فاتحۃ الکتاب کے نماز

toobaafoundation.com

کامل نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ایک اور حدیث میں رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، نے فرمایا: لاصلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد مسجد کے ہمسایہ کی نماز بغیر مسجد کے نہیں ہوتی، یعنی کامل نہیں ہوتی۔ یہ توضیح حدیث غلط ہے۔ کیوں کہ دوسرے الفاظ سے جو یہ حدیث مروی ہے وہاں یہ تاویل نہیں چلتی۔ اس کے علاوہ لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب میں بفاتحۃ الکتاب جار مجرور فعل محذوف کے متعلق ہے اور جار مجرور جو کلام میں خبر واقع ہو اس کا تعلق کسی فعل عام سے ضروری ہے۔ اب لاصلوٰۃ الابفاتحۃ الکتاب کا مطلب ہوا نماز بغیر فاتحۃ الکتاب کے نہیں ہوتی۔ یعنی اس کا شرعی وجود نہیں ہوتا، وہ صحیح نہیں ہوتی۔ لیکن لاصلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد میں نفی کمال ہے۔ یعنی مسجد کے ہمسایہ کی بغیر مسجد کے نماز کامل نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں جار مجرور خبر نہیں ہے بلکہ خبر محذوف ہے اس لیے نفی کمال پر اجماع منعقد ہے۔ سورہ فاتحہ کی تقسیم والی حدیث بھی دلالت کر رہی ہے کہ بغیر سورہ فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی۔

امام اعظم نے اس حدیث کو بھی لیا ہے اور ایک اور حدیث کو بھی لیا ہے۔ جس کو مسلم، ابوداؤد اور ابن حبان نے روایت کیا ہے کہ لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب فصاعداً جس نے فاتحۃ الکتاب اور اس سے زیادہ کی قرأت نہ کی اس کی نماز نہیں۔ اس لیے بعض روایات میں آیا ہے کہ امام اعظم کے نزدیک سورہ فاتحہ کی قرأت اور اس کے ساتھ کوئی سورت ملانی واجب ہے۔

ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید کی روایت نقل کی ہے کہ: جس نے ہر رکعت میں الحمد اور کوئی سورت نہیں پڑھی، خواہ فرض نماز ہو یا فرض نماز نہ ہو، اس کی نماز نہیں۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

ابوداؤد نے بطریق ہمام از قتادہ از ابوبصرہ از ابوسعید، بیان کیا ہے کہ: حضرت ابوسعید نے کہا کہ: ہم کو رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، نے فاتحۃ الکتاب کو اور جو کچھ آسان ہو اس کو پڑھنے کا حکم دیا۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

toobaafoundation.com

امام ابوحنیفہ سورہ فاتحہ پڑھنے کو رکن صلوٰۃ نہیں کہتے کہ بغیر فاتحہ پڑھے نماز ہی جائز نہ ہو۔ کیوں کہ وہ اس معاملہ میں آیت فَاقْرَءُوْا مَاتَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ کے عموم پر عمل کرتے ہیں۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ قرآن پر خبر واحد سے زیادتی جائز نہیں گر موجب عمل ہے۔ اس لیے ہم فاتحہ اور ضم سورت دنوں کو واجب کہتے ہیں۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں: میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ قرأت فاتحہ اور ضم سورت دونوں نماز کے ارکان ہیں۔ دونوں کے بغیر نماز جائز نہیں۔ آیت فَاقْرَءُوْا سے رکنیت فاتحہ کی نفی پر استدلال صحیح نہیں کیوں کہ اس آیت کی تفسیر ظاہری طور پر یہی ہے کہ قرأت سے مراد پوری نماز شب ہے اور فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَاتَيَسَّرَ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامِ شب میں تخفیف کر دی، اب جتنی نماز بسہولت پڑھ سکتے ہو پڑھو۔ مقدار قرأت کا اس آیت میں بیان ہی نہیں ہے۔ آیت کو پنجگانہ نماز کی قرات سے متعلق قرار دینا ایک بعید تاویل اور ضعیف احتمال ہے جو وجوب کی دلیل نہیں بن سکتا۔ ایسی ضعیف تشریح کو اس قطعی حکم کا مرتبہ دینا، جس پر خبر واحد سے زیادتی جائز نہیں، کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ حدیث کو ساری امت نے قبول کیا ہے۔ جمہور کا اس پر عملی اجماع ہے۔ مسلسل نقل اور متواتر المعنی ہے کہ نہ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، نے نہ سلف وخلف میں سے کسی نے سورہ فاتحہ کے بغیر کبھی نماز پڑھی۔ ایسی متواتر المعنی خبر اور ایسی اجماعی نقل سے کتاب پر زیادتی بالاجماع صحیح ہے۔

حنفیہ نے رکنیت فاتحہ کی نفی پر ابوہریرہؓ والی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے۔ جس میں رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، نے فرمایا ہے جب تم نماز کو کھڑے ہو تو تکبیر کہو پھر جتنا قرآن میسر ہو پڑھو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے مطلق قرأت کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب تعیین فاتحہ پر دلالت کر رہی ہے۔ لہذا مطلق کو مقید پر حمل کیا جائے گا۔ اور دونوں حدیثوں پر عمل کیا جائے گا اور سورہ فاتحہ پڑھنے کو نماز کا رکن قرار دیا جائے گا۔

اس کے علاوہ حضرت ابوہریرہ کی روایت کردہ حدیث حضرت رفاعہ بن

toobaafoundation.com

رافع کے طریق سے ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے کہ حضور، صلی اللہ علیہ وسلم، نے فرمایا: جب نماز کو کھڑے ہو تو تکبیر کہو پھر ام القرآن پڑھو پھر جو کچھ چاہو پڑھو۔ امام احمد نے اس روایت کو بیان کیا ہے اور دار قطنی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں: پھر اللہ اکبر کہے اور ثناء کرے پھر ام القرآن پڑھے اور جس چیز کو پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے اور جو کچھ بآسانی پڑھ سکے پڑھے۔[۳۰۵]

امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ:

مقتدی پر قرأت فاتحہ واجب ہے یا نہیں؟ امام شافعی کے نزدیک منفرد اور امام کی طرح متقدی پر بھی قرأت فاتحہ واجب ہے۔ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہم سے اسی طرح منقول ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک واجب نہیں۔ امام اعظم کے نزدیک تو مقتدی کے لیے قرأت فاتحہ مطلقاً مکروہ ہے۔ امام مالک جہری نمازوں میں مکروہ کہتے ہیں۔ امام احمد کا قول ہے کہ سری نماز میں مقتدی کے لیے قرأت فاتحہ مستحب ہے اور جہری میں اس وقت مستحب ہے جب امام کسی آیت پر سکتہ کرے، امام کی قرأت کی حالت میں مکروہ ہے۔ زہری، امام مالک اور ابن مبارک سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت ابن عمر، حضرت عروہ بن زبیر اور ابوالقاسم بن محمد سے بھی یہی روایت ہے۔

قرأت امام کے وقت، مقتدی سے قرأت فاتحہ کا سقوط اس حدیث سے ثابت ہے جس کے راوی حضرت جابر ہیں کہ حضور، صلی اللہ علیہ وسلم، نے فرمایا: جس کے لیے امام ہو تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔ (رواہ احمد والدار قطنی من طریق جابر الجعفی) دار قطنی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ ابن جوزی کا بیان ہے کہ ثوری اور شعبہ نے اس کی توثیق کی ہے۔ دار قطنی نے اس حدیث کو ایک اور سند سے جس میں لیث راوی ہیں، نقل کیا ہے لیکن ابن علیہ نے لیث کو ضعیف کہا ہے۔ امام احمد نے یحییٰ بن سلام کے طریق سے حدیث ان الفاظ میں نقل کی ہے کہ: جس نماز میں ام الکتاب نہ پڑھی جائے وہ ناتمام ہے مگر اگر امام کے پیچھے ہو تو ناتمام نہیں۔ دار قطنی نے یحییٰ کو

toobaafoundation.com

ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن جوزی نے کہا: ہم نے نہیں دیکھا کہ کسی نے یحییٰ کو ضعیف قرار دیا ہو۔ دار قطنی، بیہقی اور ابن عدی نے کہا: صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے کیوں کہ حفاظ احادیث جیسے سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، ابوالاحوص، شعبہ، اسرائیل، شریک، ابن خلد، دالانی، جریر، عبدالحمید، زائدہ اور زہیر نے اس حدیث کو بروایت موسیٰ بن عائشہ بحوالہ عبداللہ بن شداد رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، سے مرسل نقل کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک مرسل حجت ہے اور ابن جوزی نے تو اس کے اتصال کی تضعیف کا ہی انکار کیا ہے اور امام ابوحنیفہ نے تو اس سند سے اس کو بیان کیا ہے جو شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ دیکھیے امام محمد نے موطا میں لکھا ہے: اخبرنا ابوحنیفة حدثنا ابوالحسن موسیٰ بن ابی عائشة عن عبدالله بن شداد عن جابر عن النبی، صلی الله علیه وسلم۔ احمد بن منیع نے مسند میں ایسی سند کے ساتھ اس حدیث کو بیان کیا ہے جو شرط مسلم کے موافق ہے۔ قال احمد اخبرنا اسحاق الارزق حدثنا سفیان وشریك عن موسیٰ ابن ابی عائشة عن عبدالله بن شداد عن جابر۔ اس مبحث کے سلسلہ میں کچھ اور احادیث بھی ہیں جو ضعیف ہیں۔ بخوف طوالت ہم نے ان کو ترک کر دیا ہے۔

ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ آیت فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ کا حکم ہر نمازی کے لیے عام ہے، پھر امام اعظم کے ضابطے کے مطابق اخبار احاد سے اس حکم کی تخصیص نہیں ہو سکتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اجماعاً یہ آیت عام مخصوص البعض ہے یعنی وہ شخص جس نے امام کو رکوع میں آکر پایا اس حکم سے بالاجماع الگ ہے۔ اس کے بعد متقدی کی تخصیص بھی جائز ہے۔

سرّی نماز میں قرأت فاتحہ کے مستحب ہونے کی دلیل حضرت عبادہ بن صامت کی روایت کردہ حدیث ہے۔ کہ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، نے فرمایا: اگر قرأت جہر کے ساتھ کی جائے تو تم میں سے کوئی قرآن کا کوئی حصہ نہ پڑھے سوائے

toobaafoundation.com

ام القرآن کے۔ اس حدیث کو دار قطنی نے بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ اس حدیث میں جہری نماز میں قرأت سے مقتدی کو منع فرمایا ہے۔ جہری کی خصوصیت چاہتی ہے کہ سرّی میں قرأت فاتحہ مستحب ہے۔ پھر ام القرآن کا استثناء چاہتا ہے کہ اس کی قرأت امام کے مختلف ٹھہراؤ کی حالت میں کی جائے تاکہ تمام احادیث پر عمل ہو جائے اور آیت وَاِذَا قُرِءَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا کی بھی تعمیل ہو جائے۔ صحابہ کرام کی ایک جماعت سے قرأت خلف الامام کا ترک منقول ہے۔ امام مالک نے موطا میں بروایت نافع بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عمر امام کے پیچھے قرأت فاتحہ نہیں کرتے تھے۔ طحاوی نے زید بن ثابت اور حضرت جابر کا قول نقل کیا ہے کہ امام کے پیچھے نماز کے کسی حصہ میں قرأت نہ کرو۔

امام محمد نے موطا میں لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود سے امام کے پیچھے قرأت کا مسئلہ پوچھا گیا فرمایا خاموشی کے ساتھ متوجہ رہو کیوں کہ نماز میں قرأت سے روکنے والی چیز موجود ہے۔ اور امام تمہارے لیے کافی ہے۔ محمد بن سعد نے کہا: جو امام کے پیچھے قرأت کرے، میں چاہتا ہوں کہ اس کے منہ میں انگارے بھر دوں۔ عبدالرزاق نے بھی ایسی ہی روایت نقل کی ہے مگر اس میں انگاروں کی جگہ پتھر کا لفظ آیا ہے۔ امام محمد نے بروایت داؤد بن قیس از عجلان بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا: جو امام کے پیچھے پڑھتا ہے کاش اس کے منہ میں پتھر دوں۔ ابن ابی شیبہ نے مصنّف میں حضرت جابر کا قول نقل کیا ہے کہ امام جہر کے ساتھ پڑھے یا پوشیدہ اس کے پیچھے قرأت نہ کی جائے۔

ان اقوال سے مطلق قرأت کی کراہت امام کے پیچھے ثابت ہوتی ہے، چاہے نماز جہری ہو یا سری۔ جہری نماز میں ترک قرأت اس آیت کا مقتضا ہے: وَاِذَا قُرِءَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا اور رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، نے بھی ارشاد فرمایا تھا: اِذَا قُرِءَ فَاَنْصِتُوْا ۔ قرأت کی جائے تو خاموشی کے ساتھ متوجہ رہو۔ اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے بیان

toobaafoundation.com

کیا ہے۔[۳۰۶]

ہر رکعت میں قرأت کا مسئلہ:

کیا فرض اور نفل کی ہر رکعت میں قرأت واجب ہے؟ امام شافعی، امام احمد اور امام مالک کے نزدیک ہر رکعت میں علی الاطلاق واجب ہے کیوں کہ رکوع وسجود کے حکم کی طرح، قرأت کا بھی حکم ہے۔ صرف امام مالک کا یہ قول ایک روایت میں آیا ہے کہ اگر تین چار رکعتوں والی فرض نماز کی ایک رکعت میں قرأت ترک کردی تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔ امام ابوحنیفہ وتر اور نفل کی ہر رکعت میں وجوب قرأت کے قائل ہیں مگر اس حد تک نہیں کہ ترک قرأت سے سجدہ سہو واجب ہو جائے۔

امام ابوحنیفہ جو نفل میں ہر رکعت کے اندر وجوب قرأت کے قائل ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ نفل کا ہر دوگانہ مستقل نماز ہے۔ ہاں فرض کے اندر صرف دو رکعتوں میں قرأت واجب ہے۔ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ صرف ایک رکعت میں قرأت کو واجب کہا جاتا کیوں کہ امر تکرارِ تعمیل کا مقتضی نہیں ہوتا لیکن جب دو رکعتوں میں ہم قرأت اور مقدار قرأت کے قائل ہیں تو ان کے ساتھ آخری رکعت یا آخری رکعتوں کو اس حکم میں شریک نہیں کیا جا سکتا۔ امام ابوحنیفہ کے اس قول کا مدار یہ امر ہے کہ آیت فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ کو پنج گانہ نمازوں کی قرأت کے متعلق قرار دیا جائے۔ مگر یہ بات قابل تسلیم نہیں۔

جمہور کے قول کا ثبوت مختلف احادیث سے ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھی۔ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، اس وقت مسجد میں ہی تشریف فرما تھے۔ نماز پڑھ کر وہ شخص خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور سلام کیا۔ حضور اقدس، صلی اللہ علیہ وسلم، نے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا: لوٹ کر جاؤ، نماز پڑھو، کیوں کہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ اسی طرح اس نے تین بار کیا۔ آخر میں اس نے عرض کیا: قسم ہے اس کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے، میں اس کے علاوہ اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ مجھے سکھا دیجیے۔ ارشاد فرمایا: جب نماز کو کھڑے

toobaafoundation.com

ہوتو اللہ اکبر کہو پھر جتنا قرآن بسہولت پڑھ سکو پڑھو، پھر رکوع کرو، جب اطمینان سے رکوع کرلو تو سر اٹھا کر سیدھے کھڑے ہو، پھر سجدہ کرو، اطمینان سے سجدہ کر چکو تو سر اٹھاؤ اور ٹھیک ٹھیک بیٹھ جاؤ۔ پھر تمام نماز اسی طرح پوری کرو۔ متفق علیہ۔ اسی حدیث کی طرح رفاعہ رزقی نے بھی بیان کیا ہے۔ جس کو احمد ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے نقل کیا ہے۔

حضرت ابوقتادہ کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، ظہر اور عصر کی اول دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں اور پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ اور فجر وظہر کی پہلی رکعت لمبی پڑھتے تھے۔ (متفق علیہ)

ان احادیث کو جب حدیث صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّيْ جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھو اسی طرح نماز پڑھو، کے ساتھ دیکھا جائے تو یہ حدیثیں مجمل کتاب کا بیان ہو جاتی ہیں۔

حضرت ابودرداء کی روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، کیا ہر نماز میں قرآن ہے؟ فرمایا: ہاں، یہ سن کر ایک انصاری بولا یہ واجب ہوگیا۔

اگر شبہ کیا جائے کہ یہ تمام احادیث آحاد ہیں اور خبر واحد سے قرآن پر زیادتی جائز نہیں، تو ہم جواب دیں گے کہ اصولِ فقہ کے اس ضابطہ کو ماننے کے بعد بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب قرآن کی کسی خاص حکم پر دلالتِ قطعی ناقابل تاویل ہو اور آیت فَاقْرَءُوا تو مختلف تاویلات کا احتمال رکھتی ہے۔ اور جس قرأت کا نماز کے لیے حکم دیا گیا ہے وہ مجمل ہے۔ احادیثِ آحاد اس کا بیان ہو سکتی ہیں۔ واللہ اعلم ۳۰۷

تفسیر مظہری میں تصوف کا عنصر:

تصفیۂ نفس اور تزکیۂ باطن کا نام تصوف ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں سے یہی چاہتا ہے کہ وہ اپنے ظاہر اور باطن کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے وقف کر دیں، تمام اشغال اور موانع سے دل کو منقطع کر کے اپنے خالق و مالک کی محبت سے اس کو

toobaafoundation.com

معمور کرلیں اور اپنے تمام اعمال میں اخلاص پیدا کرلیں۔ اسلام نے اس کمال کے حصول کے لیے دو چیزیں عطا کی ہیں۔ کتاب اللہ وسنۃ رسولہ۔ کتاب اللہ کی افہام وتفہیم کے لیے تفسیری ادب وجود میں آیا۔ مسلمانوں کے سیاسی اور مسلکی اختلافات ومناقشات نے تفسیر کو بڑے نازک دور میں داخل کردیا۔ علمائے دینیات اور متکلمین اپنی اپنی اغراض کے لیے تفسیر کو استعمال کرنے لگے اور قریب تھا کہ فلسفیانہ موشگافیاں مسلمانوں کو قرآنی روح سے برگشتہ کردیں کہ صوفیائے کرام نے تفسیری ادب میں ایک نئی روح پھونکی۔ انسانی زندگی کے دو مرکزی موضوع، روحانی تقدس اور دنیا کی بے بضاعتی، کو تفسیری ادب کا موضوع بنایا اور خالص اسلامی روح پیش کرنے کی سعیٔ بلیغ کی۔ صوفیاء کا خیال ہے کہ علمائے ظاہر دنیاوی لالچ میں آکر فریب کھاجاتے ہیں جس کی وجہ سے قرآن کے حقیقی معنی سمجھنے میں ان سے کوتاہی سرزد ہوجاتی ہے۔ جس طرح بلاطہارت قرآن کا چھونا ممنوع ہے اسی طرح تصفیہ نفس اور تزکیہ باطن کے بغیر قرآن کا سمجھنا مشکل ہے۔[۳۰۸]

قاضی ثناء اللہ پانی پتی مفسر، محدث، فقیہ، محقق، مجتہد، قاری، لغوی، نحوی اور مؤرخ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ صوفی، عارف باللہ اور شیخ کامل بھی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تفسیر مظہری میں علمی تحقیقات کے ساتھ ساتھ قاضی صاحب نے اہل باطن کے طریقے پر بھی آیات کا مطلب عام فہم زبان میں بیان کیا ہے۔ اور بعض جگہ اولیاء کرام کے مکاشفات، روحانی سیر، فنا اور بقا اور دیگر بہت سی منازل سلوک اور باطنی کیفیات کا بیان کیا ہے۔ نمونے کے طور پر چند مقامات کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔

صوفیاء کا طریقہ اختیار کرنے کا لزوم:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَھَا (البقرہ:۲۸۶)

اس آیت کی طویل تفسیر بیان کرتے ہوئے قاضی صاحب نے یہ ثابت کیا ہے کہ رذائل نفس کا مواخذہ اعمال بدنیہ کے مواخذہ سے زیادہ سخت ہے۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں: اگر بندہ اپنی امکانی کوشش کرے اور مجاہدے کے ذریعہ امراض

toobaafoundation.com

باطنی کو دور کرنے کی جدوجہد کرے اور خواہش نفس کے پیچھے نہ پڑے اور رذائل نفس کو دور کرنے کے لیے فقراء کے دامن سے وابستہ ہو جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اندرونی معاصی معاف فرمادے گا اور مواخذہ نہ کرے گا کیوں کہ اپنی طاقت سے زیادہ بندہ مکلف نہیں اور ممنوعاتِ خداوندی پر کاربند ہونے کی وہ امکانی کوشش کر چکا لیکن جو شخص اپنے اندرونی عیوب کی طرف توجہ ہی نہ کرے اور رذائل نفس کو دور کرنے کا اس کا ارادہ ہی نہ ہو، وہ یقیناً دوزخ میں جائے گا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صوفیاء کے طریقہ پر چلنا اور فقراء کے دامن سے وابستہ ہونا ایسا ہی فرض ہے جیسے کتاب اللہ کی تلاوت اور اس کے احکام کو سیکھنا۔ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، نے فرمایا تھا: ''میں نے تم میں دو عظیم الشان چیزیں چھوڑی ہیں۔ کتاب اللہ اور اپنی آل''۔ پس اللہ کی کتاب کو استنباط احکام، درستئی اعمال، نصیحت پذیری اور مدارج قرب کی ترقی کی لیے پکڑنا ضروری ہے اور مرضی مولیٰ کے مطابق باطن کی صفائی اور نفس کے تزکیہ کی لیے آل رسول کے دامن سے وابستہ ہونا لازم ہے''۔[۳۰۹]

سورہ نباء کی آیت فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ مَآبًا کا مطلب بھی قاضی صاحب نے یہ لکھا ہے کہ یعنی جو چاہے طاعت خدا، اتباع انبیاء اور مجذوب و سالک اہل ہدایت کی پیروی کر کے اللہ کے قرب کا راستہ اختیار کرے۔[۳۱۰] اسی طرح سورہ فجر کی آخری آیت کی تفسیر کا اختتام قاضی صاحب یوں کرتے ہیں کہ: بعض صوفیاء نے اس آیت کی تفسیر اس طرح کی کہ اے نفس جو دنیا پر مطمئن ہو بیٹھا ہے، دنیا چھوڑ کر اللہ کی طرف رجوع کر اور صوفیاء کے راستہ پر چل کر اللہ کی طرف چل۔[۳۱۱]

مدارج سلوک کی ترتیب:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (سورۂ اعلیٰ: ۱۴-۱۵)

ان آیات کی کافی طویل تفسیر بیان کرنے کے بعد قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ: ہمارے شیخ اعظم یعقوب کرخی نے فرمایا: اس آیت میں مدارج سلوک کی طرف

toobaafoundation.com

اشارہ ہے۔(۱) توبہ اور تزکیہ کی طرف قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی سے اشارہ ہے۔(۲) زبانی، قلبی، روحی اور سری ذکر کی پابندی کی طرف وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ سے اشارہ ہے۔ (۳) مشاہدہ کے دوام کی طرف فَصَلّٰی سے اشارہ ہے کیوں کہ نماز اہل ایمان کی معراج ہے۔ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، نے ارشاد فرمایا: میری آنکھ کے لیے خنکی نماز میں کردی گئی ہے۔ (احمد، نسائی، حاکم، بیہقی)

میں کہتا ہوں کہ تزکّٰی پر ذَکَرَ کا واو کے ساتھ اور صلّٰی کا فا کے ساتھ عطف، طریقہ ذکر کی اس ترتیب کو بتا رہا ہے جس کا تذکرہ حضرت مجدد الف ثانی نے کیا ہے۔ تزکیہ، نفس کے ذیل میں مجدد صاحب نے مبتدی کے لیے اسم ذات یا نفی واثبات کے ذکر کو معین کر دیا ہے اور فرمایا ہے کہ بغیر تزکیہ نفس کے نماز کا پورا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ پھر تجلیات ذاتیہ کی ترقی کے لیے مجدد صاحب نے نماز کی تعیین کی ہے، کیوں کہ نماز کے بغیر تجلیات ذاتیہ کا نہ حصول ہوتا ہے نہ ان میں ترقی۔[۳۱۲]

مدارج فنائیت:

وَمَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَزِدْلَهٗ فِیْهَا حُسْنًا (الشوریٰ:۲۳)

اس آیت میں قاضی صاحب حسنہ سے مراد رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، آپ، کی آل اور نائبوں کی محبت لیتے ہیں اور اس طرح تفسیر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حسنہ میں اور خوبی بڑھا دیتا ہے نَزِدْلَهٗ فِیْهَا حُسْنًا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آل رسول یعنی مشائخ طریقت کی محبت کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، کی محبت بڑھ جاتی ہے اور محبت رسول کی ترقی سے اللہ تعالیٰ کی محبت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے مشائخ صوفیہ کہتے ہیں کہ صوفی کو پہلے فنا فی الشیخ کا درجہ حاصل ہوتا ہے پھر فنا فی الرسول کا اور آخر میں فنا فی اللہ کا۔ فنا سے مراد ایسی شدتِ محبت ہے کہ محبوب کی یاد کے وقت نہ اپنا پتا رہے نہ کسی دوسرے کا۔ سوائے محبوب کے ہر نشان مٹ جائے۔[۳۱۳]

toobaafoundation.com

عمل صالح کے لیے فنائے نفس:

فَمَن كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا (کہف:۱۱۱)

طویل تفسیر بیان کرنے کے بعد قاضی صاحب تصوف کے نقطۂ نظر سے اس آیت کو اس طرح دیکھتے ہیں:

فَمَن كَانَ يَرْجُوا جو اللہ کا بے کیف قرب اور نزول خداوندی کا خواستگار ہے اور اس بے کیف وصل کا امیدوار ہے کہ مرتبۂ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی پر پہنچ جائے تو فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا نیک کام کرے یعنی پہلے نفس اور نفس کے عیوب کو فنا کردے۔ اس کے بعد نیک کام کرے۔ عیوب نفس، نیک عمل کو تباہ کردیتے ہیں۔ عمل میں صلاح، فنائے نفس کے بعد ہی پیدا ہوتی ہے وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا اور کسی کو اپنے رب کی عبادت میں شریک نہ کرے۔ یعنی اللہ کے سوا اس کے دل کا تعلق کسی سے نہ رہے۔ نہ علمی تعلق نہ محبت کا تعلق۔ علمی تعلق کا نام ذکر ہے اور ذکر عبادت ہے اور محبت مقتضیٰ عبادت ہے۔ محبوب معبود ہوتا ہے۔ عبادت کا مطلب ہے انتہائی فروتنی اور اپنے کو حقیر سمجھنا۔ اور محبوب کے سامنے انتہائی فروتنی کرنا گویا اس کی عبادت کرنا ہے۔ پس عبادت میں شرک نہ کرنے کا مطلب ہوا: دل کا غیر اللہ سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھنا۔

یہاں ایک شبہ یہ پیدا ہوا کہ اللہ کے سوا دوسروں سے دل کا علمی تعلق تو اولیاء اور انبیاء کا بھی ہوتا ہے اس کا ازالہ قاضی صاحب نے اس طرح کیا ہے:

فنائے قلب کے بعد جو علم حاصل ہوتا ہے اس کا محل قلب نہیں ہوتا۔ اسوقت تو قلب پر تجلیات رحمٰن کا نزول ہوتا ہے لیکن چوں کہ بندہ اس وقت بھی مکلف ہی ہوتا ہے۔ اس لیے دوسری چیز سے اس کا تعلق باقی رہتا ہے۔ حقیقی آویختگی تو کسی چیز سے باقی نہیں رہتی۔[۳۱۴]

toobaafoundation.com

فنائے قلب:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ (کہف:۲۴)

اس آیت کی تفسیر میں مختلف مباحث بالتفصیل بیان کرنے کے بعد صوفیانہ نقطۂ نظر سے قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ آیت کا مطلب برقول صوفیا یہ ہے کہ جب اللہ کے سوا تم ہر چیز کو بھول جاؤ اس وقت خالص دل سے اللہ کی یاد کرو۔ اللہ کی ہمہ وقت یاد اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک ماسوا کے تصور کو دل سے ہٹا نہ دیا جائے۔ عام طور پر دل کی حالت بدلتی رہتی ہے۔ یکسوئی عموماً نہیں رہتی۔ اور ظاہر ہے کہ آدمی کے دو دل تو ہیں نہیں۔ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّن قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ[۳۱۵] کہ ایک میں یاد خدا جمی رہے اور دوسرے میں مخلوق کا ذکر قائم رہے۔ دل ایک ہی ہے۔ جب اس میں ماسوی اللہ کا تصور ہوگا تو اللہ کی یاد میں فتور آجائے گا۔ اور اللہ کے سوا اگر ہر چیز کو دل فراموش کر دے گا اور ماسوی اللہ کے تصور کو ہٹا دے گا تو دل ہر دم یاد الٰہی میں مشغول اور غرق رہے گا اسی کو فنائے قلب کہتے ہیں جب تک فنائے قلب کا درجہ حاصل نہ ہو جائے اس وقت تک صوفیاء سالک کو موحد نہیں مانتے۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں: صوفیاء کی تشریح ہی کتاب اللہ کی صراحت اور عربی قوانین لغت کے زیادہ مناسب ہے۔ اس پر مجازی معنی کی طرف رجوع بھی نہیں کرنا پڑتا۔ ذرا غور کیجیے اِذَا نَسِيْتَ کا تعلق اُذْكُرْ سے ہے، یعنی بھولنے کے وقت اللہ کی یاد کرو۔ بھولنا اور یاد کرنا دو متضاد فعل ہیں۔ ایک وقت میں دونوں کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔ لامحالہ مجازی معنی مراد لینا ہوگا۔ دونوں فعل جدا جدا مختلف اوقات اور مختلف حالات میں ظاہر ہوں گے اور آیت میں تاویل کرنی پڑے گی۔ کوئی بھی تاویل کی جائے مجاز کی طرف رجوع کیے بغیر چارہ نہ ہوگا۔ البتہ صوفیاء کا قول مبنی بر حقیقت ہے۔ ذِكْرِ رَبّ نسیان ماسوا کے وقت ہی ہوتا ہے اور اُسی کو ذکر رب کہتے ہیں۔ جس میں ماسوا کا نسیان ہو جائے۔[۳۱۶]

toobaafoundation.com

فنائے قلب کے لیے شیخ کی وساطت:

فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ (معارج:۴)

اس آیت کی تفسیر بیان کرنے کے بعد قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ صوفی کو فنائے قلب کا مرتبہ، اللہ کی کشش، نبی کریم، صلی اللہ علیہ وسلم، اور مشائخ کے وسیلہ سے حاصل ہوتا ہے، لیکن شیخ کی کشش کے بغیر اگر کوئی خود عبادت اور ریاضت سے اس مرتبہ پر پہنچنا چاہے گا تو وہ پچاس ہزار برس میں پہنچے گا۔ اور اتنی مدت تک کسی کا زندہ رہنا بلکہ دنیا کا باقی رہنا ہی تصور کی رسائی سے باہر ہے۔ تو لامحالہ کسی شیخ کی وساطت اور الٰہی کشش کے بغیر معمولاً فنائے قلب محال ہے۔ البتہ غیر معمولی طور پر بغیر توسط شیخ براہِ راست روحانی کشش، جیسا کہ اویسی فرقہ والوں کو ہو جاتی ہے، ممکن ہے مگر وہاں بھی توسط نبی کی ضرورت ہے۔ واللہ المستعان۔[۳۱۷]

مراتبِ محبت:

وَاَلْقَیْتُ عَلَیْکَ مَحَبَّۃً مِّنِّیْ (طٰہٰ:۵۰)

شیخ مجدد الف ثانی نے فرمایا: کلیم کا مبدأ تعین خالص مُحِبِّیَّتْ ہے۔ اسی لیے آپ اہل محبت کے سرِ سالار ہو گئے اور رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، کا مبدأ تعین خالص محبوبیت ہے۔ اس لیے آپ محبوبوں کے سرگروہ قرار پائے۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں: صوفی بنظر کشف دیکھتا ہے کہ محبت کا ایک دائرہ ہے۔ اس دائرہ کا ایک محیط ہے اور ایک مرکز۔ پھر اُس مرکز کا بھی ایک محیط ہے اور ایک وسطی نقطہ۔ پس دائرہ محبت کے محیط کا نام خُلَّتْ ہے۔ حضرت خلیل اللہ کا مبدأ تعین یہی خُلَّتْ ہے۔ اور دائرہ محبت کا مرکز خالص محبت ہے۔ اور یہی محبت کلیم اللہ کا مبدأ تعین ہے۔ جس طرح مرکز محیط سے افضل، اعلیٰ اور وسیع تر ہوتا ہے اسی طرح مقام محبت کو مقام خلت پر فضیلت حاصل ہے۔ اور مرکز کی نسبت محیط سے ایسی ہے جیسے چاند کی نسبت اس کے ہالہ سے۔ مرکز کی بھی دو حیثیتیں ہیں:

toobaafoundation.com

ایک مرکز کا کنارہ اور محیط۔ دوسری مرکز کا وسطی نقطہ۔ پس مقام مُحِبِّیَّت مرکز کا محیط ہے اور یہی کلیم اللہ کا مبدأ تعین ہے اور مرکز کا وسطی نقطہ، مقام محبوبیت ہے جو حبیب اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، کا مبدأ تعین ہے۔ آپؐ خالص، بے آمیزش محبوبیت کے مرکزِ دائرہ تھے۔ محیط دائرہ محبوبیت یعنی مخلوط محبوبیت آپ نے اپنی امت کے بعض افراد کے لیے چھوڑ دی۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں: جس فرد امت کے لیے مخلوط محبوبیت چھوڑی گئی وہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی کی ہی شخصیت گرامی تھی۔[۳۱۸]

نفس کی ماہیت وحالت:

سورہ نازعات کی پہلی آیت کی تفسیر میں قاضی صاحب مومن اور کافر کی روح قبض کیے جانے کا حال بیان کرنے کے بعد نفس کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں کہ جسمِ کثیف کی طرح نفس بھی ایک جسم ہے مگر لطیف، جو بدن میں نفوذ کیے ہوئے ہے۔ اور عناصر اربعہ کی پیداوار ہے۔ روح، قلب اور دوسرے غیر مادی جواہر ممکنہ، جن کا وجود عالم امر سے تعلق رکھتا ہے، اس پر حاکم ہیں۔ چوں کہ جواہرِ مجردہ لطیف اور غیر مادی ہیں اس لیے کشف کی نگاہ سے ہی عالمِ مثال میں عرش کے اوپر ان کی ہستی دیکھی جاتی ہے۔ مادی نظر سے اس عالمِ خلق میں ان کو نہیں دیکھا جاسکتا۔ بقول صوفیاء ارواح کے سامنے نفوس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کمالِ قدرت سے اس طرح قائم کیا ہے جیسے سورج کے سامنے آئینہ سورج کی کرنوں سے بھر جاتا ہے اور جگمگا جاتا ہے، اسی طرح روح کا فیضان نفس پر ہوتا ہے۔ یا نفس چاند کی طرح اور روح سورج کی طرح ہے۔ فلاسفہ کہتے ہیں کہ چودھویں کا چاند سورج کی روشنی سے بھرپور روشن ہوتا ہے۔ پس بدن کی زندگی تو نفس کی وجہ سے ہے اور نفس کی حیات روح کی وجہ سے۔ میعاد مقررہ پر نفس کو بدن سے کھینچ لیا جاتا ہے لیکن نفس کے کھنچ جانے سے روح نہیں کھینچتی اور روح مجرد کا تعلق منقطع نہیں ہوتا۔[۳۱۹]

نفس کی عام طور پر تین حالتیں ہوتی ہیں جن کو اقتضائے حال کے مطابق

toobaafoundation.com

تین ناموں سے سمجھا جاتا ہے۔ نفس امارہ، نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ۔ تفسیر مظہری میں ان کی جو تعریفیں پائی جاتی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

سورہ یوسف کی آیت ۵۳ کے الفاظ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ کی تفسیر میں قاضی صاحب لکھتے ہیں: نفس سے مراد نفس حیوانی ہے جو عناصر اربعہ سے پیدا ہوتا ہے۔ قلب اور روح جو عالم امر کے لطائف میں سے ہے، ان کا حامل یہی نفس ہے۔ چوں کہ اس نفس کا تولیدی مرکز عناصر اربعۂ مادیہ ہیں اس لیے اس کا بالطبع میلان حیوانی خواہشات اور اخلاق رذیلہ کی جانب ہے۔ چنانچہ غضب وغرور، عنصر نار کا مقتضیٰ ہے۔ دنائت وخِسّت (نالائقی وکمینگی) کا اقتضاء زمین ہے۔ نیرنگی اور فقدانِ صبر، پانی کی خصوصیت ہے۔ تفریح ودل لگی اور لہوولعب، ہوا کا کرشمہ ہے۔[۳۱۰]

سورہ قیامہ کی دوسری آیت کی تفسیر میں نفس لوامہ کا حال بیان کرتے ہوئے قاضی صاحب صوفیانہ انداز میں فرماتے ہیں: نفس تو بدی کا حکم دیتا ہی ہے لیکن اگر آدمی کوشش کر کے ذکرِ الٰہی کرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کشش بھی اس کی مددگار ہو تو اپنے نفس کی برائی اس پر کھل جاتی ہے اور وہ اپنے نفس کو ماسوی اللہ میں مشغول پاتا ہے۔ اور مخلوق سے کامل طور پر تعلق منقطع کر لینے پر اس کو قدرت نہیں ہوتی تو اس وقت وہ خود اپنے کو ملامت کرتا ہے۔ اس مرتبہ میں پہنچ کر نفس کو نفسِ لوامہ کہا جاتا ہے۔ لیکن جب اس کو فنافی اللہ اور بقاباللہ کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے اور وہ ماسوی اللہ کے تعلق سے بالکل آزاد ہو جاتا ہے اور ذکر الٰہی سے ہی اس کو اطمینان نصیب ہوتا ہے تو اس مرتبہ پر اس نفس کو نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے۔[۳۱۱]

نیز نفس مطمئنہ کا حال سورہ فجر کی آیت ۲۷ کی تفسیر میں قاضی صاحب نے اس طرح بیان کیا ہے: نفس مطمئنہ وہ نفس ہے جس کو اللہ کی یاد اور طاعت سے ایسا سکون حاصل ہوتا ہے جیسا مچھلی کو پانی میں حاصل ہوتا ہے۔ ایسا سکون اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب نفس کو امارہ بنانے والی رذیل صفات سے بالکل پاک کر لیا جائے اور اوصاف قبیحہ زائل کر دیئے جائیں۔ مگر ان ناپاک اوصاف کا ازالہ اسی وقت ممکن ہے جب اللہ تعالیٰ کے اوصافِ حسنہ کا پرتو پڑ جائے اور نفس ان جلوہ پاشیوں میں

toobaafoundation.com

فنا ہو کر بقا باللہ حاصل کرے۔ اس مرتبہ پر پہنچ کر ہی حقیقی ایمان حاصل ہوتا ہے۔[۳۱۲]

تفسیر مظہری کا تنقیدی پہلو

تفسیری ادب میں جو بے سروپا واقعات اور روایات داخل ہو گئے ہیں، قاضی صاحب نے ان پر سخت تنقید کی ہے اور ان کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ مثال کے طور پر عوج بن عنق کے قد کی بعید از قیاس لمبائی کو قاضی صاحب نے یہ کہہ کر تسلیم نہیں کیا کہ:

''اس میں بعید از عقل مبالغہ ہے۔ علمائے حدیث نے ان خرافات کا انکار کیا ہے۔ صرف اتنی بات ضرور تسلیم کی گئی ہے کہ اس دراز قامت قوم میں عوج سب سے بڑا اور قوی الجثہ شخص تھا۔ ساری قوم قد آور اور طاقت ور تھی۔[۳۱۳]

اسی طرح فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا (مائدہ:۲۴) کے بارے میں جو بعض علماء نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل نے یہ بات خدا اور رسول کی اہانت کے طور پر کہی تھی ان کو اللہ اور اس کے رسول کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ اس بات کو قاضی صاحب تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ: یہ بات غلط ہے ورنہ ان کا کافر ہونا لازم آجائے گا (کیوں کہ اہانت خدا اور رسول موجب کفر ہے) اور کافر ہونے کے بعد حضرت موسیٰ کے ساتھ رہنا ناممکن تھا۔ وہ لوگ تو حضرت موسیٰ کی ساتھ تھے۔ من وسلویٰ اُنھیں پر اترتا تھا۔ اَبر اُن ہی پر سایہ افگن رہتا تھا۔ پتھر سے چشمے اُن ہی کے لیے بہائے گئے۔ اس لیے آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ جائیں اللہ آپ کی مدد کرے۔[۳۱۴]

قاضی صاحب نے تفسیر کے ثبوت کے لیے بکثرت احادیث کو پیش کیا ہے لیکن جو احادیث پیش کی ہیں ان پر بھی تنقیدی نظر ڈالی ہے اور ان کے ضعف وقوی کو ظاہر کیا ہے۔ مثال کے طور پر دار قطنی کی یہ حدیث کہ ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، نے فرمایا کہ اے مکہ والو! چار برید سے کم کی مسافت میں قصر مت کرو اور چار برید کی مقدار اس قدر ہے، جیسے مکہ سے عسفان تک۔ قاضی صاحب اس کے راویوں پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ لیکن اس کی سند میں اسمعیل بن عیاض ضعیف راوی ہے اور عبدالوہاب بہت ہی ضعیف ہے۔ اپنے اس بیان کے

toobaafoundation.com

ثبوت میں قاضی صاحب ائمہ احادیث کے اقوال بھی پیش کرتے ہیں کہ امام احمد اور یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ عبدالوہاب کچھ نہیں اور سفیان ثوری فرماتے ہیں: کذاب ہے اور نسائی نے کہا ہے متروک الحدیث ہے۔[۳۱۵]

اگر کوئی حدیث ایسی ہے جس کو کسی نے ضعیف قرار دیا ہے اور قاضی صاحب کے نزدیک وہ صحیح ہے تو اس کو قاضی صاحب نے مع دلائل صحیح ثابت کیا ہے۔ مثال کے طور پر یہ حدیث کہ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، نے فرمایا ہے کہ حالت احرام میں جس کا کوئی عضو شکستہ ہو جائے یا لنگڑا ہو جائے تو وہ حلال ہو گیا اور آئندہ سال اس کے ذمے ایک حج ہے (رواہ الترمذی وابوداؤد ونسائی وابن ماجہ ودارمی) اور ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ لیکن بغوی نے اس کی تضعیف کی ہے۔ قاضی صاحب کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔ چنانچہ قاضی صاحب نے اس کے ضعیف کہنے کے وجوہ تلاش کیے ہیں اور اپنی تحقیق اس طرح پیش کی ہے کہ میں کہتا ہوں کہ اس کو ضعیف کہنے کی اس کے سوا کوئی وجہ نہیں کہ اس کی سند میں یحییٰ بن کثیر پر آ کر اختلاف ہوا ہے۔ اور حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ اس حدیث کو یحییٰ نے عکرمہ سے اور عکرمہ نے حجاج سے روایت کیا ہے۔ اس کے آخر میں اتنا زیادہ ہے کہ عکرمہ کہتے ہیں: میں نے ابوہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کی نسبت پوچھا تو فرمایا: حجاج نے سچ کہا ہے اور یحییٰ القطان کی روایت میں عکرمہ نے حجاج سے بلفظ سماع روایت کیا ہے۔ اور ابوداؤد اور ترمذی نے عکرمہ اور حجاج کے درمیان عبداللہ بن رافع کو زیادہ کیا ہے۔ اور ترمذی نے فرمایا ہے کہ اس زیادتی پر معاویہ بن سلام نے معمر کی متابعت کی ہے اور میں نے محمد یعنی بخاری سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے معمر اور معاویہ کی حدیث صحیح ہے۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں یہ زیادتی صحت حدیث کے منافی نہیں۔ اس لیے کہ اگر عکرمہ نے خود حجاج سے سنا ہے تو فہوالمراد، ورنہ عبداللہ بن رافع جو واسطہ ہیں وہ بھی ثقہ ہیں۔ اگرچہ بخاری نے خود ان کے واسطے سے روایت نہیں کیا۔ حافظ نے بھی یہی بات کہی ہے۔ میں (قاضی صاحب) کہتا

toobaafoundation.com

ہوں کہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ عکرمہ نے حجاج سے بلاواسطہ اس حدیث کو سنا ہو اور بواسطہ عبداللہ بن رافع بھی حاصل کیا ہو۔[۳۱۶]

دوران تفسیر قدمائے مفسرین کے اقوال کے اختلاف کو بھی قاضی صاحب نے بیان کیا ہے اور ان اختلافات میں اگر تطبیق کی گنجائش پائی ہے تو ان سب کو ایک نقطہ پر جمع کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ مثال کے طور پر سورہ کورت کی چھٹی آیت وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرِتْ کی تفسیر میں قاضی صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: جب سمندر بھڑکائے جائیں گے اور بھڑکتی آگ بن جائیں گے۔ حضرت ابی بن کعب کا بھی یہی قول ہے۔ کلبی نے ترجمہ کیا ہے: جب سمندر بھر دیئے جائیں گے کیوں کہ مسجور کے معنی ہیں بھرا ہوا۔ مجاہد و مقاتل نے کہا: بعض سمندر بعض میں گھس پڑیں گے۔ میٹھے اور شور مل کر گرم پانی کا ایک سمندر دوزخیوں کے لیے بن جائے گا۔ حسن بصری اور قتادہ نے کہا: خشک ہو جائیں گے، پانی سوکھ جائے گا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہے گا۔

ان مختلف اقوال میں قاضی صاحب تطبیق کرتے ہیں اور اس خوبی سے کہ ان کی ایک ہی بات میں تمام اقوال آ جائیں۔ وہ لکھتے ہیں میں کہتا ہوں ان تمام اقوال کو جمع کرنے کی یہ صورت ہے کہ تمام سمندر جمع کر کے ایک سمندر لبریز کر دیا جائے گا اور سورج کو اس میں ڈال دیا جائے گا۔ جس کی وجہ سے سمندر گرم ہو کر آگ ہو جائے گا اور دوزخیوں کے لیے آب حمیم بن جائے گا۔ کل پانی خشک ہو جائے گا ایک قطرہ بھی باقی نہیں رہے گا۔[۳۱۷]

اسی طرح وضو میں نیت کی شرط ہونے کے اختلاف کو یوں بیان کرتے ہیں کہ امام اعظم کے نزدیک وضو میں نیت ضروری نہیں۔ باقی تینوں اماموں کے نزدیک ضروری ہے کیوں کہ باجماع علماء وضو عبادت ہے۔ اور ہر عبادت کے لیے نیت شرط ہے۔ اس پر اجماع بھی ہے اور آیات و احادیث بھی اس پر دلالت کر رہی ہیں۔ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اور اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ قاضی صاحب نے سب کی بات رکھ لی اور اس کو اس طرح بیان کر دیا کہ وضو کی دو

toobaafoundation.com

حیثیتیں ہیں۔ ایک اعتبار سے وضو خود عبادت ہے۔ اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اس وقت اس کے لیے نیت ضروری ہے۔ کیوں کہ ہر عبادت کے لیے نیت شرط ہے۔ دوسرے اعتبار سے وضو، نماز کی کنجی ہے اور منجملہ دیگر شرائط کی نماز کی ایک شرط ہے۔ اس لحاظ سے اس کے لیے نیت ضروری نہیں۔ سترِ عورت، طہارتِ لباس و بدن اور دوسری شرائط کے لیے جس طرح نیت شرط نہیں اسی طرح وضو کے لیے بھی نیت شرط نہیں۔[۳۱۸]

تفسیر مظہری کے طباعتی مراحل:

تفسیر مظہری کی طباعت کی ہمت سب سے پہلے مولوی محمد رکن الدین بن خواجہ محمد معز الدین بن محمد اسماعیل حنفی قادری، شطاری، غزنوی ثم الحصاری نے کی تھی اور ۱۲۷۲ھ میں یہ کام شروع کرادیا تھا۔ مولوی صاحب نے خود ہی کتابت، تصحیح اور تقابل کے فرائض انجام دیئے تھے۔ مولوی عبدالرحمٰن کے زیرِ نگرانی، مطبع الغریب، حِصار میں اس کی پہلی جلد ۱۷ر جمادی الاول ۱۲۷۳ھ بروز جمعہ چھپ کر مکمل ہوئی تھی۔ یہ موٹے خاکی کاغذ پر ۸×۱۳ سائز میں ۷۵۸ صفحات پر مشتمل تھی۔ چھ صفحات میں فہرست مضامین آخر میں تھی اور صحت نامہ اغلاط دس صفحات پر مشتمل تھا۔ مگر اس کی ایک منزل طبع ہو پائی تھی کہ مولوی رکن الدین اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئے اور یہ کام رک گیا۔

کچھ عرصہ بعد ۱۲۹۰ھ کے قریب حافظ عبدالرحمٰن خاں نے تفسیر مظہری چھاپنے کا ارادہ کیا اور اپنے مطبع، مطبع نظامی، کانپور، کی روایتی خوبیوں کے مطابق آدھے پارے کے قریب، اسی بڑی تقطیع پر شائع کیا مگر یہ کام آگے نہ بڑھ سکا۔

پینتیس سال کے بعد رسالہ کاشف العلوم کے ایڈیٹر محمد یعقوب بیگ نے اس طرف توجہ کی اور سورہ فاتحہ و بقرہ کا اردو ترجمہ دو جلدوں میں اپنے مطبع انوری، دہلی سے ۱۳۲۶ھ میں شائع کیا۔ اسی دوران میرٹھ کے ایک متمول شخص مولوی سید محمد یامین کی توجہ اس طرف ہوئی اور ۱۳۲۸ھ سے ۱۳۳۱ھ تک پانچ سال کے عرصہ میں انھوں نے تفسیر مظہری، عربی، سورہ مائدہ تک، مطبع ہاشمی اور مطبع عزیزی، میرٹھ میں چھپوائی اور چار پاروں تک اس کا اردو ترجمہ "تفسیر سعادت از ہری ترجمہ تفسیر مظہری" کے نام

toobaafoundation.com

سے مطبع شمس الانوار، میرٹھ میں چھپوایا۔ پانچویں پارے کا زیر طبع ہونے اور چھٹے، ساتویں پارے کا شائع کرانے کا اعلان بھی کرایا تھا مگر یہ کام ہو نہ سکا۔

شائقین کی معلومات کے لیے یہاں ایک گھر کی بات بتادینا بھی غالباً نامناسب نہ ہوگا۔ راقم الحروف کے جدامجد محترم جناب مولانا مولوی مفتی ریاض الدین[۳۱۹] میرٹھ میں مدرسہ عالیہ، جو صمدو کا مدرسہ کہلاتا تھا، اس کے صدر مدرس تھے اور محلہ خیرنگر میں رہتے تھے۔ والدہ محترمہ بتایا کرتی تھیں کہ ''مغرب کے بعد یامین صاحب، اباجی (مفتی صاحب) سے عربی پڑھنے آیا کرتے تھے اور کبھی کبھی اباجی بھی ان کے یہاں چلے جایا کرتے تھے۔ جب تک میرٹھ میں رہے یہ سلسلہ جاری رہا اور اباجی کسی تفسیر کا ترجمہ بھی کرکے دیا کرتے تھے۔ اس کے بعد اباجی دیوبند چلے گئے۔ میں نے جب اس کتاب کا کام شروع کیا تو والدہ محترمہ کی یہ بات یاد آئی۔ مگر والدین تو اب حیات نہیں جو بچپن کی اس بات کی تصدیق کرتا اور مزید معلومات حاصل کرتا لیکن قبلہ عموی صاحب، جناب مولوی فریدالدین حیات ہیں۔ میں چچاجان کے پاس گیا اور یہ بات ان سے دریافت کی۔ انھوں نے بتایا: ''ہاں اباجی نے تفسیر مظہری کا ترجمہ کیا تھا اور چند پاروں کا کیا تھا۔ محمد یامین صاحب یہ ترجمہ کرارہے تھے''۔[۳۲۰]

کچھ عرصہ بعد حافظ سید محمد جمیل الدین بن سید محمد یامین نے محلہ شاہ نتھن، میرٹھ سے اشتہار دیا کہ تفسیر مظہری کی طباعت کا کام شروع کیا جارہا ہے۔ لیکن غالباً کچھ پیش رفت نہ ہوسکی اور مولانا سید جمیل الدین بھاولپور منتقل ہوگئے وہاں وہ انسپکٹر دینیات مقرر ہوئے۔ مولانا حافظ سیف اللہ خاں سے وہاں ان کو کچھ مالی تعاون مل گیا اور انھوں نے تفسیر مظہری کی پانچویں جلد، جو پوری تیسری منزل پر مشتمل ہے۔ حمایت اسلام پریس لاہور میں چھپوائی، لیکن پوری تفسیر نہ چھپ سکی۔

ریاست حیدرآباد کے فائنانس سکریٹری، نواب فخریار جنگ، نے تفسیر مظہری کی اشاعت کی تحریک کی اور معتمد، مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ، حیدرآباد، نواب اختریار جنگ، کو لکھا، معتمد نے مجلس کے اراکین سے رائیں طلب کیں اور کتب

toobaafoundation.com

خانہ آصفیہ سے تفسیر مظہری کا قلمی نسخہ حاصل کر کے اراکین مجلس کے ملاحظہ کے لیے بھیجا۔ اراکین مجلس نے تفسیر کی افادیت کے پیش نظر اس کے چھپنے کا مشورہ دیا، لیکن غالباً والیِ ریاستِ حیدرآباد، میر عثمان علی خاں، کی کفایت شعارانہ طبیعت کو مدنظر رکھتے ہوئے، ایک کتاب پر اتنا زیادہ صرف کرنے کی طرف سے کچھ تامل سا کیا۔ بہر حال مجلس اور اراکین ریاست کے مشورے سے یہ طے ہوا کہ ڈھائی ہزار روپیہ فی جلد مالکان قلمی نسخہ کو دیا جائے اور کتاب چھپنے پر اس کی سو جلدیں مجلس کی بھیج دی جائیں۔ طباعت کے انتظام کے لیے ایک کمیٹی مقرر ہوئی جس میں مولوی سجاد حسین بن خواجہ الطاف حسین حالی، سکریٹری، حالی مسلم ہائی اسکول، پانی پت، مولوی خواجہ غلام السبطین، مینیجنگ ڈائریکٹر، بڑا دواخانہ، دہلی اور مولوی قاری ابومحمد محی الاسلام عثمانی پانی پتی تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تفسیر مظہری کا نسخہ قاری صاحب ہی کی ملکیت میں تھا۔ مجلس کی طرف سے نواب فخر یار جنگ کی معرفت ڈھائی ہزار روپیہ ۲/اکتوبر ۱۹۳۳ء مطابق ۱۲/جمادی الثانی ۱۳۵۲ھ کو کمیٹی کے پاس بھیج دیا گیا۔ قاری صاحب تفسیر کی طباعت، تقابل اور تصحیح کے کام میں مصروف ہو گئے۔ تفسیر کی دو جلدیں پہلی میں فاتحہ اور بقرہ دوسری میں آل عمران اور نساء، نہایت عمدہ چھپائی اور بہترین کاغذ کے ساتھ جید برقی پریس دہلی، میں چھپ کر تیار ہو گئیں اور ہر ایک کی سو سو کاپیاں ۱۷ فروری ۱۹۳۷ء مطابق ۶/ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ کو بذریعہ ریل، بلٹی نمبر ۱۷۷۳۱ دہلی سے حیدرآباد کے لیے روانہ کر دی گئیں۔ ۱۵/مارچ ۱۹۳۷ء مطابق ۲/محرم ۱۳۵۶ھ کو یہ کتابیں مجلس کے دفتر میں پہنچ گئیں۔ حیدرآباد سے ۱۳/اپریل ۱۹۳۷ء مطابق یکم صفر ۱۳۵۶ھ کو چار ہزار روپے کمیٹی کو مزید بھیج دیئے گئے۔ تفسیر کی پانچ چھ جلدوں تک کتابت وطباعت ہو چکی تھی۔ مجلس اور کمیٹی کے درمیان معاملات بگڑ گئے۔ مجلس کے معتمد، نواب اختر یار جنگ کا انتقال ہو گیا۔ نواب فخر یار جنگ رٹائر ہو گئے۔ ادھر خواجہ غلام السبطین کا بھی انتقال ہو گیا۔ مجلس کے نئے معتمد نے بیرسٹر سے قانونی مشورہ لیا۔ آخر کار، انگریزی حکومت میں کسی قانونی چارہ جوئی کے لیے مجبور پاتے ہوئے یہ طے ہوا: ''یہ کارروائی اس نوبت پر ختم کر دی جائے اور آئندہ کسی مؤلف یا مصنف کو اس طرح نقد رقم نہ دی جائے

toobaafoundation.com

بلکہ مسودہ حاصل کر کے مجلس کی طرف سے اس کی طباعت کا انتظام کیا جائے'' [۳۲۱]

اب پھر تفسیر مظہری طباعت کی مشکلات سے دوچار ہوگئی۔ کوشش بہر حال جاری تھی کہ حافظ شیخ محمد اسماعیل جیون بخش نے مالی تعاون کیا اور مفتی عتیق الرحمٰن (متوفی: ۱۹۸۴ء) نے اہتمام کر کے ندوۃ المصنفین، دہلی، سے شائع کیا اور ۱۳۸۳ھ میں دس جلدوں میں اس تفسیر کی اشاعت کی تکمیل ہوگئی۔ ندوۃ المصنفین نے ایک زبردست کام یہ بھی کیا ہے کہ تفسیر مظہری کا اردو ترجمہ بھی چودہ جلدوں میں شائع کر دیا ہے۔ یہ ترجمہ مولانا سید عبدالدائم جلالی نے کیا ہے۔ ترجمہ کی زبان بہت عمدہ اور صاف ہے۔

تفسیر مظہری کی مجلداتی تقسیم:

قلمی نسخہ بخط مصنف	مطبوعہ نسخہ	اردو ترجمہ
جلد۱ فاتحہ و بقرہ	جلد۱ فاتحہ و بقرہ	جلد۱ فاتحہ و بقرہ تا آیت: ۳۵۱
جلد۲ آل عمران تا نساء	جلد۲ آل عمران تا نساء	جلد۲ بقرہ: ۲۵۲ تا نساء: ۲۳
جلد۳ مائدہ تا توبہ	جلد۳ مائدہ تا اعراف	جلد۳ نساء: ۲۴ تا مائدہ: ۸۲
جلد۴ یونس تا بنی اسرائیل	جلد۴ انفال تا توبہ	جلد۴ مائدہ: ۸۳ تا اعراف
جلد۵ کہف تا نور	جلد۵ یونس تا بنی اسرائیل	جلد۵ انفال تا یونس
جلد۶ فرقان تا محمد	جلد۶ کہف تا نور	جلد۶ ہود تا نمل
جلد۷ فتح تا ناس	جلد۷ فرقان تا احزاب	جلد۷ بنی اسرائیل تا طٰہٰ
	جلد۸ سبا تا محمد	جلد۸ انبیاء تا نور: ۳۴
	جلد۹ فتح تا تحریم	جلد۹ نور ۳۵ تا عنکبوت
	جلد۱۰ ملک تا ناس	جلد۱۰ روم تا یٰسین
		جلد۱۱ صٰفّٰت تا جاثیہ
		جلد۱۲ احقاف تا نجم
		جلد۱۳ قمر تا تحریم
		جلد۱۴ ملک تا ناس

toobaafoundation.com

حواشی

۱ یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اس میں عقائد، عبادات اور معاملات سے متعلق مسائل بہت دلکش انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ مدارس میں یہ کتاب آج بھی رائج ہے۔ کافی مقبول عام ہے۔

۲ تفسیر مظہری کا مفصل تعارف تصانیف کے ذیل دیکھیے۔

۳ شاہ غلام علی (۱۱۷۸۔۱۲۴۰ھ) مرزا مظہر جانجاناں کے خلیفہ اور سجادہ نشین تھے۔ مرزا صاحب کے احوال وکوائف پر دو کتابیں لکھیں۔ مقامات مظہری اور کمالات مظہری۔

۴ شاہ نعیم اللہ بہرائچی (۱۱۵۳۔۱۲۱۸ھ) مرزا صاحب کے خلیفہ تھے مرزا صاحب کے احوال وکوائف پر دو کتابیں لکھیں: بشارات مظہریہ اور معمولات مظہریہ

۵ مرزا مظہر جانجاناں (۱۱۱۱۔۱۱۹۵ھ) مشائخ نقشبندیہ مجددیہ کی مقتدر ہستیوں میں سے تھے۔ عالم باعمل ہونے کے ساتھ ساتھ اردو اور فارسی میں کچھ تصوفانہ کلام بھی موزوں کیا تھا۔ ترویج علوم معرفت اور تربیت باطن ان کا مقصد حیات تھا۔ ان کے تربیت یافتہ لوگ نہ صرف ہند بلکہ بیرون ہند میں بھی پھیلے ہوئے تھے۔

۶ اگست ۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان تقسیم ہوا تو پنجاب کا ایک حصہ پاکستان میں چلا گیا۔ نومبر ۱۹۶۶ء میں پنجاب کا پہاڑی علاقہ ہماچل پردیش میں شامل کر دیا گیا۔ اور باقی ماندہ حصہ کو دو صوبوں میں تقسیم کیا گیا۔ پنجابی بولنے والا علاقہ 'پنجاب' اور ہندی بولنے والا علاقہ 'ہریانہ' کہلایا۔

۷ جغرافیہ پنجاب (حسب حکم میجر ہالرائڈ، ڈائریکٹر مدارس ممالک پنجاب) لاہور، ۱۸۷۶ء، ص: ۲۲، مفتی غلام سرور: مخزن پنجاب، نول کشور لکھنؤ، ۱۹۷۷ء، ص: ۶۶، مولانا عبدالحیؒ: دہلی اور اس کے اطراف، ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۱۹۵۸ء، ص: ۸۵

The Imperial Gazetter of India, Oxford, 1908, xxx.398,

Punjab, Dist. Gazetter, XI A, 145-212

۸ ہالرائڈ: جغرافیہ پنجاب، لاہور، ۱۸۷۶ء، ص: ۲۳

toobaafoundation.com

۹۔ شاہ نعیم اللہ بہرائچی، بشارات مظہریہ، قلمی، اصل نسخہ برٹش میوزیم، نقل: دہلی، علی گڑھ، ورق ۴۷، ب؛ قاضی ثناء اللہ پانی پتی: مالابدمنہ، سب رنگ کتاب گھر، دہلی، ۱۹۵۶ء، ص: ۱۴۹ (وصیت نامہ)

۱۰۔ سید محمد میاں: پانی پت اور بزرگان پانی پت، کتابستان، دہلی، ۱۹۶۳ء، ص ۵؛ بشیر احمد صابری: اولیاء کرام پانی پت، شریف احمد بک سیلرز، پانی پت، ۱۹۷۶ء، ص ۶؛ عبدالرحمٰن امرتسری: سیاحت ہند، لاہور، ۱۹۰۹ء، ص ۱۰۸

Punjab Dist. Gazetteer, VI A, 211

۱۱۔ عبدالقادر خاں: علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) ترجمہ مولوی معین الدین، ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی، ۱۹۶۰ء، ۱: ۱۷۱

۱۲۔ مہابھارت، پَرو: ۵، اودھیائے: ۳۱، شلوک: ۱۹، ایضاً اودھیائے: ۷۰، شلوک: ۱۵

۱۳۔ Imperial Gazetteer of India, XIX : 397,

Punjab Dist. Gazetteer, VI A : 211

۱۴۔ Ibid. VI A : 15

۱۵۔ Ibid. VI A : 19-20

۱۶۔ غلام حسین طباطبائی: سیر المتاخرین، ۲: ۹۷۔۹۸

۱۷۔ شاکر خاں: تذکرہ پانی پت، قلمی، ص ۱۰۲، (مخطوطہ برٹش میوزیم میں ہے اور اس کی ایک نقل پٹنہ میں ہے)

۱۸۔ شاہ عبدالعزیز: ملفوظات (اردو ترجمہ مولوی محمد علی لطفی) ایجوکیشنل پبلشرز، کراچی، ۱۹۶۰ء، ص ۱۲۳

۱۹۔ شاہ نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۴۷ ب

۲۰۔ ایضاً، ورق ۱۴۷ ب

۲۱۔ خلیق احمد نظامی: تاریخ مشائخ چشت، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۵۳ء، ۳۵۴:

۲۲۔ Stoddard: The New World of Islam, New York, 1921, p. 26

toobaafoundation.com

۲۳ مرزا حیرت: حیات طیبہ، مطبع فاروقی، دہلی، ص ۷۰

۲۴ قدرت اللہ قاسم: مجموعہ نغز، لاہور، ۱۹۳۳ء، ۱:۱۳۲

۲۵ شاہ ولی اللہ: التفہیمات الالٰہیہ، مجلس علمیہ، ڈابھیل، گجرات، ۱۹۳۶ء، ص ۲۱۶

۲۶ خواجہ میر درد: رسالۂ درد، مطبع شاہجہانی، بھوپال، ص ۳۶

۲۷ شاہ محمد ناصر: نالۂ عندلیب، مطبع شاہجہانی، بھوپال، ۱۳۰۸ھ، ص ۳۱۵

۲۸ شاہ ولی اللہ: التفہیات الالٰہیہ، ص ۲۱۴

۲۹ قاضی ثناء اللہ پانی پتی: وصیت نامہ شاہ ولی اللہ کی وصیت سوم کا حاشیہ

۳۰ مکتوب قاضی ثناء اللہ پانی پتی بنام مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، یہ خط مفتی صاحب کے بیاض میں نقل ہے۔ یہ بیاض کاندھلہ، ضلع مظفرنگر میں مفتی افتخار الحسن کے ذاتی کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

۳۱ شاہ ولی اللہ: التفہیمات الالٰہیہ، ص ۲۱۵

۳۲ ایضاً، ص ۲۱۴

۳۳ درگاہ قلی خاں: مرقع دہلی، ص ۱۲۔۲۴

۳۴ نعیم اللہ بہرائچی: معمولاتہ مظہریہ، مطبع نظامی، کانپور، ۱۲۸۴ھ، ص ۳۸۔۳۹

۳۵ شاہ ولی اللہ: التفہیمات الالٰہیہ، ص ۲۱۷۔۲۱۹

۳۶ ابن سعد، طبقات، بیروت، ۱۳۷۷ھ، ۳:۷؛ السمعانی: الأنساب، دائرۃ المعارف، حیدرآباد، ۱۹۶۲ء، ۱:۱۲۔۱۵

۳۷ ابن سعد، طبقات، بیروت، ۱۳۷۷ھ، III:۵۳

۳۸ نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، وق ۱۴۶ (ب)، قاری عبدالحلیم انصاری پانی پتی: تذکرۃ الصالحین، پانی پت، دارالاشاعت رحمانیہ، ۱۹۳۸ء، ص ۱۵۔ منظور الحق عثمانی: تاریخ کے چند اوراق، مشمولہ باغراض ومقاصد وقواعد وضوابط انجمن عثمانیہ جلالیہ پاکستان، کراچی، ٹیکنیکل پرنٹرز، ۱۹۶۰ء، ص ۶۔ سید محمد میاں: پانی پت اور بزرگان پانی پت، دہلی، کتابستان، ۱۹۶۳ء، ص ۲۰۰/۲۰۱۔ بشیر احمد انصاری پانی پتی: اولیاء کرام پانی پت،

toobaafoundation.com

پانی پت، شریف احمد بک سیلرز، ۱۹۷۶ء، ص ۴۸۔ شاہ ابوالحسن زید فاروقی: مختصر احوال حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی، قلمی، فارسی، مشمولہ بہ مجموعہ بست رسائل ومکاتیب حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی، زمانہ تحریر ۱۳۵۷ھ، ص ۱۶۶۔ مکتوب شاہ ابوالحسن زید فاروقی بنام عبدالحمید قریشی، نواب شاہ، پاکستان، قلمی۔

۳۹ ابوالنصر محمد خالدی: تقویم ہجری وعیسوی، دہلی، انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۷۷ء، ص ۶۰

۴۰ منظور الحق: تاریخ کے چند اوراق، ص ۶۔ محمد میاں: پانی پت اور بزرگان پانی پت، ص ۲۰۰۔ بشیر احمد: اولیائے کرام پانی پت، ص ۴۹

۴۱۔۴۲ یاقوت الحموی: معجم البلدان، ۴: ۴۲۹۔ منظور الحق: تاریخ کے چند اوراق، ص ۶۔ بشیر احمد: اولیاء کرام پانی پت، ص ۴۹۔۵۰۔ سید ابوظفر ندوی: تاریخ گجرات، دہلی، ندوۃ المصنفین، ۱۹۵۸ء، ص ۳۹۶

۴۳ منظور الحق: تاریخ کے چند اوراق، ص ۷۔ بشیر احمد صابری: اولیاء کرام پانی پت، ص ۵۰۔ سید محمد میاں: پانی پت اور بزرگان پانی پت، ص ۲۰۱۔ تنویر احمد علوی: صحیفہ ابرار، جھنجھانہ، ضلع مظفر نگر، ادارہ مطبوعات نور محمدیہ، ۱۹۷۴ء، ص ۵۳۲

۴۴ منظور الحق: تاریخ کے چند اوراق، ص ۹

۴۵ مرزا مظہر جانجاناں اپنی اہلیہ کو مردم محل کی صفت سے متصف کیا کرتے تھے۔ کیوں کہ وہ آنکھ کی پتلی کی طرح زینت خانہ تھیں۔

۴۶ تفصیلات کے لیے دیکھیے: نواب صمصام الدولہ شاہ نواز خاں ماثر الامراء، کلکتہ، ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۸۹۵ء، ۳: ۱۷۷۔۱۷۸۔ عبدالحئ: نزہۃ الخواطر، حیدرآباد، دائرۃ المعارف، ۱۹۵۷ء، ۷: ۲۴۵۔ چارلس فرانسیس میسی: روساء بااختیار ونامی خاندان پنجاب، لاہور، مطبع اسلامی، ۱۸۹۴ء، ص ۲۴۶۔۲۴۸۔ قاری عبدالحلیم انصار پانی پتی: تذکرۃ الصالحین، پانی پت، دارالاشاعت رحمانیہ ۱۹۳۸ء، ص ۱۱۔۱۲۔ سید محمد میاں: پانی پت اور بزرگان پانی پت، ص ۱۱۹۔۱۲۰۔ منظور الحق: تاریخ کے چند اوراق، ص ۹

toobaafoundation.com

کے خطوط: مرتبہ، خلیق انجم، دہلی، مکتبہ برہان، ۱۹۶۲ء، ص ۲۱۵

۴۹ نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ص ۱۴۹ (الف)۔ منظور الحق: تاریخ کے چند اوراق، ص ۹

۵۰ تفصیلات کے لیے دیکھیے: نواب صمصام الدولہ شاہ نواز خاں ماثر الامراء، کلکتہ، ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۸۹۵ء، ۳: ۱۷۷۔۱۷۸۔ عبدالحئ: نزہۃ الخواطر، حیدرآباد، دائرۃ المعارف، ۱۹۵۷ء، ۷: ۲۴۵۔ چارلس فرانسیس میسی: روساء بااختیار ونامی خاندان پنجاب، لاہور، مطبع اسلامی، ۱۸۹۴ء، ص ۲۴۶۔۲۴۸۔ قاری عبدالحلیم انصار پانی پتی: تذکرۃ الصالحین، پانی پت، دارالاشاعت رحمانیہ ۱۹۳۸ء، ص ۱۱۔۱۲۔ سید محمد میاں: پانی پت اور بزرگان پانی پت، ص ۱۱۹۔۱۲۰۔ منظور الحق: تاریخ کے چند اوراق، ص ۹

۵۱ مکاتیب میرزا مظہر: مرتبہ عبدالرزاق قریشی، بمبئی، علوی بک ڈپو، ۱۹۶۶ء، مکتوب ۱۳۱، ص ۱۹۰

۵۲ مرزا مظہر جانجاناں اپنی اہلیہ کو مردم محل کی صفت سے متصف کیا کرتے تھے۔ کیوں کہ وہ آنکھ کی پتلی کی طرح زینت خانہ تھیں۔

۵۳ ابوالنصر محمد خالدی: تقویم ہجری وعیسوی، دہلی، انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۷۷ء، ص ۶۰

۵۴ حکیم شریف خاں (۱۲۲۲ھ): دہلی کے ایک نامور طبیب تھے۔ پانی پت اور ڈاسنہ کے علاقوں میں ان کی جاگیر تھی۔ جاگیر کے سلسلہ میں پانی پت جانا آنا رہتا ہوگا تو قاضی صاحب سے تعلق خاطر پیدا ہوگیا ہوگا یا ممکن ہے قاضی صاحب سے کوئی رشتہ داری بھی ہو۔ (قاضی عبدالغفار، حیات اجمل، علی گڑھ، انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۵۰ء، ص ۹)

۵۵ مرزا مظہر جانجاناں: مکتوب بنام حکیم شریف خاں، مشمولہ بہ رقعات کرامت، مرتبہ نعیم اللہ بہرائچی، ص ۵۳؛ کلمات طیبات، مرتبہ ابوالخیر محمد بن احمد، ص ۶۹، مرزا مظہر جانجاناں کے خطوط، مرتبہ خلیق انجم، ص ۲۱۵

toobaafoundation.com

۵۶ مرزا مظہر جانجاناں: مکتوب بنام قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مشمولہ بہ 'رقعات کرامت'، ص ۴۹؛ کلمات طیبات، ص ۶۷؛ مرزا مظہر جانجاناں کے خطوط''، ص ۲۰۷

۵۷ مرزا مظہر جانجاناں: مکتوب بنام قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مشمولہ بہ مکاتیب میرزا مظہر، مرتبہ، عبدالرزاق قریشی، مکتوب ۱۱۵، ص ۱۷۰

۵۸ مرزا مظہر جانجاناں: مکتوب بنام قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مشمولہ بہ 'مکاتیب میرزا مظہر'، مرتبہ، عبدالرزاق قریشی، مکتوب ۱۱۵، ص ۱۷۱

۵۹ ایضاً، مکتوب ۱۱۷، ص ۱۷۳

۶۰ پیش لفظ بر ''مالابدمنہ'' از قاضی ثناء اللہ پانی پتی بہ تحشیہ قاضی سجاد حسین، سب رنگ کتاب گھر، دہلی، ۱۹۵۶ء، ص ۱

۶۱ رسالہ 'معارف'، اعظم گڑھ جلد ۳۳، نمبر ۶، جون ۱۹۳۴ء، ص ۴۴۸۔ ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی: تراجم علمائے حدیث ہند، جید پریس، دہلی، ۱۹۳۸، ص ۲۱۱

۶۲ رسالہ معارف، اعظم گڑھ، جلد ۱۱۵، نمبر ۴، اپریل ۱۹۷۵ء، ص ۲۷۱، حاشیہ نمبر ۱

۶۳ مکتوب مولانا ابوالحسن زید فاروقی بنام عبدالحمید قریشی، نواب شاہ پاکستان قلمی (اس مکتوب کی نقل راقم الحروف کے پاس موجود ہے)

مولانا ابوالحسن زید فاروقی: مختصر احوال حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی۔ مشمولہ بہ مجموعہ بست رسائل مکاتیب حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی، قلمی، فارسی، ص ۱۶۷، (اس کی فوٹو کاپی بھی راقم الحروف کے پاس موجود ہے)

۶۴ مولوی نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق: ۱۴۷، الف

۶۵ شاہ غلام علی: کمالات مظہری، قلمی، ص ۱۰۹

۶۶ شاہ غلام علی: حالات ومقامات حضرت شمس الدین حبیب اللہ جناب مرزا جانجاناں مظہر شہید، مطبع احمدی، ۱۲۶۹ھ، ص ۷۶

شاہ غلام علی: مقامات مظہری، مطبع مجتبائی، دہلی، ۱۳۰۹ھ، ص ۶۶

۶۷ مفتی غلام سرور: خزینۃ الاصفیاء، مطبع نول کشور، کانپور، ۱۲۹۰ھ، ج: ۱، ص ۶۸۹

toobaafoundation.com

۶۸ نواب صدیق حسن خاں: اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین، مطبع نظامی، کانپور، ۱۲۸۹ھ، ص ۲۴۰۔۲۴۱

۶۹ الروض الممطور فی تراجم علماء شرح الصدور، مطبع مفید عام، اکبر آباد، ۱۳۰۷ھ، ص ۱۷

۷۰ مولوی فقیر محمد جہلمی: حدائق الحنفیہ، نول کشور، لکھنو، ۱۹۰۶ء، ص ۴۶۵

۷۱ محمد حسن نقشبندی: حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، مطبع احسن المطابع، مراد آباد، ۱۳۲۲، ص ۴۰۸

۷۲ رحمان علی: تذکرہ علمائے ہند، نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۱۴ء، بار دوم، ص ۳۸

۷۳ مولانا عبدالحی: نزہۃ الخواطر، ج: ۷، ص ۱۱۲

۷۴ ماہنامہ 'معارف' اعظم گڑھ، جلد: ۳۳، نمبر ۶، جون ۱۹۲۹ء، ص ۴۴۴۔۴۴۸

۷۵ کتاب مذکور، ص ۴۳

۷۶ کتاب مذکور، ص ۶۰۹

۷۷ شاہ ابوالحسن زید فاروقی: مختصر احوال حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی، قلمی مشمولہ بست رسائل، ص ۱۶۶

۷۸ تفسیر مظہری (عربی)، حمایت اسلام پریس، لاہور، ترجمۃ المؤلف

۷۹ تفسیر مظہری (عربی)، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۶۱ء، سرورق

۸۰ مولوی معین الدین ولد مفتی ریاض الدین متوطن قصبہ افضل گڑھ، ضلع بجنور، زبردست عالم وفاضل اور انتہائی متقی وپرہیز گار تھے۔ تفسیر وحدیث اور فقہ پر انھیں کامل دست رس تھی۔ انھوں نے علوم نقلیہ وعقلیہ اور طبیہ بتمام وکمال دارالعلوم دیوبند میں حاصل کیے تھے وہ تقریباً پچاس سال تک کتب خانہ حبیب گنج کے ناظم رہے۔ نواب صدر یار جنگ مولوی حبیب الرحمٰن خاں شروانی ان کی بڑی قدر ومنزلت کرتے تھے۔ کتب خانہ کے ساتھ ساتھ وہ بھی علی گڑھ منتقل ہوئے۔ ۱۹ر فروری ۱۹۷۰ء کو ان کا انتقال ہوا۔ شاہ جمال قبرستان میں عیدگاہ کے سامنے شمالی جانب مدفون ہیں۔

toobaafoundation.com

۸۱ علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) ترجمہ، مولوی معین الدین، اکیدمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، کراچی، ۱۹۶۰ء، ص ۱۷۲

۸۲ ایضاً، ص ۱۷۲، حاشیہ: ۳

۸۳ قاضی ثناء اللہ پانی پتی: مالابدمنہ، مطبع رزاقی، کانپور، ۱۳۱۸ھ، ص ۱۹۸

۸۴ قاضی ثناء اللہ پانی پتی: مالابدمنہ، سب رنگ کتاب گھر، دہلی، ۱۹۵۶ء، ص ۱

۸۵ ڈاکٹر محمد سالم قدوائی: ہندوستانی مفسرین اوران کی عربی تفسیریں، مکتبہ جامعہ، دہلی، ۱۹۷۳ء، ص ۹۷

۸۶ ماہنامہ 'معارف' اعظم گڑھ، جلد: ۱۱۵، شمارہ: ۴، اپریل ۱۹۷۵ء، ص ۲۷۱، حاشیہ نمبر ۱

۸۷ ۱۹۷۶ء میں جب پانی پت گیا تو میں نے دیکھا کہ مسجد کی صرف پچھلی دیوار مع محراب کے باقی ہے جو چھوٹی اینٹ کی بنی ہوئی ہے۔ اس پر گوبر کے کنڈے لگے ہوئے سوکھ رہے ہیں۔ قاضی صاحب کے مکان میں چار شرنارتھی خاندان رہ رہے ہیں۔ مکان کا صدر دروازہ چھوٹی اینٹ کا اور اتنا بلند ہے کہ ہاتھی پہ سوار ہوکر گزرا جاسکتا ہے۔

۸۸ غلام مصطفیٰ خاں: لوائح خانقاہ مظہریہ، ص ۲۴۰

۸۹ نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۴۶ (ب)

۹۰ تفسیر مظہری، جلد: ۱۰، ص ۲۸۹

۹۱ مولوی نعیم بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۴۶ (ب)

۹۲ شاہ غلام علی: کمالاتِ مظہریہ، قلمی، : ۱۰۸۔ مولوی نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۴۹ (الف)

۹۳ مولوی نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۴۹ (الف)

۹۴ ایضاً، ورق ۱۴۹ (الف)

۹۵ ابوالخیر محمد بن احمد مرادآبادی: کلمات طیبات، مطبع مجتبائی دہلی، ۱۸۹۱ء، ص ۱۰۹، (مکتوب دوم از قاضی ثناء اللہ پانی پتی، بنام شاہ غلام علی)

toobaafoundation.com

۹۶ مولوی نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۴۹ (ب)

۹۷ ایضاً، ورق ۱۴۹ (ب)

۹۸ ایضاً، ورق ۱۴۹ (ب)

۹۹ شاہ غلام علی: کمالات مظہری، ص ۱۰۸

۱۰۰ ایضاً، ص ۱۰۹

۱۰۱ ایضاً، ص ۱۰۹

۱۰۲ مولوی نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۴۸ (الف)۔ شاہ غلام علی: مقامات مظہری، ص ۶۶۔ وکمالات مظہری، ص ۱۱۱

۱۰۳ مولوی نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۴۸ (الف)

۱۰۴ ایضاً، ورق ۱۴۸ (الف)

۱۰۵ ایضاً، ورق ۱۴۸ (ب)

۱۰۶ ابوالخیر محمد بن احمد مرادآبادی: کلمات طیبات، ص ۱۱۴

۱۰۷ مولوی نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۴۸ الف۔ شاہ غلام علی: مقامات مظہری، ص ۶۶

۱۰۸ مکاتیب میرزا مظہر، مرتبہ عبدالرزاق قریشی، مکتوب ۱۱۷، ص ۱۷۳،
ابوالخیر محمد بن احمد: کلمات طیبات، ص ۶۳

۱۰۹ مولوی نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہری، ورق ۱۴۸ ب

۱۱۰ ایضاً، ورق ۱۴۸، الف، مکاتیب میرزا مظہر مرتبہ عبدالرزاق قریشی، مکتوب ۱۱۷، ۱۷۳:

۱۱۱ مولوی نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۴۸ (الف)

۱۱۲ شاہ غلام علی: مقامات مظہری، ص ۶۶

۱۱۳ مولوی محمد حسن: حالات مشائخ نقشبندیہ، ص ۴۰۹

۱۱۴ مولوی نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۴۸ (الف)

۱۱۵ شاہ غلام علی: مقامات مظہری، ص ۶۶

toobaafoundation.com

۱۱۶ ایضاً، ص ۶۶

۱۱۷ مولوی نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۶۱ (ب)

۱۱۸ شاہ غلام علی: مقامات مظہری، ص ۱۱۔۱۲

۱۱۹ مولوی نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۴۶ (ب)

۱۲۰ ایضاً، ورق ۱۴۶ (ب)

۱۲۱ شاہ غلام علی: مقامات مظہری، ص ۱۳

۱۲۲ مکتوبات مرزا صاحب مشمولہ ''کلمات طیبات'' مرتبہ: ابوالخیر محمد بن احمد مرادآبادی، مکتوب اول، ص ۱۲

۱۲۳ عبدالرزاق قریشی: میرزا مظہر جانجاناں اور ان کا کلام، ص ۳۰۔۳۲

۱۲۴ ایضاً، ص ۳۴

۱۲۵ ایضاً، ص ۳۵؛ کلمات طیبات، ص ۱۳

۱۲۶ ابوالخیر محمد بن احمد: کلمات طیبات، ص ۱۳

۱۲۷ سید موسیٰ خاں: متقی و پرہیزگار اور صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ شیخ محمد عابد سنامی کے خلفاء میں سے تھے اور مرزا مظہر جانجاناں کے پیر بھائی تھے۔ ماوراء النہر میں مسندِ ارشاد پر متمکن تھے۔ ان کے بارہ خلفاء ہوئے تھے۔ ایک روز سید صاحب نے اپنے مریدوں میں سے ایک درویش سے پوچھا تمہارے باطن میں یہ کدورت کیسی معلوم ہوتی ہے؟ تم نے کوئی مشتبہ چیز کھالی ہے۔ پہلے تو انھوں نے کہا کہ میں تو صرف خانقاہ ہی کا کھانا کھاتا ہوں پھر اعتراف کیا کہ ہاں ایک رنگریز کے یہاں غوث الثقلین کی نیاز کا کھانا کھالیا ہے۔ سید صاحب ناراض ہوئے اور کہا میں نے منع نہیں کیا کہ ہر کسی کا کھانا مت کھالیا کرو۔ (مقامات مظہری، ص ۱۳)

۱۲۸ مکاتیب میرزا مظہر: مرتبہ: عبدالرزاق قریشی، ص ۲۱۳

۱۲۹ ایضاً، ص ۲۱۲

۱۳۰ کتاب مذکور، ص ۱۵۸، حاشیہ: ۱

toobaafoundation.com

۱۳۱ مولوی نعیم اللہ بہرائچی: معمولات مظہریہ، ص ۶۔۷

۱۳۲ ایضاً، ص ۱۴۰؛ شاہ غلام علی: مقامات مظہری، ص ۶۱

۱۳۳ مولوی نعیم اللہ بہرائچی: معمولات مظہریہ، ص ۱۴۵۔۱۴۶، بشارات مظہریہ، ورق ۱۴۳ب۔۱۴۴، الف

۱۳۴ شاہ غلام علی: کمالات مظہری، ص ۱۰۹

۱۳۵ غلام حسین طباطبائی: سیر المتاخرین، ص ۲:۹۵۔۹۹

۱۳۶ شاہ نواز خاں: ماثر الامراء، ۳:۱۷۷۔۱۷۸

۱۳۷ نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۴۶، الف

۱۳۸ قاضی ثناء اللہ پانی پتی: مالابدمنہ، ص ۱۴۹؛ وصایا اربعہ، مرتبہ محمد ایوب قادری، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد، پاکستان، ۱۹۶۴ء، ص ۱۴۸؛ کلمات طیبات، مرتبہ ابوالخیر محمد بن احمد، ص ۱۵۵

۱۳۹ شاہ غلام علی: مقامات مظہری، ص ۶۷

۱۴۰ ایضاً، ص ۶۷

۱۴۱ ایضاً، ص ۶۷

۱۴۲ نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۴۷ب

۱۴۳ ایضاً، ورق ۱۴۷ب

۱۴۴ ایضاً، ورق ۱۴۷ب

۱۴۵ قاضی ثناء اللہ پانی پتی: مالابدمنہ، ص ۱۴۹؛ کلمات طیبات، مرتبہ ابوالخیر محمد بن احمد، ص ۱۵۵؛ وصایا اربعہ: مرتبہ محمد ایوب قادری، ص ۱۴۸

۱۴۶ شاکر خاں: تذکرۂ پانی پت، قلمی، ص ۱۰۲

۱۴۷ مکاتیب میرزا مظہر، مرتبہ عبدالرزاق قریشی، ص ۱۳۷

۱۴۸ ایضاً، ص ۱۳۸

۱۴۹ ایضاً، ص ۱۳۷

toobaafoundation.com

۱۵۰ ایضاً، ص ۱۳۷

۱۵۱ ایضاً، ص ۳۸، ۱۱۷، ۱۳۷، ۱۸۳، ۲۴۵

۱۵۲ ایضاً، ص ۱۳۷

۱۵۳ نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۴۷ (ب)

۱۵۴ ایضاً، ورق ۱۴۷ ب

۱۵۵ شاہ غلام علی: کمالات مظہری، ص ۱۰۹

۱۵۶ شاہ غلام علی: مقامات مظہری، ص ۶۷

۱۵۷ نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق، ۱۴۸ (الف)

۱۵۸ ابوالخیر محمد بن احمد: کلمات طیبات، ص ۶۳

۱۵۹ قاضی ثناء اللہ پانی پتی: مالابدمنہ، ص ۱۵۰؛ کلمات طیبات، ص ۱۵۲

۱۶۰ مکاتیب میرزا مظہر: مرتبہ عبدالرزاق قریشی، ص ۱۰۹

۱۶۱ ایضاً، ص ۹۴

۱۶۲ مکتوب قاضی ثناء اللہ پانی پتی بنام مولوی نعیم اللہ بہرائچی، نقل مکتوب نزد راقم الحروف

۱۶۳ لواتح خانقاہ مظہریہ، مرتبہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ، ص ۲۳۷، ۲۵۹

۱۶۴ ایضاً، ص ۲۵۹

۱۶۵ نواب ارشاد علی خاں بن نواب امین الدین خاں، سنبھلی، مرزا صاحب سے بیعت تھے اور ان سے بے انتہا عقیدت رکھتے تھے۔ ان کو مرزا صاحب سے خاص نسبت تھی اور ان کو اجازت طریقہ حاصل تھی۔ مرزا صاحب نے قاضی صاحب کو نواب صاحب کے انتقال کی خبر دیتے ہوئے لکھا تھا کہ: ''خبر دل گداز آں دوست دل نواز رسیدہ وآنچہ بہ دل رسانید نصیب کس مباد''۔ (شاہ غلام علی: مقامات مظہری، ص ۸۵؛ مکاتیب میرزا مظہر، مرتبہ عبدالرزاق قریشی، ص ۴۰، ۴۲، ۶۳)

۱۶۶ نواب محب اللہ خاں، نواب دوندے خاں کے لڑکے تھے اور بسولی ضلع پیلی بھیت کے جاگیردار تھے۔

toobaafoundation.com

۱۶۷۔ لوائح خانقاہ مظہریہ: مرتبہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، ص ۴۷

۱۶۸۔ خلیق انجم: مرزا مظہر جانجاناں کے خطوط، ص ۴۹

۱۶۹۔ عبدالرزاق قریشی: میرزا مظہر جانجاناں اوران کا کلام، ص ۵۳

۱۷۰۔ Rizvi, S.A.A.: *Shah Abdul Aziz,* Marifat Publishing House, Canburra, Australia, 1982, p. 558

۱۷۱۔ لوائح خانقاہ مظہریہ: مرتبہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، مکتوب ۱۵، ص ۵۵۔۵۷

۱۷۲۔ ایضاً، ص ۵۲

۱۷۳۔ ایضاً، ص ۵۴

۱۷۴۔ ایضاً، ص ۱۱۳

۱۷۵۔ عبدلرازاق قریشی: مکاتیب میرزا مظہر، ص ۹۴

۱۷۶۔ مخطوطہ مذکور، ص ۱۶۷

۱۷۷۔ نظامی بدایونی: قاموس المشاہیر، نظامی پریس، بدایوں، جلد اول ۱۹۲۴ء، جلد دوم ۱۹۲۶ء، ص ۱: ۱۶۴

۱۷۸۔ مفتی غلام سرور: خزینۃ الاصفیاء، ۱: ۶۹۰۔ مولانا محمد زکریا: کشکول تصوف، قلمی، ص ۸۷۴، کتب خانہ مولوی افتخار الحسن، کاندھلہ، ضلع مظفر نگر

۱۷۹۔ مکاتیب میرزا مظہر، مرتبہ عبدالرزاق قریشی، ص ۱۱

۱۸۰۔ ایضاً، ص ۱۴۲

۱۸۱۔ ایضاً، ص ۱۴۳

۱۸۲۔ ایضاً، ص ۱۵۵

۱۸۳۔ ایضاً، ص ۳۱، ۴۰، ۱۴۱

۱۸۴۔ ایضاً، ص ۱۹۱۔۱۹۲؛ نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۷۴، الف و ب

۱۸۵۔ مکتوب قاضی صاحب: نقل نزد راقم الحروف

۱۸۶۔ نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۷۴ (الف)

toobaafoundation.com

۱۸۷ قاضی ثناء اللہ پانی پتی: مالا بدمنہ، وصیت نامہ، ص ۱۴۶؛ غلام علی: مقامات مظہری، ص ۶۸۔ مکاتیب میرزا مظہر: مرتبہ عبدالرزاق قریشی، ص ۵۵۔ لوائح خانقاہ مظہریہ: مرتبہ غلام مصطفیٰ خاں، ص ۲۳۷

۱۸۸ مکاتیب میرزا مظہر: مرتبہ عبدالرزاق قریشی، ص ۱۰۳، ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۱۹۔

۱۸۹ ایضاً، ص ۴۴، ۵۰، ۶۶، ۷۲۔ نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۷۲ (ب) غلام علی: مقامات مظہری، ص ۶۸

۱۹۰ نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۷۰ (ب)

۱۹۱ ایضاً، ورق ۱۷۲ (الف)

۱۹۲ لوائح خانقاہ مظہریہ: مرتبہ غلام مصطفیٰ خاں، ص ۲۳۷

۱۹۳ نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۷۲ ب۔ شاہ غلام علی: مقامات مظہری، ص ۶۸

۱۹۴ شاہ غلام علی: مقامات مظہری، ص ۶۸

۱۹۵ نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۷۱ الف

۱۹۶ خزینۃ الاصفیا، ص ۱: ۶۸۷۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۴۔ لوائح خانقاہ مظہریہ، ص ۱۹، ۲۳۵، ۲۳۷۔ کشکول تصوف، ص ۴۷۸

۱۹۷ مکاتیب میرزا مظہر: مرتبہ عبدالرزاق قریشی، ص ۱۸۷

۱۹۸ مولوی نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۶۲ ب۔ ۱۶۳، الف

۱۹۹ لوائح خانقاہ مظہریہ: مرتبہ غلام مصطفیٰ خاں، ص ۵۴

۲۰۰ مولوی نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۷۳، الف وب

۲۰۱ مکاتیب میرزا مظہر: مرتبہ عبدالرزاق قریشی، ص ۹۲، ۱۰۰، ۱۳۳، ۱۳۵

۲۰۲ لوائح خانقاہ مظہریہ: مرتبہ غلام مصطفیٰ خاں، ص ۲۴۵

۲۰۳ مکاتیب میرزا مظہر: مرتبہ عبدالرزاق قریشی، ص ۷۴

۲۰۴ ایضاً، ص ۹۷

۲۰۵ قاضی ثناء اللہ پانی پتی: مالا بدمنہ، ص ۱۴۶

toobaafoundation.com

۲۰۶ نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۴۷ب

۲۰۷ ایضاً، ورق ۱۴۶ب

۲۰۸ لوائح خانقاہ مظہریہ: مرتبہ غلام مصطفیٰ خاں، ص ۲۳۹

۲۰۹ کتاب مذکور، ص ۶۷

۲۱۰ لوائح خانقاہ مظہریہ: مرتبہ غلام مصطفیٰ خاں، ص ۲۴۰

۲۱۱ قاضی ثناء اللہ پانی پتی: مالابدمنہ، ص ۱۴۵

۲۱۲ لوائح خانقاہ مظہریہ: مرتبہ غلام مصطفیٰ خاں، ص ۲۹

۲۱۳ مکاتیب میرزا مظہر: مرتبہ عبدالرزاق قریشی، ص ۱۳۰

۲۱۴ ایضاً، ص ۱۵۶

۲۱۵ ایضاً، ص ۱۷۷

۲۱۶ ایضاً، ص ۱۳۶

۲۱۷ شاہ ولی اللہ دہلوی: خودنوشت سوانح، مشمولہ حجۃ اللہ البالغۃ؛ عبیداللہ سندھی: شاہ ولی اللہ اوران کی سیاسی تحریک؛ رحمان علی: تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۵۰؛ فقیر محمد: حدائق الحنفیہ، ص ۴۴۷

۲۱۸ سید موسیٰ خاں: مرزا صاحب کے پیر بھائی اور شیخ محمد عابد سنامی کے خلفاء میں سے تھے۔ دیکھئے حاشیہ نمبر ۱۲۷

۲۱۹ غلام علی: مقامات مظہری، ص ۷۳

۲۲۰ نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۶۶۔ ابوالخیر محمد بن احمد: کلمات طیبات، ص ۱۵۸۔۱۵۹

۲۲۱ شاہ غلام علی: مقامات مظہری، ص ۷۳۔ نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۶۶، الف وب

۲۲۲ نعیم اللہ بہرائچی: خودنوشت سوانح، قلمی، محفوظ نزد اقربائے نعیم اللہ در بہرائچ

۲۲۳ شاہ غلام علی: مقامات مظہری، ص ۸۲

toobaafoundation.com

۲۲۴ ایضاً، ص ۸۳

۲۲۵ کتاب مذکور، ص ۱۴۳

۲۲۶ نعیم اللہ بہرائچی: معمولات مظہریہ، ورق ۱۴۴

۲۲۷ نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۴۶ ب

۲۲۸ نعیم اللہ بہرائچی: معمولات مظہریہ، قلمی نسخہ، سرورق، محفوظ نزد شاہ ابوالحسن زید فاروقی، دہلی

۲۲۹ قاضی عبدالغفار: حیات اجمل، انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ، ۱۹۵۰ء، ص ۹

۲۳۰ حامد حسن قادری: داستان تاریخ اردو، آگرہ، ۱۹۴۱ء، ص ۱۵۲

۲۳۱ سرسید احمد خاں: آثار الصنادید، سینٹرل بک ڈپو، دہلی، ۱۹۶۵ء، ص ۵۱۲

۲۳۲ عبدالقادر خاں: وقائع عبدالقادر خاں، ترجمہ علم و عمل مترجم مولوی معین الدین، ص ۱: ۲۹۷؛ حامد حسن قادری: داستان تاریخ اردو، ص ۱۵۳؛ رحمان علی: تذکرہ علمائے ہند، ص ۸۵؛ عبدالصمد صارم: تاریخ القرآن، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص ۱۴۴؛ سید محبوب رضوی: جائزہ تراجم قرآنی، دیوبند، ۱۹۶۸ء، ص ۲۶

۲۳۳ قاضی عبدالغفار: حیات اجمل، ص ۱۰

۲۳۴ ایضاً، ص ۹-۱۰

۲۳۵ مرزا مظہر جان جاناں: مکتوب بنام قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مشمولہ بہ 'رقعات کرامت مرتبہ نعیم اللہ بہرائچی، ص ۴۹؛ کلمات طیبات، مرتبہ ابوالخیر محمد بن احمد، ص ۶۷؛ مرزا مظہر جانجاناں کے خطوط، مرتبہ خلیق انجم، ص ۲۰۷

۲۳۶ حامد حسن قادری، کتاب مذکور، ص ۱۵۲

۲۳۷ قاضی عبدالغفار: حیات اجمل، ص ۱۰؛ رحمان علی: تذکرہ علمائے ہند، ص ۸۵؛ عبدالقادر خاں: وقائع عبدالقادر خانی، ترجمہ علم و عمل، مترجم مولوی معین الدین۔ ص ۱: ۲۹۷؛ نظامی بدایونی: قاموس المشاہیر، ۳: ۱۹

۲۳۸ ایضاً، ۱: ۲۹۷

toobaafoundation.com

۲۳۹ لوائح خانقاہ مظہریہ، مرتبہ غلام مصطفیٰ خاں، ص ۲۹

۲۴۰ ایضاً، ص ۱

۲۴۱ شاہ غلام علی: مقامات مظہری، ص ۸۶

۲۴۲ لوائح خانقاہ مظہریہ، مرتبہ غلام مصطفیٰ خاں، ص ۲۹

۲۴۳ ایضاً، ص ۲۳

۲۴۴ نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۶۶ ب

۲۴۵ ایضاً، ورق ۱۶۶ ب

۲۴۶ شاہ عبدالغنی: ضمیمہ مقامات مظہری، مطبع مجتبائی، دہلی، ۱۳۰۹ھ، ص ۱-۱۰؛ غلام سرور: خزینۃ الاصفیاء، ۱: ۶۹۳-۷۰۰؛ رحمان علی: تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۵۵؛ سرسید احمد خاں: اثار الصنادید، ص ۴۶۱-۴۶۹

۲۴۷ شاہ عبدالغنی: ضمیمہ مقامات مظہری، ص ۱۷

۲۴۸ ایضاً، ص ۱۹

۲۴۹ ایضاً، ص ۱۷۔ غلام سرور: خزینۃ الاصفیاء، ص ۷۰۱؛ سرسید احمد خاں: آثار الصنادید، ص ۴۶۹؛ فقیر محمد: حدائق الحنفیہ، ص ۴۷۱

۲۵۰ رحمان علی: تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۲۲؛ فقیر محمد: حدائق الحنفیہ، ص ۴۷۰؛ صدیق حسن خاں: اتحاف النبلاء، ص ۲۹۶۔

۲۵۱ محمد عبدالرحمٰن: دیباچہ بر "مالابدمنہ" از قاضی ثناء اللہ پانی پتی، کتب خانہ امدادیہ، دیوبند، ص ۴

۲۵۲ رحمان علی: تذکرہ علمائے ہند، ص ۶۶۔ فقیر محمد: حدائق الحنفیہ، ص ۴۶۹

۲۵۳ ایضاً، ص ۱۲۹ و ایضاً، ص: ۴۷۱

۲۵۴ ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ، جلد ۱۱۵، نمبر ۴، اپریل ۱۹۷۵ء، ص ۲۷۳-۲۷۵

۲۵۵ بخاری: ج ۴، باب التواضع؛ مسند امام احمد بن حنبل: جلد ۶، ص ۲۵۶

۲۵۶ قاضی ثناء اللہ پانی پتی: مالابدمنہ، سب رنگ کتاب گھر، دہلی، ۱۹۵۶ء، ص ۵۲

toobaafoundation.com

۲۵۷ کمال الدین محمد بن عبدالواحد ابن الہمام السکندری (متوفی ۸۶۱ھ): فتح القدیر، یہ "ہدایہ" کی شرح ہے۔ جو چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ فقہ حنفیہ کی معرکۃ الآرا کتاب ہے اس میں ہر مسئلہ کو عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت کیا ہے۔

۲۵۸ کعب بن زہیر، مکہ معظمہ کا بہت مشہور یہودی شاعر تھا۔ اسلام سے متاثر ہوا۔ آنحضرت، صلی اللہ علیہ وسلم، کی مدح میں "بانت سُعاد" کا مشہور قصیدہ لکھ کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ حضور، صلی اللہ علیہ وسلم، نے اپنا جبہ مبارک اس کو خلعت کے طور پر بخش دیا۔

۲۵۹ مولانا جلال الدین رومی ابن بہاء الدین بلخی (متوفی ۶۷۲ھ) فارسی زبان میں ان کی مثنوی جو "مثنوی مولانا روم" کے نام سے مشہور ہے اس میں ۴۷ ہزار سے زائد اشعار ہیں اور اس میں دقیق مسائل اور حقائق تصوف کو حکایتوں اور داستانوں کے پیرائے میں منظوم کر کے حل کیا ہے۔

۲۶۰ شیعوں کے چار بڑے بڑے فرقوں میں سے ایک "امامیہ" ہے۔ امامیہ فرقے کا عقیدہ ہے کہ امام کی تنصیب خدا پر واجب ہے اور اولاد فاطمہ میں سے کسی امام کی موجودگی سے کوئی زمانہ خالی نہیں رہتا۔ مذاہب امامیہ کے ۲۵ فرقے ہیں جن میں سے ایک "اثنا عشریہ" ہے۔ اثنا عشریہ کا عقیدہ ہے کہ امام حسن عسکری کے بعد ان کے بیٹے محمد بن الحسن امام ہیں اور وہ زندہ ہیں۔ امام مہدی کے منتظر ہیں۔ دشمنوں کے خوف سے چھپ گئے ہیں ایک زمانہ کے بعد ظاہر ہوں گے۔ (السیف المسلول، ص ۴، ۷، ۹)

۲۶۱ السیف المسلول، ص ۲

۲۶۲ کلمات طیبات، مکتوب ۷۹، ص ۶۶؛ تراجم علمائے حدیث، ص ۲۰۸۔ ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ، جلد ۲۳، نمبر ۶، جون ۱۹۲۹ء، ص ۲۴۵

۲۶۳ مکاتیب میرزا مظہر مرتبہ عبدالرزاق قریشی، ص ۱۲۳، مکتوب ۸۳

۲۶۴ وصیت نامہ مذکور، مشمولہ بہ "مالابدمنہ"، سب رنگ کتاب گھر، دہلی، ۱۹۵۶ء، ص ۱۴۴

toobaafoundation.com

۲۶۵ ایضاً، ص ۱۴۵

۲۶۶ ایضاً، ص ۱۴۹

۲۶۷ نعیم اللہ بہرائچی، بشارات مظہریہ، ورق ۱۶۴ب (مکتوب قاضی ثناء اللہ پانی پتی، نمبر ۳)

۲۶۸ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، ۵:۱۳۶

۲۶۹ ایضاً، ۱:۵

۲۷۰ ایضاً، ۱:۱۵۴

۲۷۱ ایضاً، ۱:۳۵۶۔۳۵۷

۲۷۲ ایضاً، ۱:۳۵۸

۲۷۳ ایضاً، ۱:۳۵۹

۲۷۴ ایضاً، ۱:۲۱۴

۲۷۵ ایضاً، ۱:۱۶

۲۷۶ ایضاً، ۱:۳۳۶

۲۷۷ ایضاً، ۵:۱۱۳

۲۷۸ ایضاً، ۵:۱۱۴

۲۷۹ ایضاً، ۴:۱۰۷

۲۸۰ ایضاً، ۱:۱۷۱

۲۸۱ ایضاً، ۱:۲

۲۸۲ ایضاً، ۱:۲:۳

۲۸۳ ایضاً، ۱:۳

۲۸۴ ایضاً، ۱:۴

۲۸۵ ایضاً، ۱:۴

۲۸۶ ایضاً، ۱:۹۔۱۰

toobaafoundation.com

۲۸۷ ایضاً، ۱:۱۷

۲۸۸ ایضاً، ۱:۱۲

۲۸۹ ایضاً، ۱:۱۲

۲۹۰ حروف مہموسہ: ت، ث، ج، خ، س، ش، ص، ف، ک اور ھ (محمد الیاس برنی: تسہیل الترتیل، حیدرآباد، ۱۳۶۰ھ، ص ۸۳)

۲۹۱ حروف مجہورہ: ا، ب، ج، د، ذ، ر، ز، ض، ط، ظ، ع، غ، ق، ل، م، ن، و، ء اور ی (ایضاً)

۲۹۲ حروف شدیدہ: ء، ب، ت، ج، د، ط، ق اور ک (ایضاً، ص ۸۳)

۲۹۳ حروف رخوہ: ث، ج، خ، ذ، ز، س، ش، ص، ض، ظ، غ، ف، د، ھ اور ی (ایضاً)

۲۹۴ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، ۱:۱۳

۲۹۵ ایضاً، ۱ : ۱۴

۲۹۶ ایضاً، ۱ : ۱۶

۲۹۷ ایضاً، ۱۰ : ۱۵۰_۱۵۱

۲۹۸ ایضاً، ۱۰ :۱۵۱_۱۵۲

۲۹۹ ایضاً، ۱۰ : ۱۵۲

۳۰۰ ایضاً، ۱۰ : ۱۵۲_۱۵۳

۳۰۱ ایضاً، ۱۰ : ۱۵۳_۱۵۴

۳۰۲ ایضاً، ۱۰ :۱۵۴

۳۰۳ ایضاً، ۱۰ : ۱۱۵_۱۱۶

۳۰۴ ایضاً، ۱۰ : ۱۱۶_۱۱۷

۳۰۵ ایضاً، ۱۰ : ۱۱۷_۱۱۸

۳۰۶ ایضاً، ۱۰ : ۱۱۸_۱۲۰

۳۰۷ ایضاً، ۱۰ : ۱۲۰

toobaafoundation.com

۳۰۸ ابن تیمیہ، الرسائل المنیر ہ، قاہرہ، ۱۹۲۴ء، ۱ : ۲۳۶

۳۰۹ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، ۱ : ۴۱۱_۴۱۲

۳۱۰ ایضاً، ۱۰ : ۱۸۳

۳۱۱ ایضاً، ۱۰ : ۲۶۳

۳۱۲ ایضاً، ۱۰ : ۲۴۷

۳۱۳ ایضاً، ۸ : ۳۲۰_۳۲۱

۳۱۴ ایضاً، ۶ : ۷۸

۳۱۵ الاحزاب: ۴

۳۱۶ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، ۶ : ۲۷

۳۱۷ ایضاً، ۱۰ : ۶۲_۶۳

۳۱۸ ایضاً، ۶ : ۱۴۰

۳۱۹ ایضاً، ۱۰ : ۱۸۶

۳۱۰ ایضاً، ۵ : ۳۹

۳۱۱ ایضاً، ۱۰ : ۱۳۶_۱۳۷

۳۱۲ ایضاً، ۱۰ : ۲۶۱

۳۱۳ ایضاً، ۳ : ۷۲

۳۱۴ ایضاً، ۳ : ۷۳_۷۴

۳۱۵ ایضاً، ۱ : ۱۷۶

۳۱۶ ایضاً، ۱ : ۲۰۵_۲۰۶

۳۱۷ ایضاً، ۱۰ : ۲۰۵

۳۱۸ ایضاً، ۳ : ۵۰

۳۱۹ مفتی ریاض الدین بن میاں جی ایزد بخش، قصبہ افضل گڑھ ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ شاہی مراد آباد میں تعلیم حاصل کی۔ مدرسہ عربیہ، دانپور اور مدرسہ

toobaafoundation.com

اسلامیہ عربیہ گلاؤٹھی میں مدرس رہے۔ پھر ایک عرصہ تک مدرسہ عالیہ، کمبوہ دروازہ میرٹھ میں صدر مدرس کے فرائض انجام دیئے ان کی علمی شہرت سے متاثر ہوکر ارباب دارالعلوم دیوبند نے ان کو دارالعلوم کی خدمت اور تشنگان علم کو سیراب کرنے پر آمادہ کرلیا اور دارالافتاء کی صدارت ان کے سپرد کی چنانچہ آخردم تک وہ شیخ التفسیر اور مفتی اعظم رہے۔ نواب بھوپال کی فرمائش اور اپنے استاد مولانا محمد حسن یا احمد حسن کی تجویز پر مفتی صاحب بھوپال میں مجلس علماء کے کسی عہدے پر تشریف لے گئے لیکن وہاں کا آرام وآسائش والا ماحول ان کو پسند نہیں آیا اور دیوبند واپس تشریف لے آئے۔ مفتی صاحب مصروف درس تھے کہ طبیعت خراب ہوئی۔ علالت کی وجہ سے دارالعلوم سے رخصت پر اپنے وطن، افضل گڑھ، تشریف لائے اور وہیں ۱۳۶۲ھ میں انتقال ہوا۔ نواب حبیب الرحمٰن خاں شروانی نے تاریخ وفات موزوں کی جو سنگ مرمر پر کندہ مفتی صاحب کے مزار کے سرہانے نصب ہے۔ مادۂ تاریخ 'شانِ ریاض' ہے۔

۳۲۰ مولوی فریدالدین بن مولانا مفتی ریاض الدین، میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ وہیں قرآن شریف حفظ کیا اور عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر دارالعلوم دیوبند میں تکمیل علوم کرکے دستار فضیلت حاصل کی۔ کچھ عرصہ امرتسر میں درس دیا پھر اپنے آبائی وطن، افضل گڑھ تشریف لے آئے۔ خطیب جامع مسجد اور صدر مدرس، مدرسہ حفظ قرآن مقرر ہوئے۔ اور بکثرت حفاظ تیار کیے۔ درویش صفت آدمی تھے۔ ۱۹۸۸ء میں انتقال ہوا۔ اپنے والد کی قبر کے پاس دفن ہیں۔

۳۲۱ فائل نمبر ۲۳، بابت طباعت تفسیر مظہری، دفتر مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ، شبلی گنج، حیدرآباد، دکن

toobaafoundation.com

مطالعات

احمد بن حنبل : مسند

آزاد بلگرامی، غلام علی : خزانہ عامرہ، نول کشور، کانپور، ۱۸۷۱ء

// // : مآثر الکرام، مطبع مفید عام، آگرہ، ۱۹۱۰ء

اسماعیل پاشا : ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، المکتبۃ الاسلامیہ، طہران، ۱۹۴۷ء

// // : ہدایت العارفین اسماء المؤلفین وآثار المصنفین، المکتبۃ الاسلامیہ، طہران، ۱۹۶۷ء

اطہر مبارک پوری : اسلامی ہند کی عظمت رفتہ، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۶۹ء

اظفری، محمد ظہیر الدین : واقعات اظفری، ترجمہ، عبدالستار، مدراس، ۱۹۳۷ء

اللہ دیا، شیخ : سیر الاقطاب، نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۱۳ء

الٰہی بخش، مفتی : بیاض، قلمی، کتب خانہ مفتی افتخار الحسن، کاندھلہ

الیاس برنی : تسہیل الترتیل، حیدرآباد، ۱۳۶۰ھ

بشیر احمد صابری : اولیاء کرام پانی پت، شریف احمد بک سیلرز، پانی پت، ۱۹۷۶ء

تنویر احمد علوی : صحیفہ ابرار، ادارۂ مطبوعات نور محمدیہ، جھنجھانہ، مظفر نگر، ۱۹۷۴ء

ابن تیمیہ : الرسائل المنیرہ، قاہرہ، ۱۹۲۴ء

ابن جریر طبری : جامع البیان فی تفسیر القرآن، مطبع مصطفائی البابی، مصر، ۱۹۵۴ء

ابن الجزری، محمد بن محمد : غایت النہایہ فی طبقات القراء، مکتبہ خانجی، مصر، ۱۹۳۲ء

الحاج خلیفہ : کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، المکتبۃ الاسلامیہ، طہران، ۱۹۴۷ء

toobaafoundation.com

حامد حسن قادری : داستان تاریخ اردو، آگرہ، ۱۹۴۱ء

ابن حجر : التہذیب التہذیب، دائرۃ المعارف، حیدرآباد، ۱۳۲۵ھ

// // : الدرر الکامنہ، ادارۃ المعارف، حیدرآباد، ۱۳۴۷ھ

ابوالحسنات ندوی : ہندوستان میں قدیم اسلامی درسگاہیں، معارف پریس، اعظم گڑھ، ۱۹۳۶ء

سید حمزہ : کاشف الاستار، قلمی، (آزاد لائبریری، علی گڑھ)

مرزا حیرت : حیات طیبہ، مطبع فاروقی، دہلی

خلیق احمد نظامی : تاریخ مشائخ چشت، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۵۳ء

// // : سلاطین ہند کے مذہبی رجحانات، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۵۱ء

// // : شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، علی گڑھ

خلیق انجم : مرزا مظہر جانجاناں کے خطوط، مکتبہ برہان، دہلی، ۱۹۶۲ء

داراشکوہ : سفینۃ الاولیاء، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۶۱ء

درد، خواجہ میر : رسالہ درد، مطبع شاہجہانی، بھوپال

درگاہ قلی خاں : مرقع دہلی، تاج پریس، حیدرآباد دکن

ذکاء اللہ : تاریخ ہندوستان، شمس المطابع، دہلی، ۱۸۹۷ء

رحمان علی : تذکرہ علمائے ہند، نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۱۴ء

رشید احمد جالندھری : علم تفسیر اور مفسرین، المکتبۃ العلمیہ، لاہور، ۱۹۷۱ء

رشید الدین : دیوان رشید، قلمی، (علی گڑھ)

: الروض الممطور فی تراجم علمائے شرح الصدور، مطبع مفید عام، آگرہ، ۱۳۰۷ھ

ریاست علی ندوی : عہد اسلامی کا ہندوستان، ادارۃ المصنفین، پٹنہ، ۱۹۵۰ء

الزرکشی، محمد بن عبداللہ: البرہان فی علوم القرآن، دار احیاء الکتب العربیہ، مصر

الزرکلی، خیر الدین : الاعلام، ۱۰ جلدیں، قاہرہ، ۱۹۵۴-۱۹۵۹ء

toobaafoundation.com

زید ابوالحسن فاروقی : مختصر احوال قاضی ثناء اللہ پانی پتی، قلمی

// // : مکتوب بنام عبدالحمید قریشی، نواب شاہ پاکستان، قلمی

السخاوی : الضوء اللامع لاہل القرن التاسع، مکتبہ القدوسی، قاہرہ، ۱۳۵۴ھ

ابن سعد : طبقات، بیروت، ۱۳۷۷ھ

السمعانی : الانساب، دائرۃ المعارف، حیدرآباد، ۱۹۶۲ء

سودا، محمد رفیع : کلیات سودا، نول کشور لکھنؤ، ۱۹۲۳ء

سرسید احمد خاں : آثار الصنادید، سینٹرل بک ڈپو، دہلی، ۱۹۶۵ء

سید علی قنوجی : ہدایت المسلمین، قلمی، انجمن ترقی اردو ہند

سیوطی، جلال الدین : الاتقان فی علوم القرآن، کارخانہ تجارت، کراچی، واصح المطابع کراچی

// // : حسن المحاضرہ فی اخبار مصر و قاہرہ، ادارۃ الوطن، مصر، ۱۲۹۹ھ

شاکر خاں : تذکرۂ پانی پت، قلمی، پٹنہ

شاہ عالم : نادرات شاہی، (مرتبہ امتیاز علی عرشی) رام پور، ۱۹۴۴ء

شاہ نواز خان : مآثر الامراء، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، ۱۸۹۵ء

صدیق حسن خاں : اتحاف النبلاء المتقین باحیاء الفقہاء المحدثین، مطبع نظامی، کانپور، ۱۲۸۹ھ

سید ابوظفر ندوی : تاریخ سندھ، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ۱۹۷۰ء

// // : تاریخ گجرات، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۵۸ء

عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، مطبع مجتبائی، دہلی، ۱۹۱۴ء

عبدالحق حقانی : البیان فی علوم القرآن، کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند، ۱۹۵۸ء

عبدالحلیم انصاری : تذکرۃ الصالحین، دارالاشاعت رحمانیہ، پانی پت، ۱۹۳۸ء

عبدالحی الحسنی : الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند (ترجمہ: ابوالعرفان ندوی)،

toobaafoundation.com

دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ۱۹۶۹ء

// // : دہلی اور اس کے اطراف، ندوۃ العلماء، لکھنؤ، ۱۹۵۸ء

// // : نزہۃ الخواطر، دائرۃ المعارف، حیدرآباد، ۱۹۵۷ء

عبدالرحمٰن امرتسری : سیاحت ہند، لاہور، ۱۹۰۹ء

عبدالرزاق قریشی : مکاتیب میرزا مظہر، علوی بک ڈپو، بمبئی، ۱۹۶۶

// // : میرزا مظہر جانجاناں اور ان کا کلام، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ۱۹۷۹ء

عبدالصمد صارم : تاریخ التفسیر، ادارۂ علمیہ، لاہور، ۱۹۶۶ء

// // : تاریخ القرآن، مکتبہ معین الادب، لاہور، ۱۹۷۱ء

عبدالعزیز، شاہ : رسالہ تعزیہ داری، قلمی، (انجمن ترقی اردو ہند)

// // : ملفوظات، مطبع مجتبائی، میرٹھ، ۱۳۱۴ھ

// // : ملفوظات، ایجوکیشنل پبلشرز، کراچی، ۱۹۶۰ء

عبدالغفار، قاضی : حیات اجمل، انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۵۰ء

عبدالقادر خاں : علم و علم (وقایع عبدالقادر خانی)، ترجمہ: مولوی محمد معین الدین افضل گڑھی، ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی، ۱۹۶۰ء

عبدالکریم : عمدۃ الصحائف فی حال اہل الکشف والمعارف، مطبع انوار احمدی، الٰہ آباد

عبیداللہ سندھی : شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، ۱۹۴۵ء

علی ابراہیم خاں : تاریخ مرہٹہ وابدالی، مطبع احمدی، بنارس، ۱۸۹۴ء

ابن العماد : شذرات الذہب فی اخبار من ذہب، مکتبہ القدوسی، قاہرہ، ۱۳۵۶ھ

العیدروسی : النور السافر عن اخبار القرن العاشر، بغداد، ۱۳۵۳ھ

غلام حسین طباطبائی : سیر المتاخرین، میڈیکل پریس، کلکتہ، ۱۸۳۳ء

toobaafoundation.com

غلام سرور، مفتی : تاریخ مخزن پنجاب، نول کشور، لکھنؤ، ۱۲۹۴ھ

// // : حدیقۃ الاولیآء، اسلامک فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۷۶ء

// // : خزینۃ الاصفیاء، نول کشور، کانپور، ۱۲۹۰ھ

غلام علی، شاہ : حالات ومقامات حضرت شمس الدین حبیب اللہ مرزا جانجاناں مظہر شہید قدس سرہٗ، مطبع احمدی، ۱۲۶۹ھ

// // : کمالات مظہری، قلمی، مملوکہ شاہ زید ابوالحسن فاروقی، دہلی

// // : مقامات مظہری، مطبع مجتبائی، دہلی، ۱۳۰۹ھ

غلام علی نقوی : عماد السعادت، نول کشور، لکھنؤ، ۱۸۶۴ء

غلام مصطفیٰ خاں : لوایح خانقاہ مظہریہ، ۲۷۲/ ۷، لطیف آباد، حیدر آباد، سندھ، ۱۹۷۵ء

فردینان توتل الیسوعی: المنجد فی الادب والعلوم، المطبعۃ الکاثولیکیۃ، بیروت، ۱۹۵۶ء

فقیر محمد : حدائق الحنفیہ، نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۰۶ء

قدرت اللہ قاسم : مجموعہ نغز (مرتبہ محمود شیرانی) لاہور، ۱۹۳۳ء

الکشی، محمد بن عمر : معرفۃ الناقلین عن الائمۃ الصادقین موسسۃ الاعلی للمطبوعات، کربلا

لیپل گریفن : روسائے پنجاب (ترجمہ: بھگوان داس)، اسلامیہ پریس، لاہور، ۱۸۹۶ء

محبوب رضوی، سید : جائزہ تراجم قرآنی، مجلس معارف القرآن، دیوبند، ۱۹۶۸ء

مصحفی، غلام ہمدانی : عقد ثریا، جید برقی پریس، دہلی، ۱۹۳۴ء

محمد بن احمد مرادآبادی: کلمات طیبات، مطبع مجتبائی، دہلی، ۱۸۹۱ء لصحیح

محمد بن اسماعیل : الصحیح البخاری

محمد بن عبدالواحد ابن الہمام: فتح القدیر (شرح ہدایہ)

محمد بن یحییٰ : الیانع الجنی فی اسانید عبدالغنی، مطبع صدیقی، ۱۲۸۷ھ

toobaafoundation.com

محمد اسحاق بھٹی : فقہائے ہند، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۷۷ء
محمد ایوب قادری (مترجم): مجموعہ وصایائے اربعہ، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد، سندھ، ۱۹۶۴ء
محمد حسن نقشبندی : حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، احسن المطابع، مرادآباد، ۱۳۲۲ھ
محمد خالد، ابوالنصر : تقویم ہجری وعیسوی، دہلی، انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۷۷ء
محمد زکریا بڑھانوی : کشکول تصوف، قلمی، مملوکہ مولوی افتخار الحسن، کاندھلہ
محمد زکریا، مولوی : تاریخ مشائخ چشت، اشاعت العلوم، سہارنپور، ۱۳۹۳ھ
محمد سالم قدوائی : ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، مکتبہ جامعہ، دہلی، ۱۹۷۳ء
محمد لطیف : تاریخ پنجاب، مطبع پنجابی، لاہور، ۱۸۸۸ء
محمد مالک : التحریر فی اصول التفسیر، قرآن محل، کراچی، ۱۳۸۲ھ
محمد میاں : پانی پت اور بزرگان پانی پت، کتابستان، دہلی، ۱۹۶۳ء
محمد ناصر، شاہ : نالۂ عندلیب، مطبع شاہجہانی، بھوپال، ۱۳۰۸ھ
محمود بخش : بستان معرفت، انوری پریس، لکھنؤ، ۱۸۸۸ء
مسعود علی ندوی : ہندوستان عربوں کی نظر میں، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ۱۹۶۰ء
مناظر احسن گیلانی : تذکرہ شاہ ولی اللہ، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۵۹ء
〃 〃 : ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۴۴ء
منظور الحق عثمانی : تاریخ کے چند اوراق، انجمن عثمانیہ جلالیہ پاکستان، کراچی، ۱۹۶۰ء
میر تقی میر : میر کی آپ بیتی، مکتبہ برہان، دہلی، ۱۹۵۷ء
میر حسن : مثنویات میر حسن، نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۴۵ء

toobaafoundation.com

میسی، سی. ایف : روسائے با اختیار و نامی خاندان پنجاب، مطبع اسلامیہ، لاہور، ۱۸۹۴ء

نظامی بدایونی : قاموس المشاہیر، نظامی پریس، بدایوں، ۱۹۲۴ء

نعیم اللہ بہرائچی : بشارات مظہریہ، قلمی

// // : خودنوشت سوانح، قلمی، بہرائچ

// // : رقعات کرامت، مطبع فتح الاخبار، کول، (علی گڑھ)، ۱۸۵۴ء

// // : معمولات مظہریہ، مطبع نظامی، کانپور، ۱۲۸۴ھ

ولی اللہ دہلوی، شاہ : التفہیمات الٰہیہ، مجلس علمیہ، ڈابھیل، ۱۹۳۳ء

// // : حجۃ اللہ البالغہ

ہالرائڈ : جغرافیہ پنجاب، حکومت پنجاب، لاہور، ۱۸۷۶ء

ہندو شاہ فرشتہ : تاریخ فرشتہ، نول کشور

یاقوت الحموی : معجم البلدان، بیروت، ۱۹۵۷ء

ابو یحییٰ امام خاں : تراجم علمائے حدیث ہند، جید برقی پریس، دہلی، ۱۹۳۸ء

رسائل:

زمانہ (ماہنامہ)، کانپور، جلد ۵۲، شمارہ ۳، مارچ ۱۹۲۹ء

زمانہ // // // شمارہ ۴، اپریل ۱۹۲۹ء

فکر و نظر (ماہنامہ)، اسلام آباد، پاکستان، جلد ۲۰، شمارہ ۴، اکتوبر ۱۹۸۲ء

مصنف (سہ ماہی)، ایجوکیشنل کانفرنس، علی گڑھ، جلد ۵، نمبر ۲۰، دسمبر ۱۹۴۷ء

مصنف // // // جلد ۶ نمبر ۲۱، اپریل ۱۹۴۸ء

معارف (ماہنامہ)، اعظم گڑھ، جلد ۲۳، نمبر ۶، جون، ۱۹۲۹ء

معارف // // جلد ۱۱۵، نمبر ۴، اپریل، ۱۹۷۵ء

toobaafoundation.com

کیٹلاگس:

عبدالحق، ڈاکٹر : قاموس الکتب اردو، انجمن ترقی اردو، پاکستان، کراچی، ۱۹۶۱ء

محمود خاں شیرانی : فہرست مخطوطات شیرانی، ادارہ تحقیقات پاکستان، لاہور، ۱۹۷۵ء

نصیر الدین ہاشمی : کتب خانہ سالار جنگ کی اردو کتابوں کی وضاحتی فہرست، ۱۳۷۶ھ

فائل:

فائل نمبر ۲۳ بابت طباعت تفسیر مظہری، دفتر مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ، شبلی گنج، حیدرآباد، دکن

☆ Franklin, W. History of the Reign of Shah Alam. Stationers' Hall, London, 1798

☆ Fraser, J. History of Nadir Shah, Mohan Publishes, Delhi, 1973

☆ Gupta, Hari Ram A History of Sikha, Minarve Book Shop, Simla, 2 Vol.

Studies in Later Mughal, Minarva Book Shop, Lahore.

☆ Imperial Gazetteer of India, Oxford, 1908

☆ Invine, W. Later Mughals, M.C. Sarkar & Sons, Calcutta, 2 Vols.

☆ Khushwant Singh, History of the Sikhs, Princeton, New Jersey, 1963, 2 Volumes.

☆ Punjab District Gazetteers, Vol VI-A: Kernal District, Punjab Government, Lahore, 1919.

☆ Rizvi, A.A. Shah Abd Al-Aziz, Marifat Publishing House, Canberra, Australia, 1982.

☆ Sarkar, J. Fall of the Mughal Empire, M.C. Sarkar & Sons, Calcutta, 3 Volumes.

☆ Stoddard, The New World of Islam, New York, 1921

☆ Zubaid Ahmad, The Contribution of India to Arabic Literature, Maktaba-e-Din-o-Danish. Jullunder, 1946

toobaafoundation.com

نمونہ تحریر قاضی ثناء اللہ پانی پتی

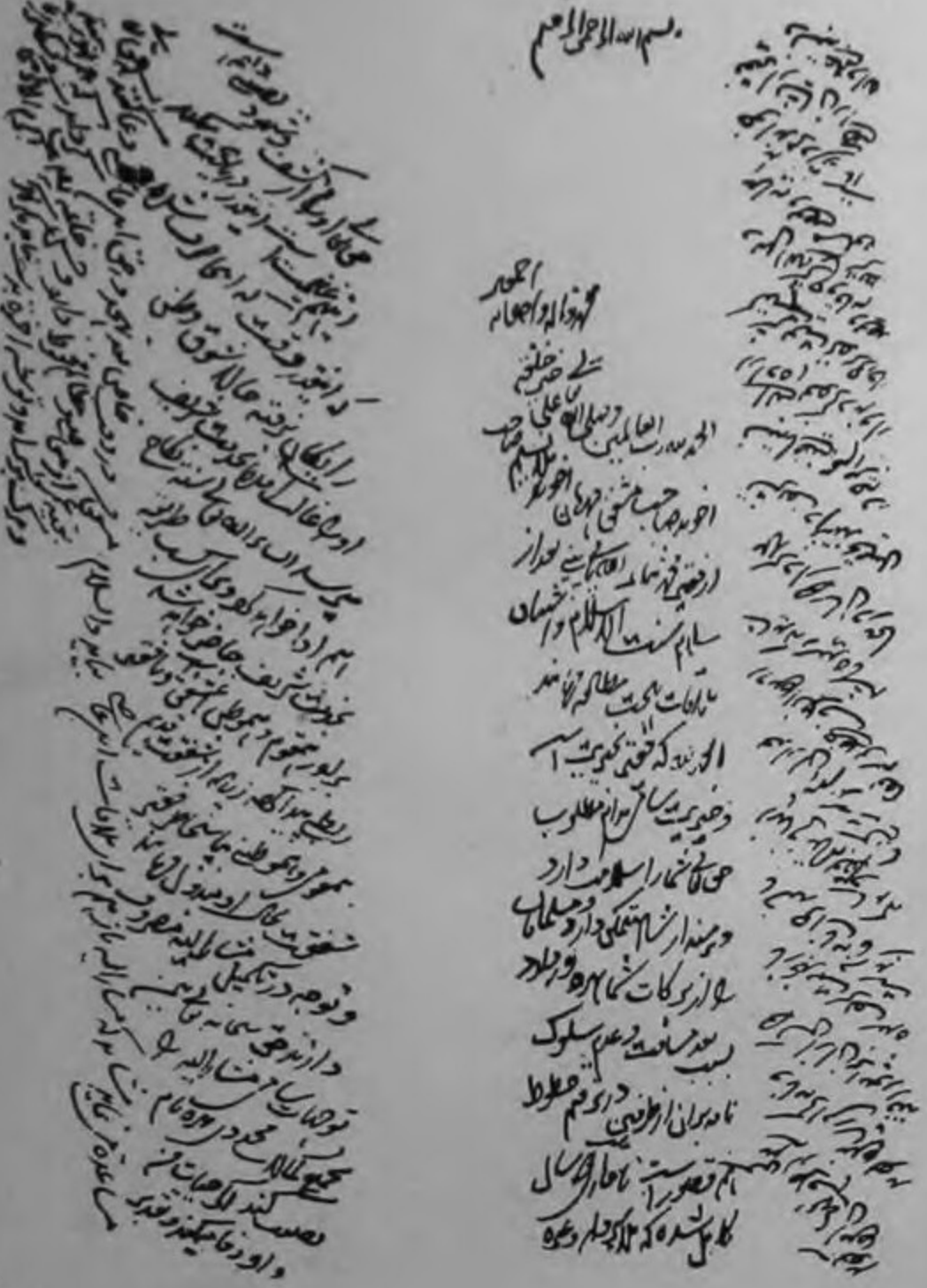

ادارۂ علوم القرآن کا ترجمان

ششماہی علوم القرآن علی گڑھ

جلد ۴ ○ جنوری - جون ۱۹۸۹ء — جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ - شوال المکرم ۱۴۰۹ھ ○ شمارہ ۱

مجلسِ مشاورت

۱۔ مولانا امانت اللہ اصلاحی نائجیریا

۲۔ مولانا عبد المجید ندوی مدرسۃ الاصلاح، سرائمیر

۳۔ ڈاکٹر عبید اللہ فراہی لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ

۴۔ ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی شبلی کالج، اعظم گڑھ

۵۔ ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۶۔ ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی جامعۂ اسلامیہ، مدینہ منورہ

۷۔ مولانا سلطان احمد اصلاحی ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ

مدیر

ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی

مدیر معاون

ڈاکٹر ظفر الاسلام

ادارۂ علوم القرآن

پوسٹ بکس نمبر ۹۹، سرسید نگر، علی گڑھ

Al Nadwa Library
الندوۃ
Chattar Islamabad 46001
0333-83 83 336-7

toobaafoundation.com

محتویات

اداریہ	اشتیاق احمد ظلی	۵
حکمتِ قرآن	حمید الدین فراہیؒ ترجمہ: خالد مسعود	۹
تفسیر سورۃ الاعلیٰ۔ کچھ غیر مطبوعہ افادات	حمید الدین فراہیؒ ترجمہ: محمد فاروق خاں	۲۵
قرآن مجید میں مستعمل بعض معرب الفاظ کی تحقیق۔ تابوت	ف۔ عبدالرحیم	۳۹
توکل کا قرآنی مفہوم	الطاف احمد اعظمی	۴۶
قرآنی حروف۔ ادبی و بلاغی اعجاز کا نمونہ	عائشہ عبدالرحمٰن بنت الشاطی ترجمہ: محمد رضی الاسلام ندوی	۵۶
التفسیر المظہری کا ناقدانہ جائزہ	ابو محفوظ الکریم معصومی	۷۹
سفیان ثوریؒ اور ان کی تفسیری خدمات	صفدر سلطان اصلاحی	۹۷
ادارہ علوم القرآن۔۔ ایک جائزہ	ظفر الاسلام	۱۰۶
قرآنی مضامین کا اشاریہ	ابو سفیان اصلاحی	۱۱۵
تعارف و تبصرہ :		۱۴۱
التحبیر فی علم التفسیر (امام سیوطیؒ)	اشہد رفیق ندوی	
کتاب نما	ادارہ	۱۴۵
خبر نامہ	ادارہ	۱۵۱
مقالات کا انگریزی خلاصہ	ادارہ	۱۵۶

ادارہ کا مقالہ نگاروں کی آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

toobaafoundation.com

التفسیر المظہری کا ناقدانہ جائزہ

ابو محفوظ الکریم معصومی

ہندوستان نے تفسیر قرآن کے سلسلہ میں جو عظیم خدمت انجام دی ہے اس کی اہمیت صرف مقامی دائرہ تک محدود نہیں بلکہ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ کچھ ایسی تفسیریں یہاں لکھی گئی ہیں جو بلاد عربیہ کے مفسرین کی عظیم خدمات کے پہلو بہ پہلو پیش کی جاسکتی ہیں۔ ہندی مفسرین اور ان کی عربی تفسیروں کا ایک حد تک تاریخی جائزہ ڈاکٹر محمد سالم قدوائی کے تحقیقی مقالہ میں ملتا ہے جو سرسری طور پر علوم القرآن کی نشر و اشاعت اور ہندی ظروف و احوال میں ان کے نشو و نما اور ترقی کا خاکہ پیش کرتا ہے اور لائقِ استفادہ ہے۔ میں یہاں طولانی تمہید کے بغیر صرف طبقۂ متاخرین کی ایک شخصیت کے عظیم تفسیری کارنامہ کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ پورے تفسیری ادبیات میں اہل ہند کا جو مخصوص حصہ ہے اسی کے پیشِ نظر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی التفسیر المظہری اپنی جامعیت و مجموعی انفرادیت کے لحاظ سے مستحقِ مطالعۂ خصوصی ہے:

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ (م رجب ۱۲۲۵ھ)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ نسلاً عثمانی ہیں اور بارہ واسطوں سے آپ کا سلسلۂ نسب حضرت شیخ جلال الدین عثمانی پانی پتی سے ملتا ہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں تکمیل علوم رسمیہ فرمائی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے حلقۂ درس میں رہ کر فقہ، حدیث و تفسیر کے اعلیٰ مدارج

toobaafoundation.com

طے فرمائے۔ شیخ عابد سنامی اور ان کے بعد حضرت شیخ جان جاناں دہلوی کے حلقۂ ارادت میں مراتب عالیہ کی سیر کی۔ ان کی علمی بصیرت وحذاقت کا عنوان تاباں شیخ جان جاناں نے علم الہدیٰ کے لقب کو قرار دیا جبکہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے جو قاضی صاحب کے صغار معاصرین میں ہیں ان کے مراتب عالیہ علمیہ کا ترجمان (بیہقی وقت) کے خطاب کو قرار دیا۔ شیخ غلام علی دہلوی نے مقامات میں ان کی جلالت شان بیان کرتے ہوئے تصریح کی ہے کہ صفائے ذہن، جودت طبع، قوت فکر وسلامتی نظر میں ممتاز ہونے کے ساتھ، فقہ واصول میں مرتبۂ اجتہاد پر فائز تھے۔ مذاہب اربعہ کا تقابلی مطالعہ فرما کر قوی ترین مذہب کی نشان دہی میں آپ نے ایک مستقل رسالہ الاُخذ بالا قوی مرتب فرمایا۔

اکابر مشائخ نے قاضی صاحبؒ کے فضل وکمال کا اعتراف جن الفاظ میں فرمایا ہے ان کا خلاصہ شیخ محسن ترہتی کے رسالہ الیانع الجنی میں بایں الفاظ ثبت ہے۔

انہ کان فقیھا اصولیا زاھدا مجتھدا	وہ فقہ واصول میں ماہر اور زہد واجتہاد
لہ اختیارات فی المذاھب ومصنفات	کے پیکر تھے فقہی مذاہب میں خود مسلک
عظیمۃ فی الفقہ والتفسیر والزھد	ترجیح واختیار پر گامزن اور فقہ، تفسیر و
وکان شیخہ یفتخر بہ۔	تصوف میں عظیم تصانیف کے مالک تھے۔
	ان کے شیخ کو ان پر فخر تھا۔"

وہ شیخ جن کو حضرت قاضی پانی پتی پر فخر تھا، حضرت شمس الدین جان جاناں جیسے قدوۃ المشائخ ہیں جیسا کہ علامہ ترہتی نے صراحت کی ہے۔ السیف المسلول فی الرد علی الشیعہ، رسالۃ فی العشر والخراج، حقیقۃ الاسلام، مالابد منہ وغیرہ کو حضرت قاضی علیہ الرحمہ کے رسائل وتالیفات میں خاص اہمیت وشہرت حاصل ہے۔ لیکن التفسیر المظہری آپ کی ضخیم ترین کتاب اور قرآن حکیم کی مکمل وجامع محاسن تفسیر ہے۔ جس کی اشاعت ندوۃ المصنفین کی جانب سے ہو چکی ہے۔

سہو وفروگذاشتیں طبع بشر کا خاصہ ہیں اور خصوصاً تفسیری روایات کی حیثیت شروع سے ائمہ ناقدین کی نگاہ میں تنقیح طلب رہی ہے اور سخت ترین اصول تفسیر نویسی پر کامیابی کے ساتھ شروع سے آخر تک اتنے تو ... قلم کا چلتے رہنا کار دارد، کا مصداق ہے۔ بو اخذہ

toobaafoundation.com

نقد و نظر سے امام جلیل محمد بن جریر الطبری تک کی تفسیر پچ نہ سکی امام فخر الدین رازی کے عظیم کارنامہ پر تبصرہ کرنے والوں نے یہاں تک کہدیا کہ "فیہ کل شیء الا التفسیر" لیکن انصاف شرط ہے کہ بیشتر محاسن و کمالات علمیہ کی دھجیاں معمولی فروگذاشتوں کی بنیاد پر نہ اڑائی جائیں۔ اور لفظ ہائے نظر کے اختلاف کے باوجود لائق ستائش اجزاء نظر انداز نہ کیے جائیں بلکہ کوئی ندرت و خصوصیت پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے تو اس کا برملا اعتراف کیا جائے۔

اپنی تفسیر کی بابت خود حضرت قاضی علیہ الرحمہ کا بیان ان کے ایک خط میں ملتا ہے جو اپنے پیر بھائی مولانا نعیم اللہ بہرائچی کو آپ نے لکھا تھا متعلقہ الفاظ حسب ذیل ہیں:

"تفسیر مظہری بفضلہ تعالیٰ کسوت اختتام پوشید بفضل الٰہی در ضمن تفسیر قرآن متکفل بہ بیان مذاہب فقہاء و ادلۂ شان در ضمن مسائل فقہ، و مسائل کلام و مسائل تصوف و سیر و مغازی سید الانام و اختلاف قرارۃ کافی و شافی آمدہ"۔

میرے خیال میں حضرت قاضی صاحب جیسے پیکر علم و اتقاء سے باوجود تواضع و سادگی اس سے زیادہ کی توقع نہیں ہو سکتی اور آپ نے سادہ لفظوں اور متواضع جملوں میں جن پہلوؤں کی طرف اشارہ کر دیا ہے ان میں سے ایک تصوف کو اگر علیحدہ کر دیجئے تو بھی ساری باتیں کم و بیش مفسرین کے مسلمہ طور پر وضع اسلوب تفسیر نگاری ابن جریر طبری کی تفسیر جامع البیان سے لے کر عہد حاضر تک کے اہلِ قلم مفسرین کی تفسیر نویسی کے بنیادی اجزائے ترکیبی کی حیثیت سے بطور قدر مشترک سب میں نظر آئیں گی۔ ایسی شکل میں تفسیر مظہری کی خصوصیات بیان کرنے کے لیے جزئیات کا احاطہ کرنا ضروری ہے اور اس کے لیے دراصل صرف تفسیر مظہری کو موضوع مطالعہ بنائے بغیر چارۂ کار نہیں۔ ظاہر ہے کہ ہم فی الوقت طول و عرض کی وسعتوں اور گہرائیوں کا جائزہ لے کر کوئی نتیجہ پیش کرنے سے قاصر ہیں اور صرف اشاروں پر اکتفا کرنے کے لیے مجبور۔ خوش قسمتی سے زمرۂ ہندی مفسرین میں سے ایک یگانہ مفسر کی رائے ہاتھ آگئی ہے جسے ہم یہاں پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ میری مراد نواب سید صدیق حسن خاں علیہ الرحمہ سے ہے۔ اکسیر فی اصول التفسیر میں نواب والا جاہ نے جو کچھ ارقام فرمایا ہے وہ یہاں تماماً و کمالاً درج کیا جاتا ہے:

"مظہری: تفسیر عربی است، در چہار مجلد کلاں، بر لسان فقہ و تصوف و در قرارت و

toobaafoundation.com

اعراب ہم کلام کردہ ۔ ماخوذ از بغوی و بیضاوی است ۔ تالیف قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ است ۔ وجہ تسمیۂ او باین اسم آنست کہ شیخ وے میرزا جانِ جاناں مظہر تخلص داشت ۔ این تفسیر بر نام وے تالیف کرد و معارف و حقائق او را مع معارف و مقامات شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی بیان فرمودہ ۔ فقیر او را بنظر اجمالی دیدہ دریافت کہ وجوہ تفسیر کمتر دارد و مباحث خارج ازین فن بسیار قابل تنقیح و تلخیص است و جائے کہ بسخنے و مقالۂ متفرد از دائرہ تحقیق بدر رفتہ، مذاق صوفیہ غالب دارد، و مہارت در علم تفسیر خیلی قلیل واللہ اعلم

حضرت نواب صاحب مرحوم نے مظہری کا مطالعہ بقول خود تفصیل و استیعاب سے نہیں، بلکہ سرسری طور پر کیا لیکن انھوں نے جو رائے پیش کی ہے اس کا لہجہ بتاتا ہے کہ بڑے گہرے احتساب کی نظر سے مطالعہ کیا ہوگا۔ بہر حال وہ اپنی رائے بڑے وثوق کے ساتھ بدفعات ذیل پیش فرماتے ہیں۔

۱۔ وجوہ تفسیر کی مقدار کم ہے

۲۔ فن سے خارج مباحث کی کثرت ہے لہٰذا تنقیح و تلخیص کی ضرورت ہے۔

۳۔ تفردات میں مصنف مظہری دائرہ تحقیق سے باہر نکل گئے ہیں۔

۴۔ علم تفسیر میں مہارت کی کمی ہے۔

۵۔ مذاق تصوف کا ان پر غلبہ ہے۔

۶۔ یہ کتاب بغوی و بیضاوی سے ماخوذ ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک طرف نواب صاحب مرحوم کی جلالتِ شان اور ان کے عظیم کارناموں سے آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں دوسری طرف حضرت قاضی ثناء اللہ کے بحر مواج ہیں ہم جیسے کم سواد کیا تنازعی کریں گے پر اتنا ہمارے لیے بہت کافی ہے کہ شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ نے جس کو "بیہقی الوقت" کہا اور مرزا مظہر جانِ جاناں جیسے یگانہ جامع الصفات صوفی و درویش ہی نہیں علوم دین و شریعت کے نبض شناس نے "علم الہدیٰ" کا لقب دیا ہوا یسے ملقب بالالقاب السنیۃ کی بابت دفعہ ایک سے لے کر چار تک کی باتیں حیرت زدہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اگر تفسیر مظہری آج طبع ہو کر ہم

toobaafoundation.com

جیسے کم سوادوں کے ہاتھوں میں نہ آگئی ہوتی تو بات دوسری تھی۔ نواب صاحب مرحوم کی تحریر موثر ہو سکتی تھی۔ لیکن یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ نواب علیہ الرحمۃ کی اجمالی نگاہ کو بھی ایک بے بضاعت کی عمر بھر کی دقت نظری پہنچ نہیں سکتی۔ ان کی رائے عالی کے مذکورہ بالا دفعات سے اتفاق کرنا دشوار ہی نہیں محال نظر آتا ہے۔ دفعات چہارگانہ کو مؤخر کر کے ہم آخری دونوں دفعوں کی بابت بالفاظ مختصر اپنی گذارشات آپ کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں۔

۱۔ نواب صاحب مرحوم کا ارشاد ہے "ماخوذ از بغوی و بیضاوی ست"۔ میرے نزدیک یہ الفاظ تنقیص کے لیے نہیں ہیں۔ اگر غور کیجئے تو علوم نقلیہ ہی نہیں عقلیات میں بھی چراغ سے چراغ روشن کرنے کا عمل بہ تسلسل نظر آئے گا اور علوم دینیہ میں تو علی الخصوص اس کی اشد ضرورت ہے کسی زمانہ میں اس فقیر نے تفسیر طبری کی اہمیت پر اپنے خاص مطالعہ کے نتیجے میں اس کے ماخذ کی بھی نشاندہی کی تھی۔ اخذ و اقتباس سے جو سلیقہ مندی کے ساتھ ہو اور با مقصد ہو کسی بڑے سے بڑے مصنف کی جلالت شان میں فرق نہیں پڑتا۔ امہات مصادر و ماخذ دینیہ کا جائزہ لیجئے تو واضح ہوگا کہ کوئی عظیم مصنف و مؤلف اپنی مستند تالیفات کو اخذ و اقتباس سے الگ نہیں رکھتا اور نہ وہ متقدمین سے اپنی بے نیازی کا دعویٰ کر سکتا ہے بلکہ یہی بے نیازی اس کی اور اس کی کتاب کی اہمیت و قدر و قیمت کو فی الواقع گھٹانے کا سبب ہوتی ہے اور تو اور خود نواب صاحب علیہ الرحمہ کی دیگر بے شمار تصانیف ممتعہ کو جانے دیجئے ان کی تفسیر فتح البیان جو اس ناقص العلم کی نگاہ ہندوستان کی تفسیری خدمتوں میں ایک وقیع ترین خدمت اپنی جگہ پر ہے، کیا اسی کے ماخذ نظروں سے اوجھل ہیں! دیکھنے کی بات یہ ہے کہ قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے قاضی بیضاوی یا البغوی کے فرمودات کو آنکھیں بند کر کے نقل فرما دیا ہے یا ان کی ایک ایک بات کی جانچ اور پرکھ بھی کی ہے کہ کندن کے ساتھ ریت اور دھول کے چمکتے ذرے بھی سمیٹ لیے ہوں۔ ایک آدھ مثال ذیل میں پیش کی جائے گی انشاء اللہ کہ کچھ تو حال قاضی علیہ الرحمہ کے طریق اخذ و اقتباس کا کھلے۔

۲۔ نواب صاحب مرحوم کا یہ فرمانا کہ "مذاق صوفیہ غالب دارد" اس پر تبصرہ کرنا میرے لیے چھوٹا منہ بڑی بات ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ نواب صاحب کے قلم سے یہ جملہ نکلا کیسے؟ آپ نے

toobaafoundation.com

خود شیخ صدرالدین محمد بن اسحاق القونوی (م ۶۷۳ھ) کی تفسیر سورۃ الفاتحہ بنام "اعجاز البیان فی کشف بعض اسرار ام القرآن" کے تعارف میں یہ فرمایا ہے:

"وے کلام خود را بنقل اقاویل اہل تفسیر ممزوج نساختہ و نہ بکلام عاقلین متفکرین جز آنچہ حکم لسان من حیث الارتباط واجب می کند، بلکہ اکتفا بہبات الہیہ و واردات صمدیہ نمودہ محرر سطور گوید، ایں واردات اگر مطابق تفاسیر اہل حق است و مصادم مقصود تنزیل و سنت مطہرہ نیست، درخور التفات باشد و اگر از قبیل مکاشفات متصوفہ است، بجوی نمی ارزد"[۴۳]۔

مقصود ہمارا یہ ظاہر کرنا ہے کہ جہاں قونوی کی متصوفانہ تفسیر کے لیے نرم گوشہ آپ کے دل میں پیدا ہو گیا اور اس شرط کے ساتھ کہ "ایں واردات اگر مطابق تفاسیر اہل حق است و مصادم مقصود تنزیل و سنت مطہرہ نیست"۔ ان واردات کو آپ نے "درخور التفات" قرار دیا تو کیا قاضی پانی پتی علیہ الرحمہ کی تفسیر اور مندرجہ واردات اس قابل بھی نہیں کہ مقید بشرط بالا ہی سہی درخور التفات قرار دی جاتی۔ یا پھر بعض امثلہ کے ذریعہ یہ ثابت کر دیا جاتا کہ مظہری کے مشمولات "مصادم مقصود تنزیل و سنت مطہرہ" ہیں۔ آئندہ اس خاص پہلو کو بھی کسی قدر واضح کیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔

بقیہ دفعات چہارگانہ بادیٔ النظر میں جس قدر سنگین ہیں، بحمد اللہ تفسیر مظہری کا اکثر و بیشتر مواد ان میں سے ہر الزام کی تردید کے لیے کافی سے زیادہ ہے۔ تفصیل کہاں تک پیش کی جائے ع۔ سفینہ چاہیئے اس بحرِ بے بیکراں کے لیے

آئندہ جو مختصر باتیں عرض کی جائیں گی وہ ان تمام دفعات کی حقیقت واضح کرنے کے سلسلہ میں نشان راہ کا کام دے سکتی ہیں۔ ایک بات بہر حال قابلِ ذکر ہے کہ اکسیر فی اصول التفسیر میں نواب علیہ الرحمہ نے جو حملہ چو مکھا کر دیا ہے اس کے برخلاف تفسیر فتح البیان کے مقدمہ میں قاضی صاحب مرحوم پر ان کا دھاوا ایک رخا بن کر رہ گیا ہے۔ تفسیر نگاری میں بعض علوم دینیہ کے خصوصی ماہرین کی نگارش پر جو مخصوص مہارت کی چھاپ پڑ جاتی ہے اس پر نواب صاحب کی گرفت ایک حد تک ہے انہیں اسی ضمن میں رقم طراز ہیں:

toobaafoundation.com

والفقیہ یکادیسمع فیہ الفقہ جمیعا	اور فقیہہ جیسے پوری فقہ کا متن (تفسیر میں)
وربما استطرد الی اقامۃ ادلۃ الفروع	سنتا چلا جاتا ہے اور کسی ادنیٰ مناسبت
الفقہیۃ التی لا تعلق لھا بالآیۃ	فقہی فروع کے دلائل قائم کرنے کے
اصلا والجواب عن الادلۃ للمخالفین	درپے ہوتا ہے جن کو آیت سے مطلق
کالقرطبی وصاحب المظہری ۴	نسبت نہیں ہوتی اور دلائل مخالفین کا
	جواب دینے لگ جاتا ہے جیسے قرطبی ہیں
	اور تفسیر مظہری کے مصنف۔

غنیمت ہے کہ اس موقع پر انہوں نے قاضی صاحب مرحوم کو حقائق التفسیر کے مصنف ابو عبدالرحمٰن السلمی کے ساتھ نتھی نہیں کیا۔[۵] اس کا مطلب کیا یہ لیا جائے کہ نواب صاحب کی ناراضگی کا اصلی سبب کچھ اور نہیں وہی فقہی مباحث کی تفصیلات ہیں جو اتنائے تفسیر آن پڑی ہیں۔ اگر یہی بات ہے تو عرض کر چکا ہوں کہ متقدمین کی تفسیروں میں بھی فقہیات کا حصہ کمتر نہیں اور جامع البیان للطبری میں تو مستقل ذخائر نحوی مباحث کے علاوہ فقہیات، کلامیات اور بصرہ و کوفہ کی نحوی کشاکش کی تفصیلات کے ملتے ہیں اور خود نواب صاحب کی تفسیر کا جائزہ اگر انہی کے مقررہ معیار نقد و نظر کو سامنے رکھ کر لیجئے تو دوسروں کو جو کچھ وہ کہہ گذرے ہیں ان سے خود ان کی تفسیر مبرّا نہیں نکلے گی۔

بہرحال قاضی علیہ الرحمہ کی مفسرانہ روش اور امتیازات کو سمجھنے کے سلسلے میں تفسیری مباحث کے نمونوں کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے لہٰذا بعض مثالیں جزوی نکات کی توضیح کے ساتھ درج کی جاتی ہیں:

(۱) سورۃ البقرہ کی آیت رقم (۷۴) وَاِنَّ مِنْھَا لَمَا یَھْبِطُ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ کی تفسیر میں مصنف نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ پتھر بجنس جماد ہے خشیت سے اس کا تعلق ہی کیا ہے! جواباً فرماتے ہیں: قال البیضاوی الخشیۃ مجاز عن انقیادھا للاوامر التکوینیۃ یعنی خشیۃ یہاں حقیقی معنی میں نہیں بلکہ بطور مجاز اوامر تکوینیہ کا تابع ہونے کے معنی میں ہے جس سے جماد یا پتھر بھی مستثنیٰ نہیں۔ یہ جواب قاضی بیضاوی کا نقل ضرور کیا گیا ہے لیکن خود ہمارے قاضی ہندی علیہ الرحمہ کی نگاہ عمیق اور فکر راسخ کو اس سے اتفاق نہیں چہ جائیکہ اطمینان

toobaafoundation.com

ہو۔ وہ برموقع موثر اور مدلل لفظوں میں بیضاوی سے اپنا اختلاف ظاہر کرتے ہیں اور یہیں ان کی رسائی فکر ونظر یا کم از کم اس خاص مکتب فکر کی انفرادیت جس کے وہ پیرو تھے کھل کر سامنے آتی ہے دیکھیے کس قدر اعتماد کے لہجہ میں فرماتے ہیں:

قلت وهذا ليس بشئ۔ فان الانقياد للاوامر التكوينية موجود فی قلوب الكفار ايضا قال الله تعالى: ختم الله على قلوبهم، فهم انقاد والختم۔ قال: ولله يسجد من فی السموات والارض طوعا وكرها۔ وعن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان قلوب بنی آدم كلها بين اصبعين من اصابع الرحمن كقلب واحد يصرفها كيف يشاء ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم مصرف القلوب صرف قلوبنا على طاعتك رواه مسلم والتحقيق ما قال البغوی۔ ان مذهب اهل السنة والجماعة ان لله تعالى علما فی الجمادات وسائر الحيوانات سوى العقلاء لا يقف عليه غيره فلها صلوة وتسبيح وخشية قال الله تعالى۔ وان من شئ الا يسبح بحمده الخ۔[٦]

میں کہتا ہوں یہ کوئی بات نہ ہوئی۔ اس لیے کہ اوامر تکوینیہ کے تابع تو کفار تک کے قلوب ہیں۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں (مہر لگا دی اللہ نے ان کے قلوب پر) تو ان کے دلوں پر مہر لگی اور وہ اس بارہ میں تابع بن کر رہے نیز فرماتے ہیں (اور اللہ کے لیے سجدہ کرتے ہیں سب آسمان وزمین والے خوشی وناخوشی کے ساتھ) اور عبد اللہ بن عمرو رسول اللہ سے روایت کرتے ہیں: بنی آدم کے قلوب سب کے سب اللہ کی دو انگشتوں کے بیچ ایک قلب کی طرح ہیں۔ وہ جیسے چاہتے ہیں ان کو گردش دیتے ہیں۔ پھر آنحضرت نے فرمایا اے اللہ دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی طاعت کی طرف پھیر دے (مسلم کی روایت ہے) اور تحقیق بغوی کا قول ہے کہ اہل سنت والجماعۃ کے مذہب میں اللہ کا علم ذوی العقول کے سوا جمادات وحیوانات کو بھی حاصل ہے۔ مگر اس پر سوائے باری تعالیٰ کے غیروں کو راست اطلاع نہیں۔ پس ان کے لیے بھی صلوٰۃ،

toobaafoundation.com

تسبیح اور خشیت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں
(اور کوئی شے نہیں، مگر وہ پروردگار کی
تسبیح و حمد میں مصروف ہے)

برموقع پوری عبارت المظہری کی پڑھ دیکھیے اور اس کا مقابلہ بیضاوی کے الفاظ سے کیجیے جہاں یہ فقرہ ملتا ہے: ومنہا ما یتردی من اعلی الجبل القیاداً لما اراد اللہ بہ۔ والخشیۃ مجاز عن الانقیاد[۷] الخ۔ ماخذ اس کا بہرحال زمخشری کی الکشاف ہے[۸] اور مدارک التنزیل میں بھی آیت شریفہ کی تفسیر میں اولیت انہی الفاظ کو حاصل ہے: قیل ھو مجاز عن القیادھا لامر اللہ اس کا ماخذ بھی راست الکشاف ہے۔ صاحب مدارک دوسرے درجہ میں اس قول کو نقل کرتے ہیں جسے صاحب المظہری نے ترجیح دی ہے[۹]۔ آیت کی تفسیر میں خود شوکانی کا بیان ہر دو وجوہ تفسیر پر مشتمل ہے اور اگرچہ انہوں نے "مجاز عن الخشوع" کو درجۂ ثانوی دیا ہے لیکن اول کی ترجیح ثانی پر ان کے قلم سے بھی واضح نہیں ہوتی[۱۰]۔ نواب صاحب کی تفسیر فتح البیان کا ظاہر ہے کہ اس سے الگ حال نہیں جو دراصل شوکانی سے لفظ بہ لفظ ماخوذ ہے قلیل ترین حذف و اختصار اور (واختارہ ابن عطیہ) کے تنہا اضافی فقرہ کے ساتھ۔ البتہ حافظ ابن کثیر کی بات اور ہے۔ قاضی پانی پتی نے جو نکتہ اساسی اس ترجیح کے ضمن میں واضح کیا ہے ابن کثیر کی نگاہِ متجسس اسے آشکارا کرنا ہی چاہتی تھی۔ انہوں نے بیشتر مفسرین یا ماخذوں کی نشاندہی کے ساتھ یوں ارشاد فرمایا ہے: وقد زعم بعضھم ان ھذا من باب المجاز وھو اسناد الخشوع الی الحجارۃ کما اسندت الارادۃ الی الجدار فی قولہ (یرید ان ینقض فاقامہ) قال الرازی و القرطبی وغیرھما من الائمۃ ولا حاجۃ الی ھذا۔ فان اللہ تعالیٰ یخلق فیھا ھذہ الصفۃ[۱۲] الخ۔

گویا اصل اس تردید کی قرطبی و رازی کی تفسیروں میں موجود ہے مگر وہ زور بیان اور اعتماد کا لہجہ جو قاضی پانی پتی کی تفسیر میں برموقع نظر آتا ہے شاید رازی کی تفسیر میں بھی نہیں[۱۳]۔ شارح بیضاوی علامہ شیخ زادہ (م ۹۵۱ھ) نے معنی حقیقی کے عوض بیضاوی کی تبعیت میں معنی مجازی ہی کی بنا استوار رکھنے کی سعی فرمائی ہے[۱۴] اس طول کلام کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ کم از کم

toobaafoundation.com

ان مصادر کا مطالعہ کرکے قاضی پانی پتیؒ کی ہر موقع تفسیر دیکھیں تو نمایاں طور پر معلوم ہوگا کہ بر اعتبار وسعت معلومات، وتبحر وعمق فکر وبصیرت جس قول کو وہ ترجیح دیتے ہیں اس کے لیے دلائل وقوتِ بیان اور صراحت زبان کے سرمایہ کی کمی ان کے خزانہ میں نہیں ہے۔ غرض یہاں قاضی بیضاوی کی تردید اور بغوی کی تائید میں ان کے زور بیان کا سکہ بالکل کھرا ہے اور اس کے دونوں رخ دلآویز وروشن ہیں۔

(۲) اب ایک ایسی مثال پیش کی جاتی ہے جس سے خود بغوی سے ان کے اختلاف کی شان نمایاں ہوگی اور پتہ چلے گا کہ اخذ واقتباس جس سے کوئی مستثنیٰ نہیں قرار دیا جا سکتا، اس میں بھی حضرت قاضی علیہ الرحمہ اپنی عمیق بصیرت کا بھرپور استعمال کہاں تک کرتے ہیں:

آیت شریفہ (البقرہ: ۱۸۷) وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ کی تفسیر میں مختلف اقاویل کے ساتھ بغوی کا قول نقل کرتے ہوئے صاف لفظوں میں حسب ذیل تبصرہ کرتے ہیں۔

قال البغوی قال معاذ بن جبل ابتغوا ما کتب اللہ لکم۔ یعنی لیلۃ القدر۔ قلت وھذا بعید من السیاق۔[۱۵] فتح القدیر شوکانی میں یہی تفسیر بحوالہ ابن جریر، ابن المنذر وابن ابی حاتم حضرت ابن عباس سے اور بحوالہ تاریخ البخاری حضرت انسؓ سے مروی ہے لیکن مفسر نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔[۱۶] البتہ اس سے پہلے بقدر یک صفحہ فاصلہ پر سیاق سے بظاہر قریب یا قریب تر[۱۷] اقوال نقل کرنے کے ساتھ یہ جملہ بھی لکھا ہے "وقیل غیر ذلک مما لا یفیدہ النظم القرآنی۔ غالباً اس سے اشارہ اسی روایت کی طرف ہے جسے بغوی نے معاذ بن جبل سے نقل کیا ہے واللہ اعلم۔ نواب علیہ الرحمہ نے فتح البیان میں شوکانی کے الفاظ ایک جگہ سے نقل کرتے ہوئے دوسری جگہ سے روایت کے الفاظ بھی نقل کر دیئے ہیں اور آخر میں شوکانی کا پورا فقرہ یوں جوڑ دیا ہے"۔۔۔۔ وقیل ابتغوا لیلۃ القدر، وقیل غیر ذلک مما لا یفیدہ النظم القرآنی"۔ اس طرح "لیلۃ القدر" کی اثری وروایتی حیثیت جو شوکانی کی تفسیر میں بصراحت نظر آتی ہے وہ نواب مرحوم کے یہاں ختم ہوگئی اور لیلۃ القدر کا اثر جس پر شوکانی خاموش ہیں از قبیل دیگر اقوال نقل ہو کر رہ گیا ہے۔ ان الفاظ سے نظم قرآنی یا سیاق کی ہم آہنگی کے مسئلہ کی طرف توجہ سرے سے نہیں دی گئی۔ صاحب المظہری اس بارہ میں بلحاظ قوت نقد ونظر ممتاز نظر آتے ہیں

toobaafoundation.com

اس اثر کی نشان دہی ابن کثیر نے بھی کی ہے لیکن خاموشی برتی ہے۔[۱۸]

(۳) آیت کریمہ (البقرہ: ۱۸۶) وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ کی شان نزول کے تحت کئی روایتیں ملتی ہیں ان میں سے ایک بحوالہ بغوی، قاضی صاحب نے نقل کی ہے مگر اس کے ساتھ گہری اور صریح تنقید بھی فرمائی ہے، اصل الفاظ ملاحظہ کیجیے:

قال البغوی: روی الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس قال قال یھود المدینۃ یا محمد کیف یسمع ربنا دعاءنا وانت تزعم ان بیننا وبین السماء مسیرۃ خمسمأیۃ عام وان غلظ کل سماء مثل ذلک فنزلت ھذہ الآیۃ۔ قلت والظاھر ان تشریف السائل بالاضافۃ الی نفسہ فی قولہ تعالیٰ (واذا سالک عبادی) یابی ان یکون السائل یھودیا متعنتا فی السوال واللہ اعلم[۱۹]	بغوی کا قول ہے کلبی نے ابی صالح سے اور اس نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ مدینہ کے یہودیوں نے کہا تھا اے محمد ہمارا پروردگار کیسے ہماری دعا سن پاتا ہے جبکہ تم کہتے ہو، ہمارے اور آسمان کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے اور مزید یہ کہ ہر آسمان کا حجم اسی قدر ہے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ میں کہتا ہوں: کہ سائل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت دے کر جو شرف اپنے الفاظ (واذا سالک عبادی) میں بخشا ہے وہ کسی سرکش یہودی کے سائل ہونے کی تردید کرتا ہے۔"

ایسی برمحل اور مصبرانہ تنقید کا کہیں اور آپ کو نشان نہیں ملنے کا۔

نواب علیہ الرحمہ نے حضرت ابن عباس رضؓ سے منسوب اس قول یہود کو نقل ضرور کیا ہے لیکن اس پر تبصرہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ لطف یہ کہ متعدد اقوال میں سے کسی کو کسی پر ترجیح دینے کی صورت پر بھی وہ غور نہیں فرماتے۔ جبکہ شوکانی کی فتح القدیر میں اس قول کا سرے سے ذکر نہیں ہے۔[۲۰]

اسی آیت شریفہ میں (فانی قریب) کے معنی مفسرین نے جو بیان کیے ہیں کہ اس سے مراد قربت علمی ہے کہ باری تعالیٰ سے کوئی شے پوشیدہ نہیں اسے بیضاوی تمثیل قرار دیتے ہیں

toobaafoundation.com

کہ افعال عباد اور ان کے اقوال و احوال کا جو کامل علم اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے، اسی کی توضیح قرب مکانی رکھنے والی شے کے حال سے تمثیل کے پیرایہ میں کی گئی ہے۔ اس افادہ پر ہمارے قاضی مہدی علیہ الرحمہ قطعاً مطمئن نہیں ہوتے اور بجا طور پر فرماتے ہیں۔

قلت وھذا التاویل منھم مبنی علی ان القرب عندھم منحصر فی القرب المکانی واللہ تعالیٰ منزہ عن المکان ومماثلۃ المکانیات والحق انہ سبحانہ قریب من الممکنات قربا لا یدرک بالعقل بل بالوحی او الفراسۃ الصحیحۃ ولیس من جنس القرب المکانی ولا یتصور شرحہ بالتمثیل اذ لیس کمثلہ شئ واقرب التمثیلات ان یقال قربہ الی الممکنات کقرب الشعلۃ الجوالۃ بالدائرۃ الموھومۃ فان الشعلۃ لیست داخلۃ فی الدائرۃ للبون البعید بین الموجود الحقیقی والموجود فی الوھم ولیست خارجۃ عنھا ولا عینھا ولا غیرھا وھو اقرب الی الدائرۃ من نفسھا حیث ارتسمت الدائرۃ بھا ولا وجود لھا فی الخارج بل فی الوھم بوجود تلک النقطۃ فی الخارج واللہ اعلم[۲۱]

مفسرین کی اس تاویل کا مبنی یہ ہے کہ ان کے نزدیک قرب سے صرف قرب مکانی مراد ہے مگر اللہ تعالیٰ کی ذات 'مکان' سے منزہ ہے۔ اور مکانیات کی مماثلت سے بھی منزہ ہے تب حق یہ ہے کہ باری تعالیٰ سبحانہ ممکنات سے قرب ایسے قرب کے ذریعہ ہیں جس کا ادراک عقل سے نہیں بلکہ وحی اور فراست صحیحہ سے ہوتا ہے یہ قرب از قبیل قرب مکانی نہیں ہے اور بذریعہ تمثیل اس کا بیان متصور نہیں ہوسکتا اس لیے کہ وہ (لیس کمثلہ شئ) ہے تب قریب ترین تمثیل اس طرح کہنا ہے کہ ممکنات سے اس کا قرب مانند شعلہ جوالہ کے قرب کے ہے جو اس شعلہ کو موہوم دائرہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ مگر یہ شعلہ جوالہ داخل دائرہ نہیں اس لیے کہ موجود حقیقی اور موجود فی الوہم کے درمیان بڑا بعد فاصلہ ہے ویسے یہ شعلہ دائرہ سے خارج بھی نہیں۔ وہ نہ تو عین دائرہ ہے نہ غیر دائرہ اور وہ دائرہ سے قریب تر بھی ہے بہ مقابلہ اپنی ذات کے۔ اس لیے کہ دائرہ اس سے مرتسم ہوتا ہے

toobaafoundation.com

حالانکہ دائرہ کا وجود خارج میں نہیں بلکہ
وہم میں ہے بہ سبب اس نقطہ کے جو خارج
میں وجود رکھتا ہے۔ واللہ اعلم۔

اس تمثیل سے قاضی ثناء اللہ علیہ الرحمۃ کی دقت احساس و نظر کا جوہر کھل کر سامنے آتا ہے کہ وہ قاضی بیضاوی کی 'تمثیل' کو من وعن تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس سے پیدا شدہ وہم تک کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں اور چاہتے ہیں کہ باری تعالیٰ کی تنزہ شان کا تقاضہ ملحوظ رکھا جائے اور تمثیل میں قرب مکانی کا شائبہ تک نہ رہ جائے۔ ایسا صرف اسی نہج پر چل کر ہو سکتا تھا جو قاضی ہندیؒ نے اپنی قوتِ فکر سے نکالا اور پھر ایسی تمثیل شعلۂ جوالہ کی اپنے دائرہ موہومہ سے قربت کی پیش کی ہے جس سے ان کے داعیہ تفہیم کی شدت اور کمال احتیاط کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۴) آیت شریفہ وعلم آدم الاسماء (البقرہ: ۳۱) کی تفسیر میں قاضی علیہ الرحمہ نے پوری مستعدی کے ساتھ تمام اقاویل کا احاطہ فرماتے ہوئے کسی ایک قول کی تردید کے بغیر اپنے ذوق و وجدان یا گویا فراست صحیحہ کے نتیجہ میں یہ بات کہہ دی ہے کہ الاسماء سے اسماء الٰہیہ مراد ہیں یہاں اس پوری بحث کا نقل کرنا دشوار ہے لیکن میں نے جہاں تک غور کیا ہے اس تاویل کے سلسلہ میں قاضی علیہ الرحمہ نے تفسیری اصول وضوابط یا آداب مفسرین میں سے کسی کی خلاف ورزی نہیں فرمائی یہاں تک کہ حضرت ابن عباسؓ کا اثر (علمہ اسم کل شیء حتی القصعة والقصیعة) کی بھی مناسب توجیہ فرمائی ہے۔ غرض شدت احتیاط کے باوجود جو تاویل شرح وبسط سے پیش فرمائی ہے وہ لائق مطالعہ ہی نہیں بلکہ ان کے تدبر و تفکر کا ثمر شیریں ہے[۲۲] مگر قاضی صاحب کی اس مختار تاویل سے نواب علیہ الرحمہ بہت برہم ہیں فرماتے ہیں:

وقال فی المظہری: وعندی ان اللہ علم آدم الاسماء الالٰہیة کلہا ثم رجح ھذا لکلام طویل وھو غیر راجح مع ما فیہ من البعد والتکلف ولم یقل بہ احد من المفسرین ویاباہ ظاہر النظم وسیاقہ[۲۳]۔ قاضی صاحب کا موقف یہ ہے کہ بر موقع تفسیری اقاویل میں سے کوئی ایک بھی مرفوع نہیں اور ایسی بات بھی نہیں ہے کہ کوئی قول معنی میں مرفوع کے ہو بلکہ یہ سب تاویلات تھیں ورنہ اقوال میں اتنا اختلاف نہ ہوتا البتہ قول ابن عباس کو بھی قاضی صاحب نے تاویلات میں شامل کر دیا ہے بس ایک یہی بات کسی قدر احتیاط کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس لحاظ سے کہ قاضی صاحب کی مجوزہ

toobaafoundation.com

تاویل اور ان اقاویل میں نسبت تنافی نہ مجموعی طور پر ہے نہ الگ الگ اکائیوں کی شکل میں، مذکورہ ایراد بھی ختم ہوجاتا ہے۔ ایسی شکل میں قاضی صاحب کا قول گویا اقاویل سابقہ کا تتمہ یا تکملہ قرار پاسکتا ہے یہ درست ہے کہ مفسرین میں سے کسی نے وہ بات نہیں کہی جو قاضی صاحب نے کہی ہے مگر یہ اعتراض خود قاضی علیہ الرحمہ نے آپ ہی کیا ہے اور اس کا جواب بھی اطمینان بخش دیا ہے۔ اسی طرح نظم و سیاق سے اس کا میل نہ کھانا تو اس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی نیز متقدمین کے متعینہ اقوال کے بارہ میں بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے اور بظاہر اس کا جو جواب ہوگا وہی قاضی مرحوم کے سلسلہ میں بھی تشفی بخش جواب قرار پائے گا۔ بس اتنی بات ضرور ہے کہ ان کا شمار ہم متقدمین میں نہیں کرسکتے۔ اس مسئلہ میں حافظ ابن کثیر کی نگاہ دور تک گئی ہے اور انھوں نے حضرت انس رضؓ کی طویل روایت میں سے (وعلمك اسماء كل شیء فاشفع لنا الی ربك[24]) کی روشنی میں یہ نتیجہ نکالا ہے کہ فدل ھذا علی انه علمه اسماء جمیع المخلوقات[25]۔ مگر اس کے ساتھ بہ قاعدہ الاہم فالاہم اگر اسماء الٰہیہ کے علم اجمالی کو بھی جوڑ لیا جائے تو بظاہر مانع کیا ہے! اور جب منافاۃ نہیں تو قاضی علیہ الرحمہ نے گویا اقوال مفسرین کا تکملہ فراہم کرنے میں نمایاں کامیابی حاصل فرمائی اسے غیر راجح قرار دینے کے لیے (لم یقل به احد) کوئی دلیل نہیں اور خلاف نظم قرآنی بتانا بھی شاید انصاف سے بعید ہے۔ واللہ اعلم۔

اقتباسات و ملخصات کی مزید پیش کش سے صرف نظر کرکے، اس ظلوم و جہول کی ناقص سمجھ میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ کی تفسیر نویسی اور تفسیر المظہری کی بعض خصوصیتیں جو آسکی ہیں ان کی تلخیص نذر قارئین ہے:۔

(الف) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے علوم و افادات کی نور آگیں فضا میں مدارج تکمیل طے کرنے والوں میں حضرت قاضی ثناء اللہ علیہ الرحمہ کی یگانہ ہستی ہر لحاظ سے ممتاز ہے۔ تفسیر قرآن کے سلسلہ میں ان کی نظر کی وسعت اور فکر کی گہرائی میں کسی طرح تنگی وکمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تفسیر نویسی کا سب سے اہم مقصد یہ ہوتا ہے کہ ارشادات ربانی کے سمجھنے میں قاری دشواریوں سے کم سے کم دوچار ہوئے بغیر فائز المرام ہوجائے۔ بجائے اس کے کہ جملہ لسانی ولغوی مباحث و آراء کا دفتر کھول کر سامنے رکھ دیا جائے۔ روایات و آثار کی بھرمار تنقیح و تحقیق

toobaafoundation.com

کے بغیر کی جائے، اور تدبر و فہم قرآن میں ممتاز علماء راسخین کے اقاویل شمار کیے جائیں زیادہ مفید یہ ہوتا ہے کہ متعلقہ آیت کے سلسلہ میں جامعیت کے ساتھ تفسیری وجوہ و اقاویل کا پس منظر ان میں سے قابل ترجیح وجہ و قول کی نشان دہی کے ساتھ آ جائے اور خود مفسر کا اختیار کردہ قول و مسلک بھی ترجیحی اسلوب، مدلل پیرایۂ بیان اور پر اعتماد لہجہ میں مذکور ہو۔ اسی طرح قاری کے فہم و بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کو خود بھی پرکھنے اور جانچ کرنے کا سلیقہ حاصل ہوتا ہے۔ قاضی ثناء اللہ علیہ الرحمہ کی کسی رائے سے ہمیں اتفاق ہو یا اختلاف، ان کی یہ خصوصیت بہت سارے مفسرین میں ان کو ممتاز کر دیتی ہے کہ وہ جہاں اپنے اختیار کردہ قول پر روشنی ڈالتے ہیں وہاں ان میں بلا کی خود اعتمادی، لہجہ و بیان کی صراحت، استدلال نقلی و ذوقی کی متانت، نقد و ایراد میں عارفانہ و فاضلانہ جرأت، کی صفتیں بڑے تناسب سے ابھر آتی ہیں اور اپنا وزن منوا لیتی ہیں۔ اور یہ وہ بنیادی صفات ہیں جن کی بناء پر ان کا مقام طبقۂ علیا کے مفسرین کی صف میں متعین ہوتا ہے۔

(ب) اس میں شبہ نہیں کہ قاضی صاحب تصوف اور خصوصاً حضرت مجدد کے افکار و آراء سے پوری طرح آراستہ ہی نہیں بلکہ کاملاً اسی ماحول کے پروردہ اور بہترین نمائندہ و ترجمان ہیں لہٰذا جا بجا مناسب موقعوں پر تصوف و صوفیہ کے نقطۂ نظر کا انطباق یا اس سے اکتساب نور یا توجیہات و اتجاہات صوفیہ کا ذکر درمیان میں آ جانا باعث استعجاب نہیں۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ایسے مواقع پر حضرت قاضی علیہ الرحمہ تصوف کے تابع بن کر قرآنی اسلوب کے ظاہری و معنوی حقائق کو پس پشت ڈالنا چاہتے ہیں یا خود تصوف کو قرآن کا تابع قرار دیتے ہیں۔ جہاں تک اس عاجز نے پڑھا اور سمجھا ہے قرآن کے اصل الاصول کی کسی حیثیت کو اس کی حقیقی و فطری جگہ سے ہٹانے یا گھٹانے کے سلسلہ میں ان کی مبصرانہ احتیاط آڑے آ جاتی ہے مثلاً (فخذ اربعۃ من الطیر: البقرہ: ۲۶۰) کی تفسیر میں، قاضی بیضاوی کا قول نقل فرما کر اس کی مناسبت سے اپنے ذوقی نقطۂ نظر کی صراحت کرتے ہیں لیکن آخر کلام یہ الفاظ بھی ثبت فرماتے ہیں:

وھذہ کلمات من اھل الاعتبار لا مدخل لھا فی التفسیر واللہ اعلم (البقرہ: ۲۶۰) اسی طرح (واذ قال ابراھیم رب ارنی کیف تحیی الموتی قال اولم تؤمن قال بلی ولکن لیطمئن قلبی

toobaafoundation.com

البقرہ : ۲۶۰) کے ذیل میں تفسیری مباحث کا خلاصہ بڑی جامعیت کے ساتھ پیش فرمایا ہے اور کہیں کسی پہلو سے ضعف نظر آیا تو اس کی بھی وضاحت فرمائی پھر خاتمہ میں اپنے ذوقی اختیار کی تفصیل اس طرح درج کی ہے کہ اہل ذوق کی تسکین ہو ورنہ خواہ مخواہ جس کے پلّے کوئی بات نہ پڑتی ہو اس کو اختیار ہے کہ قاضی صاحب کی ذاتی پسند کو چھوڑ کر بقیہ افادات سے مستفید ہو۔ اس موقع پر آپ کے یہ الفاظ ملتے ہیں : والتحقیق عندی ما قالت الصوفیۃ العلیۃ ان لاھل اللّٰہ تعالیٰ فی السلوک مقامات۔ الخ[۲۷]

علی ھذا القیاس آیت شریفہ (ھل ینظرون الا ان یاتیھم اللّٰہ فی ظلل من الغمام۔ الآیہ البقرہ : ۲۱۰) کی تفسیر میں اہل السنہ کا مجمع علیہ قول مفصل طور سے نقل کرتے ہیں پھر فرماتے ہیں (ولاصحاب القلوب فی تلک الآیات سبیل اٰخر) اور اس کو واضح الفاظ میں بیان کرنے کے بعد بحث کا خاتمہ یوں کرتے ہیں (وھذا امر من لم یذقہ لم یدر ومن دری لا یمکنہ التعبیر عنہ کما ھو بل تختبط افھام السامعین فیفھمون غیر مرادہ فعلیکم بالسکوت عنہ والایمان بہ ولیس لاحد ان ینسر کا الا اللّٰہ ورسولہ[۲۸] ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر منصفانہ روش اور کیا ہو سکتی ہے۔

اسی ذیل میں حیاۃ خضر پر قاضی علیہ الرحمہ کا اختیار کردہ قول واستدلال لائق ذکر ہے آپ جانتے ہیں کہ نفس مسائلہ میں خود محدثین کے اندر دو فریق ہیں مگر غلبہ اثبات کرنے والوں کا ہے۔[۲۹] قاضی علیہ الرحمہ باوجود اس کے کہ جامعیت میں بے نظیر ہیں بہ صراحت لفظ وقوت استدلال "حیاۃ خضر" کا انکار فرماتے ہیں ان کے دلائل احادیث صحیحہ وموثوقہ پر مبنی ہیں البتہ اس غلط فہمی کے پھیلنے اور قول اثبات کے غلبہ پانے کے سلسلہ میں انہوں نے جو عقدہ کشائی کی ہے وہ صرف تصوف کا عطیہ ہے فرماتے ہیں :

"والظاہر ان الخضر علیہ السلام لو کان حیا فی زمن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ما اعتزل عن صحبتہ فانہ کان مبعوثا الی الناس کافۃ۔ ولھذا قال علیہ السلام لو کان موسی حیاما وسعہ الا اتباعی رواہ احمد والبیھقی فی شعب الایمان فی حدیث جابر وسینزل عیسی بن مریم و یقتدی برجل من المسلمین

toobaafoundation.com

کذا روی مسلم فی حدیث ابی ھریرۃ عن جابر ولا یمکن حل ھذا الاشکال الا بکلام المجرد للالف الثانی فانہ حین سئل عن حیوۃ الخضر علیہ السلام وفاتہ توجہ الی اللہ سبحانہ مستعلما من جوابہ عن ھذا الامر۔ فرأی الخضر علیہ السلام حاضرا عندہ فسألہ عن حالہ فقال اذا والیاس لسنا من الاحیاء لکن اللہ سبحانہ اعطی لارواحنا قوۃ نتجسد بھا ونفعل بھا افعال الاحیاء من ارشاد الضال واغاثۃ الملھوف اذا شاء اللہ و تعلیم العلم اللدنی واعطاء النسبۃ لمن شاء اللہ تعالیٰ۔ الخ۔ فھذا الکشف الصحیح اجتمع الاقوال وذھب الاشکال والحمد للہ الکبیر المتعال۔[۳۰]

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ حضرت قاضی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں تصوف وکشفیات سے حتی الامکان تعمیری خدمت لینے کی سعی فرمائی ہے وہ شریعت کو طریقت میں گم کر دینے کے حامی نہیں ہیں۔ بلکہ دونوں میں خط فاصل کا لحاظ رکھتے ہوئے حسب موقع کچھ نکتوں کی توضیح وتوجیہ فرماتے ہیں۔

(ج) فہم قرآن کے سلسلہ میں ان کی ایک اصطلاح (الفراسۃ الصحیحۃ الاسلامیہ)[۳۱] کی ہے۔ ماخذ اس کا بظاہر قرآن حکیم کی وہ بے شمار آیتیں جو تدبر وفکر فی الآیات الالٰہیۃ کی دعوت دیتی ہیں۔ نیز معنوی حدود میں (اتقوا فراسۃ المومن) کو بھی اہل نقد ونظر محدثین نے حدیث قرار دیا ہے اس کی تشریح مجمع بحار الانوار وغیرہ[۳۲] میں دیکھئے۔ اور یہ وہی قوت فکری ہے جسے "فراست ایمانی" سے تعبیر کرتے ہیں۔ قاضی صاحب کی مراد غالباً اسی قلبی بصیرت وباطنی نور سے ہے جو مطالب صحیحہ کے ادراک میں معاون ہوتی ہے اور احتمالات کے دھندلکے میں راجح پہلو کو عیاں کرتی ہے۔

(د) مجموعی طور پر اس تفسیر کی یہ خصوصیت ملحوظ رکھنے کی ہے کہ یہ صرف مختلف مکاتیب فکر ونظر کے اقاویل پیش نہیں کرتی بلکہ تفسیر کی تنقیدی صلاحیتوں کے نو بہ نو پہلوؤں کی افزائش اور خاص فضا میں پروردہ وبالیدہ فکر ونظر کی قیمتی ثروت کو نمایاں کرتی ہے وہ بھی اس شان سے کہ روایتی ودرایتی دونوں طرز وروش میں مفسر کی وہ ریاضت بڑی حد تک عیاں

toobaafoundation.com

ہوتی ہے جو اعتدال کی راہ ہموار کرتی اور دکھاتی ہے۔

حواشی

۱ الیانع الجنی، علی ہامش کشف الاستار (دیوبند) ص۲۷، نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۱۱۴۔
۲ اکسیر فی اصول التفسیر، مطبوعہ نظامی پریس، کانپور ۱۲۹۱ھ ص ۱۰۳۔ ص ۱۰۴
۳ ایضاً ص ۳۶
۴ فتح البیان ج ۱، ص ۷۔ ۵ فتح البیان ج ۱، ص ۸۔
۶ المظہری ج ۱، ص ۸۴، ص ۸۵ ۷ انوار التنزیل (البقرہ) دیوبند ۱۳۷۱ھ، ص ۸۴
۸ الکشاف، البقرہ مصر ۱۳۵۴ھ ج ۱، ص ۷۷ ۹ مدارک التنزیل ج ۱، ص ۲۵
۱۰ تفسیر فتح القدیر مصر ۱۳۲۹ھ ج ۱، ص ۸۴، ۸۵ ۱۱ فتح البیان ج ۱، ص ۱۳۱
۱۲ تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر، علی ہامش فتح البیان ج ۱، ص ۱۹۳۔
۱۳ مفاتیح الغیب ج ۱، ص ۵۷۱۔ ص ۵۷۲۔
۱۴ شیخ زادہ، سورۃ البقرہ، ص ۳۳۱۔ ص ۳۳۲ ۱۵ المظہری ج ۱، ص ۲۰۴
۱۶ فتح القدیر ج ۱، ص ۱۶۴۔ ۱۷ ایضاً ج ۱، ص ۱۶۳
۱۸ تفسیر ابن کثیر، علی ہامش فتح البیان ج ۲ ص ۸۔ ص ۹ ۱۹ المظہری ج ۱، ص ۲۰۰
۲۰ فتح البیان ج ۱ ص ۲۴۸، فتح القدیر ج ۱ ص ۱۶۱۔ ۱۶۲ ۲۱ المظہری ج ۱، ص ۲۰۱
۲۲ المظہری ج ۱، ص ۵۰۔ ۵۱ ۲۳ فتح البیان ج ۱، ص ۸۳ ۲۴ صحیح البخاری ج ۲، ص ۶۴۶
۲۵ تفسیر القرآن العظیم، علی ہامش فتح البیان ج ۱، ص ۱۲۵۔ ۲۶ المظہری ج ۱، ص ۳۶۳
۲۷ المظہری ج ۱، ص ۳۷۱۔ ۳۷۲ ۲۸ المظہری ج ۱، ص ۲۴۹۔ ۲۵۱
۲۹ ارشاد الساری ج ۱ ص ۲۰۹ ۳۰ المظہری ج ۶، ص ۶۱۔ ۶۲
۳۱ المظہری ج ۱، ص ۴۴۔ ص ۲۰۱ ۳۲ مجمع بحار الانوار ج ۱۴، ص ۱۱۶

toobaafoundation.com